اسلام میں علم کی اہمیت
ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب قبلہ

اسلام میں علم کی اہمیت

مؤلف

ڈاکٹر کلب صادق صاحب

ناشر

عباس بک ایجنسی

رستم نگر درگاہ حضرت عباس لکھنؤ ۳
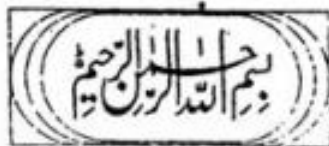
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

میری امت میں ہر شخص پر چار چیزیں لازم ہیں

(۱) علم کا غور سے سننا (۲) اس کا یاد رکھنا (۳) اس پر عمل کرنا۔

(۴) اس کی نشر و اشاعت کرنا۔

علم اسلام کی زندگی اور ایمان کا ستون ہے۔

علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی فائدہ مند ہے۔

بغیر علم کے عبادت کرنے والا کولھو کے بیل کی مانند ہے۔

عالم یا طالب علم کے علاوہ کوئی بھی مجھ سے نہیں

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت جاہل ہوتا ہے

میری نصیحتوں پر عمل کرو کیونکہ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں

اللہ ہم سب کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی احادیث کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عرض ناشر

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

"اقراء باسم ربک الذی خلق' خلق الانسان من علق اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم" ....(سورۃ العلق آیت ۱تا۵)

علم کو ان آیات کا محور قرار دیتے ہوئے خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ اے رسول! پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے (ہر شے کو) خلق کیا' اور جس نے خون کے لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا۔ پڑھو' تمہارا پروردگار بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور انسان کو ان باتوں سے آگاہ کیا جن کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔

مفسرین کا بیان ہے کہ مندرجہ بالا قرآنی آیات جو غار حرا میں پہلی بار پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مطہر پر نازل ہوئیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام کا آغاز علم کی دعوت سے ہوا نیز یہ کہ ان آیات کی ابتدا "قرأت" سے ہوتی ہے جو علوم و معارف کا ایک ذریعہ ہے۔ آخر میں کائنات کے عظیم ترین معلم (خداوند عالم) کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے جس کے مکتب کا انسان ایک ادنیٰ طالب علم ہے۔

یہ بھی قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ **"وعلم آدم الاسماء کلھا"** یعنی خدا نے تمام علوم 'اسماء اور اسرار و رموز سے حضرت آدمؑ کو آگاہ کیا (البقرۃ آیت ۳۱) نیز **"الرحمن علم القرآن خلق الانسان**

علمه البیان " خدا نے انسان کو خلق فرمایا اُسے قرآن کی تعلیم دی اور گفتگو کا سلیقہ سکھایا۔ (رحمٰن آیت ۱ تا ۴)

کائنات کا یہ عظیم ترین معلم اور خلاق عالم کبھی تو حضرت آدمؑ کو علوم واسماء اور اسرار ورموز سے آگہی کی تعلیم دیتا ہے' کبھی بنی نوع انسان کو ان سربستہ امور سے آگاہ کرتا ہے جن کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے' کبھی انسان کو قلم کے ذریعہ علم عطا کرتا ہے اور کبھی حروف کے حصار میں رہ کر اسے بولنے کا درس دیتا ہے۔ اور یہ تمام باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ خدا کی عظیم ترین صفات میں ایک اہم صفت اپنے بندوں کو تعلیم دینا بھی ہے اور تعلیم بھی ایسی کہ جو انسان کی معرفت اور شناخت کا ذریعہ قرار پائے۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ **"وقل رب زدنی علما"** اے رسولؐ! یہ کہیے کہ اے پروردگار! میرے علم کو اور زیادہ کردے۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۴)

یہ آیت جس کے مخاطب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ پیغمبرؐ اسلام علم کے عظیم مقام و بلند ترین مرتبہ پر فائز تھے لیکن اس کے باوجود آپ کے لئے زیادہ سے زیادہ طلب علم کا حکم تھا۔ نیز اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان عمر کے کسی مرحلے میں "فارغ التحصیل" نہیں ہوتا اور نہ ہی حصول علم کا راستہ کہیں پر ختم ہوتا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد الٰہی ہے کہ **"والراسخون فی العلم یقولون آمنا به کل من عند ربنا ومایذکر الا اولوالالباب"** یعنی راسخون فی العلم کہتے ہیں کہ ہم ان آیات پر ایمان لائے ہیں جو ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور ان سے صرف صاحبان

علم ہی نصیحت کر سکتے ہیں۔ (آل عمران آیت ۷)

یہ آیت علم و ایمان کے باہمی ارتباط اور اٹوٹ رشتہ کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بتا رہی ہے کہ جن لوگوں کے پاس علم زیادہ ہوتا ہے ان کا ایمان بھی زیادہ مستحکم ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم اور ایمان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یعنی اگر ہمارا یقین ہے کہ اس کائنات میں اللہ کا وجود ہے تو ہمارا یہی علم اور یقین ہمارا ایمان ہوگا۔ لیکن بعض محققین و مفسرین کا کہنا ہے کہ علم اور ایمان یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

ممکن ہے کہ ایمان، علم کا ثمرہ ہو لیکن عین علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایمان ذات خالق کے اقرار اور اس کی وحدانیت کے اعتراف کا نام ہے اور جب انسان کے دل میں یہ عقیدہ رچ بس جاتا ہے تو وہ کسی دوسرے کے آگے جھکنا گوارا نہیں کرتا اور نہ ہی کسی مادی طاقت سے مرعوب و متاثر ہوتا ہے بلکہ ذہنی طور پر تمام بندھنوں سے آزاد ہو کر خود کو خدائے واحد کا حلقہ بگوش تصور کرتا ہے اور اس طرح توحید سے وابستگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا دامن ہستی شرک اور گناہوں کی آلودگی سے پاک و صاف رہتا ہے۔ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز سے واقفیت اور آگاہی کے باوجود اسے دل سے قبول نہیں کرتا جیسا کہ بعض لوگوں کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے کہ "**وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا**" یعنی ان لوگوں (فرعون) نے ظلم اور سرکشی کی بنا پر انکار کر دیا حالانکہ دل سے انہیں یقین تھا (النمل آیت ۱۴)

غالباً انہیں امور کو نظر میں رکھتے ہوئے پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا

ہے کہ "العلم حیاة الاسلام وعماد الدین" یعنی علم اسلام کی زندگی اور ایمان کا ستون ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۸۱)

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا قول ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو نفس میں رچ بس جائے اور ایک وہ جو صرف سن لیا گیا ہو۔ اور سنا سنایا علم فائدہ نہیں دیتا جب تک وہ دل میں راسخ نہ ہو۔ (نہج البلاغہ ص ۹۱۶ خطبہ نمبر ۳۳۸)

علم و یقین کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور اگر اس کے مطابق عمل ظہور میں نہ آئے تو اسے علم و یقین سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے یقین ہے کہ فلاں راستہ پر خطر ہے اور وہ بے خطر راستہ کو چھوڑ کر اسی پر خطر راستہ میں راہ پیمائی کرے تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اس راہ کے خطرات پر یقین رکھتا ہے۔ جب کہ اس یقین کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ اس راستے پر چلنے سے احتراز کرتا۔ اسی طرح جو شخص حشر و نشر اور عذاب و ثواب پر یقین رکھتا ہو وہ دنیا کی غفلتوں سے مغلوب ہو کر آخرت کو نظر انداز نہیں کر سکتا اور نہ ہی عذاب و عقاب کے خوف سے عمل میں کوتاہی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ انہیں امور کے تحت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اپنے علم کو جہل اور اپنے یقین کو شک نہ بناؤ۔ جب جان لیا تو عمل کرو اور جب یقین پیدا ہو گیا تو آگے بڑھو۔ (نہج البلاغہ ص ۸۹۹ خطبہ ۲۷۳)

کمیل ابن زیاد نخعی کا بیان ہے کہ ایک دن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اے کمیل! دیکھو تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک عالم ربانی' دوسرا متعلم کہ جو نجات کی راہ پر برقرار رہتا

ہے اور تیسرا عوام الناس کا وہ پست گروہ ہے جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہو لیتا ہے اور ہر ہوا کے رخ پر مڑ جاتا ہے۔ نہ انہوں نے نور علم سے کسب ضیا کیا نہ کسی مضبوط سہارے کی پناہ لی۔ اے کمیل! یاد رکھو کہ علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری نگہداشت کرتا ہے اور مال کی حفاظت تمہیں خود کرنا پڑتی ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے لیکن علم صرف کرنے سے بڑھتا ہے۔ اور مال و دولت کے نتائج و اثرات مال کے فنا ہو جانے سے فنا ہو جاتے ہیں لیکن علم کبھی فنا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اے کمیل! علم کی شناسائی ایک دین ہے کہ جس کی اقتداء کی جاتی ہے۔ اسی سے انسان اپنی زندگی میں دوسروں سے اپنی اطاعت منواتا ہے اور مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے۔ یاد رکھو کہ علم حاکم ہوتا ہے اور مال محکوم۔ مال اکٹھا کرنے والے زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہوتے ہیں اور علم حاصل کرنے والے رہتی دنیا تک باقی رہتے ہیں۔ (نہج البلاغہ ص ۸۵۰ خطبہ ۱۴۷)

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ پیغمبرؐ اسلام کی اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ **"طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ"** یعنی علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے (بحار الانوار ج ۲ ص ۱۷۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ **"طلب العلم فریضۃ علی کل حال"** یعنی علم کا طلب کرنا ہر حال میں فرض ہے۔ (بحار ج ۲ ص ۱۷۲)

حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ حصول علم کی راہ میں جو شخص قدم رکھتا

ہے اس کے لئے بہشت کی راہیں ہموار ہو جاتی ہے۔ اور جاہل جس راستے پر چلتا ہے اس سے وہ واپس پلٹ نہیں سکتا۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سب سے بڑا مفلس وہ ہے جو جاہل ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ علم سے بڑھ کر کوئی تونگری نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ علم و حکمت سے متعلق ائمہ معصومینؑ کے بے شمار اقوال موجود ہیں۔ مثلاً (۱) گناہوں سے اجتناب علم کے ثمرات میں سے ہے۔ (۲) علم سے بڑھ کر کوئی خزانہ نہیں ہے۔ (۳) جن لوگوں کا علم زیادہ ہوتا ہے ان کے دلوں میں خدا کا خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ (۴) علم ایک نور ہے اور جسے خداوند عالم ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ (۵) جس کا علم زیادہ ہوتا ہے اس کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (۶) علم انبیاء کی میراث اور مال فرعون کی میراث ہے۔ (۷) علم ہر بلند مرتبے کی انتہا ہے۔ (۸) علم حیات اور جہالت موت ہے۔ (۹) علم وہ جڑ ہے جس سے ہر اچھائی پیدا ہوتی ہے۔ (۱۰) جہالت ہر برائی کی جڑ ہے۔ (۱۱) ایمان اور کفر کے درمیان صرف جہالت اور کم عقلی کا فاصلہ ہوتا ہے۔ (۱۲) عالم بنو، طالب بنو یا پھر علماء کی باتیں غور سے سنو اور علم دوست بنو۔ پانچویں شخص نہ بنو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ وغیرہ وغیرہ ____"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک قول یہ بھی ہے کہ "مجھے یہ بات پسند ہے کہ میرے دوستوں کو تازیانے مار کر حصول علم کے لئے مجبور کیا جائے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۸)

"اسلام میں علم کی اہمیت" کے عنوان سے یہ کتاب مولانا ڈاکٹر

سید کلب صادق صاحب قبلہ کی تقریروں پر مشتمل ہے جن کی زندگی کا نصب العین اہل حاجت کی حاجت روائی اور مسلم سماج کے لئے مصلحانہ اقدامات ہی نہیں بلکہ اپنے قائم کردہ ادارہ توحید المسلمین ٹرسٹ کے ذریعہ انسانیت کی فصیل پر علوم و معارف کے ایسے چراغ روشن کرنا ہے جو جہالت کی تاریکیوں کو دور کر سکیں۔ اور اس کا جیتا جاگتا ثبوت لکھنؤ کی سرزمین پر یونٹی کالج کا قیام ہے جس کی متعدد شاخیں اتر پردیش میں پھیلی ہوئی ہیں۔

زیر نظر کتاب اپنی افادیت کے لحاظ سے کیسی ہے؟ اس کا فیصلہ قارئین کرام کی رائے پر منحصر ہے۔

والسلام

سید علی عباس طباطبائی

عباس بک ایجنسی درگاہ حضرت عباس

رستم نگر لکھنؤ۔ ۳

ابتدائیہ

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

انسان مستقل مزاجی، دیانت داری اور محنت و جانفشانی سے کام کرے تو کیا نہیں کر سکتا۔ اس کی جیتی جاگتی مثال مولانا علی عباس طباطبائی صاحب ہیں، جنہوں نے اس رسمیات پسند قوم میں خالص دینی کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کیا، اور وہ بھی ایک سسکتی زبان اردو میں، اور وہ بھی صفر سرمایہ سے، مگر ان کی کاوشوں نے اس وقت عباس بک ایجنسی کو ہندوستان گیر شہرت کا مالک بنا دیا۔

اپنے مسلسل اشاعتی پروگرام کے تحت موصوف "حقیر کی تقاریر کا ایک اور مجموعہ شائع کر رہے ہیں جس کا عنوان "اسلام میں علم کی اہمیت" ہے۔ امت مسلمہ عموماً اور ملت شیعہ خصوصاً اس وقت ساری دنیا میں جس ہمہ جہتی زوال کا شکار ہے (بہ استثنائے ایران) اس کا خاص سبب جدید علوم سے اس امت اور اس ملت کی نا آشنائی اور سائنس و ٹکنالوجی کے حصول کی طرف سے مستقل چشم پوشی ہے۔ اگر یہ چشم پوشی یوں ہی جاری رہی تو قانون قدرت ہمیں اس کی سخت ترین سزا دے گا، یا خدا نخواستہ ہمارا وجود بہ حیثیت قوم ختم ہو کر پوری دنیا میں واقعی چالیس افراد تک رہ جائے گا، یا اگر ہم رہیں گے بھی تو غلاموں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔

اہل بیت طاہرین کی برکت سے ہم کو ملت شیعہ میں مثبت انقلاب لانے کے لئے ایک زبردست اور موثر ترین وسیلہ منبر کی شکل میں حاصل ہے۔ یہ منبر قوم کو سلا بھی سکتا ہے، جگا بھی سکتا ہے، مار بھی سکتا ہے، زندہ بھی کر سکتا ہے۔ منبر کی جو حالت ہو گئی ہے اس پر روشنی ڈال کر ایک نئے فتنے کا

باب نہیں کھولنا چاہتا۔ بہر حال میں نے ہند و پاک کے صف اول کے منبر نشین افراد سے انتہائی منت و سماجت کے ساتھ درخواست کی کہ وہ منبر سے ہر مجلس میں کم از کم دس منٹ تعلیم کی اہمیت پر زور دینے کے لئے مخصوص کردیں' وعدے سب نے کئے مگر افسوس ہے کہ (میرے علم کی حد تک) سوائے ایک مقرر کے کوئی بھی اپنے وعدے کی لاج نہیں رکھ رہا ہے۔

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ "علم کو کھو دینے والا ہر شئے کھو دے گا اور سب کچھ چھوڑ کر علم کے پیچھے لگ جانے والا سب کچھ پالے گا" میری جان قربان ہو جائے مولیٰ کے اس ارشاد پر ـــــ میں چاہتا ہوں کہ مولا کا یہ ارشاد ہر شیعہ بلکہ ہر مسلمان کے گھر میں سنہری حروف میں آویزاں رہے اور نماز صبح کے بعد ہر علیؑ کا چاہنے والا اس پر نظر ڈالے اور دن بھر اسی کا وظیفہ پڑھتا رہے تاکہ باب مدینۃ العلم کے تصدق میں اللہ ہم پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے۔

میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ مجھے ایک ایک لمحہ اپنی جہالت کا احساس رہتا ہے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان تقاریر میں تسامحات ہوں' غلطیاں ہوں' غلط نتیجہ گیریاں ہوں۔

قارئین کرام سے گزارش ہے (خاص طور پر اہل علم حضرات سے) کہ ان تقاریر میں پائے جانے والے نقائص سے حقیر کو آگاہ کرنا اپنا دینی و اخلاقی فریضہ خیال فرمائیں اور بلا تکلف حقیر کو ان نقائص سے مطلع کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کا ازالہ کیا جاسکے۔

والسلام

سید کلب صادق

۲۹ر شعبان المعظم ۱۹ھ

لکھنؤ

پہلی مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

" ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین "(آل عمران آیت ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی خواہش کرے تو اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں سخت گھاٹے میں رہے گا۔

اللہ انسان کو ایک لمبی عمر دے کر بھیجتا ہے' یہ انسان ہے کہ اپنی بے احتیاطیوں سے خلاف شریعت عمل کر کے اپنی زندگی کو مختصر سے مختصر تر کرتا چلا جاتا ہے۔ غور فرمایا آپ نے؟ کیا مطلب؟ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کی زندگی کے' جو آپ کو دی گئی ہے آپ مالک نہیں ہیں۔ آپ اس کے کسٹوڈین ہیں۔ مجھے یہ خبر نہیں ہے کہ انگلستان میں کیا پالیسی ہے؟ لیکن ہندوستان کی بات میں آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں۔ ہندوستان میں اگر آپ دیکھیں تو ہر سگریٹ کے پیکٹ کے اوپر آپ کو ایک وارننگ لکھی ہوئی ملے گی۔ مگر وہ وارننگ اس طرح لکھی ہوئی ہوتی ہے کہ آدمی پڑھ ہی نہ پائے کہ کیا لکھا ہے' لیکن اس میں جو لکھا ہوتا ہے وہ یہ کہ سگریٹ کا پینا آپ کی صحت کے لئے مضر ہے۔ اے بھارت سرکار! جب سگریٹ کا پینا ہمارے لئے مضر ہے تو آپ اسے مارکیٹ میں بکنے ہی کیوں دے رہے ہیں' تو وہ فرمائیں گے کہ مارکیٹ میں بکے گی نہیں تو ہم کو اکسائز ڈیوٹی کہاں سے ملے گی۔ تو اس کا مطلب یہ کہ دنیا کی گورنمنٹوں میں یہ نفاق پایا جاتا ہے کہ وہ انسان کی صحت کو مقدم نہیں بلکہ اپنے فائدے پر نظر رکھتی

ہیں۔ اور میں آپ کے سامنے بتائے دے رہا ہوں برادران عزیز کہ پوری ذمہ داری کے ساتھ میں پھر ایک مرتبہ کہہ دوں کہ میں مجتہد نہیں ہوں مگر مسائل شرعی سے جاہل نہیں' اسلام کیا کہتا ہے؟ ہر وہ شئے جو تمہاری صحت کے لئے نقصان دہ ہے وہ حرام ہے۔ اس لئے کہ تمہاری صحت ہمارے لئے عبادتوں سے بڑھ کے ہے۔ اللہ کی عبادات سے بڑھ کر ہماری صحت' اتنی محبوب ہے اللہ کو ہماری ہیلتھ ہم کہ ایک طرف عبادت ہو' دوسری طرف ہماری ہیلتھ ہو تو وہ کہتا ہے ہیلتھ کو بچاؤ۔ رمضان المبارک آیا' ۲۹ رشعبان کو خوش قسمتی سے کسی کو بخار آگیا' ملاحظہ فرمایا آپ نے اب آپ ڈاکٹر کے پاس پہنچے ڈاکٹر نے کہا' اگر آپ نے روزہ رکھا تو بخار کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے' یہ نہیں کہا' مر جائے گا' پھر اس نے کہا' یہ بخار ایک دن میں اتر جائے گا' روزہ رکھے گا تو بخار دو دن میں اترے گا اگر اس نے اتنی سی بات کہہ دی تو اب آپ کے لئے مکمل روزہ رکھنا تھا واجب اگر آپ صحت مند ہوتے اب روزہ رکھنا ہو گیا حرام۔ اور اگر آپ نے روزہ رکھا تو پنالٹی ادا کرنا پڑے گی یعنی یہ روزہ تو رکھا ہی ہے آپ نے اب اس کی قضا بھی رکھئے ایک کے بجائے دو روزے رکھئے' اس لئے کہ آپ نے اپنی صحت کا خیال کیوں نہیں کیا۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ آپ وضو کرنے کے لئے بیٹھے اور ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ وضو آپ کے لئے نقصان دہ ہے' اب شریعت کہتی ہے وضو نہ کرو' تیمم کر لو یہ ہمیں گوارہ ہے مگر تمہاری صحت پر پانی پھر جائے یہ ہمیں گوارہ نہیں ہے' توجہ فرمایا آپ نے؟ تو کسی مفتی سے فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں ہے' برادران عزیز' ہر وہ شئے جو آپ کی صحت کے لئے یا آپ کی ہیلتھ کے لئے نقصان دہ ہے' اس کا استعمال شریعت اسلامی میں حرام ہے' توجہ فرمایا آپ نے؟ لیکن صورت حال کیا ہے؟ یہاں تو بحمد اللہ یہ مصیبت نہیں ہو گی مگر ہندوستان و پاکستان جہاں سے

آپ کی بڑی تعداد آئی ہے وہاں پر آپ کو معلوم ہے کہ انسان مزے کو دیکھتا ہے اور یہ بات آپ یاد رکھئے کہ جہاں مزہ چلتا ہے وہیں قضا چلتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں' مزہ اور قضا۔ فزیکل لیبر نہیں کریں گے مگر مرغن غذائیں ہونی چاہئیں۔ اور خاص طور پر مولوی حضرات تو اس سلسلے میں کافی نیک نام ہیں' جو مرغے سے نیچے اترنے ہی پر تیار نہیں ہوتے ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو پھر اب نتیجہ کیا ہوگا؟ کہ جب غذا ہوگی غیر متوازن' غذا ہوگی رچ' اور اس کے مقابلے میں فزیکل ایکسر سائز نہ ہوگی' اب نتیجہ کیا ہوگا امراض پیدا ہوں گے' امراض پیدا ہوں گے' صحت خراب ہوگی' کل کے مرتے آج مر جائیے گا۔ یہ دنیا سلسلۂ افراط و علل کا نام ہے' جیسا کیجئے گا ویسا نتیجہ سامنے آئے گا۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ تو ایک انسان اس لئے جلدی مر جاتا ہے کہ وہ چیزیں استعمال کرتا ہے کہ جس سے اس کی صحت کو نقصان پہنچتا ہے اور دوسری چیز کیا ہے؟ اس کو بھی آپ سمجھئے۔ آج سائنس نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ جب انسان غصہ کرتا ہے جیلیسی کرتا ہے' حسد کرتا ہے' کسی سے جلتا ہے' تو اس کے نظام جسم کے اندر کچھ ایسے گلینڈس ہیں کہ ادھر غصہ ہوا ادھر حسد ہوا ادھر جیلیسی ہوئی اور گلینڈس سے ایک خاص قسم کا ایسڈ اندرونی اعضاء پر ٹپکنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر دھیرے دھیرے وہی ایسڈ ٹپکتے ٹپکتے اندر اندر امراض پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اب آپ سمجھے کہ شریعت نے غیر متوازن غذاؤں کے استعمال سے کیوں روکا ہے' اور شریعت نے حسد کرنے سے کیوں روکا ہے اور جلن کرنے سے کیوں روکا ہے؟ اور جیلیسی سے کیوں روکا ہے؟ یہ سب اس لئے روکا ہے کہ اگر ان ظاہری غیر مناسب غذاؤں سے بچے رہو گے اور روحانی سلامتی کا شکار ہو گے تو روحانی کمال بھی حاصل ہوگا اور جسمانی صحت

بھی حاصل ہوگی۔ اس منزل پر مجھ سے آپ ایک سوال کر سکتے ہیں اور وہ سوال آپ کو کر لینا چاہئے کہ جب تم کہتے ہو کہ انسان کو موت آتی ہے بے اعتدالیوں کی سبب سے' یا ظاہری بے اعتدالیاں ہوتی ہیں یا اندرونی روحانی بے اعتدالیاں ہوتی ہیں' یا غذائیں غلط ہوتی ہیں یا جلن ہوتی ہے' جیلیسی ہوتی ہے' روحانی امراض ہوتے ہیں کہ جن کے سبب سے انسان کی زندگی مختصر ہو جاتی ہے' تو پھر وہ تمہارے بارہ امام جو معصوم تھے ان کی زندگی اتنی مختصر کیوں ہوئی؟ کوئی ساٹھ برس میں' کوئی پچاس برس میں مثلاً' کوئی سینتالیس برس میں' کوئی پچیس سال میں' کوئی اٹھائیس سال میں' یہ معصوم اتنی جلدی جلدی اتنی مختصر عمر لے کر اس دنیا سے کیوں رخصت ہو گئے؟ برادران عزیز' آپ سمجھ لیں' میں نے بات آپ کے سامنے عرض کی تھی' میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ موت دو وجہوں سے آتی ہے' یا انسان خود کسی بے اعتدالی کا ارتکاب کرتا ہے' دانستہ یا نادانستہ یا کسی اور کا ارادہ ہوتا ہے جو اس کی موت کی وجہ بن جاتا ہے۔ ہمارا کوئی امام یاد رکھئے ہنڈرڈ پرسنٹ' ہنڈرڈ پرسنٹ ٹھیک ہے کہ ہمارا کوئی امام' کوئی معصوم اپنی طبعی موت سے اس دنیا سے رخصت نہیں ہوا' یا تلوار سے شہید ہوا اور یا زہر سے شہید ہوا' جس تک تلوار اور زہر پہنچ گئے وہ دنیا سے رخصت ہو گیا' اور جس تک تلوار اور زہر نہیں پہنچے' بارہ سو برس سے ابھی تک زندہ چلا آرہا ہے۔ صلوٰۃ..........

لیکن برادران عزیز! یہیں سے آپ کو موڑنا چاہتا ہوں ایک اور بات کی طرف کہ موت بھی دو طرح کی ہوتی ہے' ایک نقلی موت' ایک اصلی موت۔ ایک ادھر سے آتی ہے موت اور ایک.......... سے آتی ہے موت۔ اور جس طرح سے موت ہوتی ہے فرد کی اسی طرح سے موت ہوتی ہے قوموں کی۔ کیا علامت ہے موت و زندگی کی' اللہ اکبر' مولائے کائنات امیر المومنین کا ارشاد'

آپ نہج البلاغہ ملاحظہ فرمائیں' موت وحیات کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ تم کو ایسے دکھائی دیں گے جو زمین پر چل رہے ہیں مگر انہیں مردہ سمجھو' بہت سے ایسے دکھائی دیں گے جو قبروں میں آرام کررہے ہیں مگر انہیں زندہ سمجھو۔ قبروں میں سو جانا موت کی علامت نہیں ہے' زمین پر چلنا زندگی کی علامت نہیں ہے' قرآن مجید نے بھی یہ بات کہی ہے' جاندار انسانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ تم ان کو چلتا ہوا دیکھ رہے ہو' بات کرتا ہوا دیکھ رہے ہو' کھاتے پیتے دیکھ رہے ہو' تم انہیں زندہ سمجھ رہے ہو' وہ زندہ نہیں' وہ مردہ ہیں' اور شہدائے راہ خدا کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ وہ جان دینے کے بعد بھی زندہ ہیں تم کو ان کی زندگی کا پتہ نہیں ہے۔ توجہ فرمایا آپ نے؟ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیسے سمجھیں؟ ہم زندہ ہیں یا مردہ' یعنی یہ ہماری ملت' یہ ہماری قوم زندہ ہے یا مردہ؟ اس کا فیصلہ کیسے ہو؟ فیصلہ میں نہیں کروں گا' فیصلہ آپ کریں گے۔ میں جب ہندوستان سے چل رہا تھا تو ہندوستان میں تو ساری بلائیں آیا ہی کرتی ہیں' جو بلائیں کہیں نہیں آتیں وہ سب ہمارے دیش میں آتی ہیں۔ چنانچہ ابھی تک ہماری حکومت فلڈ پر کنٹرول نہیں کر سکی ہے' ہر سال سیلاب آتا ہے اور عجیب اتفاق کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ سیلاب اور سب سے زیادہ فلڈ جو آتا ہے وہ اسی دریا میں آتا ہے کہ جسے ہمارے برادران وطن ماں کہہ کر پکارتے ہیں۔ گنگا میا۔ مگر یہی گنگا میا جو اپنی سرحدوں کے باہر نکلتی ہیں تو ہزاروں بیٹوں کو تناول فرما جاتی ہیں' ہزاروں بیٹوں کو کھا جاتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں' میں ایک اشارہ کروں گا کہ شاید ماں کا کردار یہی ہوتا ہے۔ جس کو ماں کہا جاتا ہے وہ اگر اپنے گھر میں بیٹھی رہے تو امن وسلامتی رہے اور اگر میدان میں نکل کر

آجائے تو ہزاروں جانوں کا نقصان ہوا ہی کرتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ تاریخ ہے پرانی جو چلی آرہی ہے۔ تو گنگا میا بھی یہی کرتی ہیں کہ جب ہر سال اپنے گھر کے باہر نکلتی ہیں تو ہزاروں آدمیوں کو' سینکڑوں آدمیوں کو نوش فرما جاتی ہیں' کتنے مکان ہیں جو برباد ہو جاتے ہیں۔ جی۔ اچھا فرض کیجئے کہ لکھنؤ سے قریب ہے ایک شہر کانپور اور کانپور سے یہ گنگا میا گزرتی ہیں اور گنگا میا میں آ گیا سیلاب اور فلڈ اور میں گنگا میا کے برج پر کھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں نظارہ کر رہا ہوں' دیکھ رہا ہوں سین فلڈ کا' توجہ رکھئے گا کہ دور سے مجھے ایک باڈی' ایک انسان' اک جسم انسان کا بہتا ہوا دکھائی دیا کہ دھارے پر بہتا ہوا چلا آرہا ہے میرے پاس میرا دوست کھڑا ہوا تھا' میں نے اس سے کہا' وہ' ذرا دیکھنا دور سے وہ آدمی بہتا چلا آرہا ہے دھارے کے اوپر پتہ نہیں وہ زندہ ہے کہ مردہ' تو وہ میرا دوست مجھے سمجھائے گا کہ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ زندہ کہ مردہ' ابھی فیصلہ ہو جائے گا' میں نے کہا کیسے فیصلہ ہو جائے گا؟ تو اس نے کہا یہ دیکھئے کہ پانی کے دھارے پر بہتا چلا آرہا ہے یا ہاتھ پاؤں چلا کر دھارے کو کاٹ کر اپنا راستہ بنا رہا ہے۔ اگر پانی کے دھارے پر بہتا چلا آرہا ہے تو مردہ سمجھئے اور دھارا کاٹ کر راستہ بنا رہا ہے تو زندہ سمجھئے۔ بس یاد رکھئے جو علامت ہے انسان کی موت و زندگی کی۔ وہی علامت ہے قوم کی موت و زندگی کی۔ وہ قوم مردہ ہوتی ہے جو حالات کے دھارے پر بہتی رہی وہ قوم زندہ ہوتی ہے جو دھارا کاٹ کر اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے۔ صلواۃ۔

دوسری علامت کیا ہے؟ ایک علامت اور بتا دوں' دوسری علامت یہ ہے موت اور زندگی کی۔ ایک آدمی' اے جناب آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرتا ہوں صحیح بات یہاں غلط بات نہیں کہی جا سکتی' مجھے بھی یہ معلوم

نہیں تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میرے وطن لکھنؤ کو ایک شرف اور حاصل ہے اور وہ شرف یہ حاصل ہے کہ لکھنؤ میں ایک صاحب رہتے ہیں نواب ہیں پرانے ان کا اسم گرامی ہے چھوٹے آغا صاحب ' لکھنوی تہذیب کا پرانا نمونہ ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ ان کی عمر ہو گی ایک سو سات آٹھ سال کی۔ لیکن ابھی کچھ عرصہ پہلے میں ان کو دیکھنے کے لئے گیا تو ان کے پرپوتوں نے بتایا کہ ہمارے گرینڈ گرینڈ فادر کی عمر اس وقت ایک سو تیس سال کی ہو چکی ہے۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ اور وہ ابھی ٹاٹھے ہیں ' کہیں سے ٹس سے مس نہیں ہوئے ابھی نہ معلوم وہ کتنا اور چلیں گے ' ان کو دیکھا تو وہ بیٹھے ہوئے تھے ٹھاٹ سے ' شیر کی ٹھاٹ کی طرح بیٹھا ہوا تھا وہ شخص ' ایک سو تیس سال کی عمر ہے۔ جی۔ اچھا بھیا اللہ کرے وہ ایک سو تیس سال اور زندہ رہیں میرا کیا جاتا ہے ' دو سو ساٹھ برس۔ ایک سو تیس سال ہو چکے ان کے جسم کو ' ہاتھ اپنی جگہ پر ہے ' پاؤں اپنی جگہ پر ہے ' کان اپنی جگہ پر ہے ' ناک اپنی جگہ پر ہے ' خدانخواستہ دو سو برس کے بعد مر گئے تو وہ جسم جو دو سو تیس برس تک.... رہا تھا اب سو گھنٹے نہیں گزرتے کہ ڈی کمپوز ہو جاتا ہے۔ شاعر نے بھی تو کہا ہے کہ

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب

موت کیا ہے؟ انہیں اجزا کا پریشان ہونا

ایک سو تیس ' ایک سو چالیس ' ایک سو پچاس برس تک انسان زندہ رہا ' اس کے اعضاو جوارح سب ایک جگہ کے اوپر رہے۔ اور موت آ گئی تو اب چند گھنٹے جسم نہیں سنبھلتا۔ جسم کا حصہ حصہ ' انگ انگ الگ ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ کسی جسم کے حصوں کا متحد ہونا زندگی کی علامت ہوتی ہے۔ اور پراگندہ ہو جانا موت کی علامت ہوتی ہے۔ بس یاد رکھئے جو انسان کی زندگی کی

علامت ہے وہی قوم کی بھی زندگی اور موت کی علامت ہے' جو قوم زندہ ہوتی وہ متحد رہتی ہے اور جو قوم مردہ ہوتی ہے وہ پارٹی بندی کی شکار ہو جاتی ہے۔

اور جس ماحول سے میں آرہا ہوں اس ماحول کی آپ کو اچھی طرح خبر ہے آپ کے لئے اندی کی چندی کی ضرورت نہیں ہے' اشارے میں آپ بات سمجھ جائیں گے موت کی علامت ایک اور ہے۔ جی۔ انسان دھوکہ کھا جائے کہ یہ آدمی مر گیا کہ زندہ ہے مگر جانور دھوکہ نہیں کھاتے۔ آپ مجھے بے ہوش کر دیجئے اور بے ہوش کر کے جنگل میں لے جا کے ڈال دیجئے۔ نہ چیل میرے پاس آئے گی' نہ کوا میرے پاس آئے گا' نہ چیر گدھ میرے پاس آئے گا' آپ دھوکہ کھا جائیں گے کہ یہ مردہ ہے مگر وہ وہاں سے بیٹھے بیٹھے سمجھتے ہیں کہ یہ زندہ ہے اور خدانہ خواستہ کوئی مر گیا اور آپ نے لے جا کے جنگل میں اسے ڈال دیا' ادھر تنہا ہوئی لاش اس کی اور جانور چلے' گوشت کھانے والے جانور لپکے اور انہوں نے اسے نوچنا شروع کیا' میں پھر عرض کروں گا میں جس ماحول سے آرہا ہوں اس ماحول کو پیش نظر رکھئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موت کی علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ گوشت خور جانور' لاش پر آکر بیٹھ کر' لاش کو نوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ آج بہت سے ملکوں میں مسلمانوں کی حالت یہی ہے کہ چونکہ ان کے دشمنوں نے ان کو مردہ سمجھ رکھا ہے اس لئے ان کے جسم کے ایک ایک حصے کو نوچنے پر تیار ہیں۔ ہم کو نوچ نوچ کر کھایا جاتا ہے' ملاحظہ کیا آپ نے؟ تو آپ کو زندہ ہونا ہے مگر یاد رکھئے کہ وہ قومیں مردہ ہوتی ہیں جو مردہ سے ڈرتی ہیں وہ قومیں زندہ ہوتی ہیں جو موت کو گلے لگانے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ جو قوم موت سے ڈرتی ہے وہ کبھی زندہ نہیں رہتی یہ ایک الٰہی نظام ہے جسے آپ کے سامنے عرض کرنا چاہ رہا ہوں۔ کہ جسے مرنے کا

سلیقہ آتا ہے اسی کو زندگی کا سلیقہ بھی آتا ہے اور جسے مرنے کا سلیقہ نہیں آتا اسے زندہ رہنے کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ اور یہی سبق ہے جو ہم کو کربلا کے میدان میں ملا ہے۔

برادران عزیز! کربلا میں صورت حال کیا ہے۔ شمر کا بیان ہے' دربار یزید میں خود اس نے بیان دیا ہے کہ میں بہت سی جنگوں میں شریک ہوا ہوں لیکن میں نے کربلا کی جنگ سے پہلے ایسے سپاہی نہیں دیکھے' جیسے سپاہی مجھے کربلا کی جنگ میں دکھائی دیئے۔ اور جب یزید نے پوچھا کہ وہ کیسے سپاہی تھے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے اس سے پہلے اور جنگوں میں یہ دیکھا کہ جب کوئی سپاہی آتا تھا تو اپنے جسم کی حفاظت کے لئے اپنے جسم پر زرہ پہن کر آتا تھا مگر کربلا کے میدان کی یہ خصوصیت تھی کہ حسینؑ کے جو سپاہی تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے دلوں کو نکال نکال کر زرہ پر رکھ لیا ہے۔ اک دوسرے پر مرنے میں سبقت کرتا تھا۔

برادران عزیز! یہ کا ہے کا اثر تھا' یہ حسین کی تربیت کا اثر تھا۔ یہ حسینؑ کی بزم میں بیٹھنے کا اثر تھا' اللہ اکبر' میں عرض کرنا چاہتا ہوں آپ کے سامنے کہ وہ کہ جو مکہ سے حسینؑ کے ساتھ ساتھ تھے' ان کی فکر کو نہ دیکھئے' اس کی فکر کو دیکھئے کہ جو ابھی ابھی حسینؑ کے پاس آ گیا۔ آج کی تاریخ میں عام طور پر آپ حضرت حر کا حال سنتے ہیں یہ حر کون ہے؟ میں نے ایک مجلس میں آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ یہ حر وہی ہے کہ جس نے حسینؑ کا راستہ روکا تھا اللہ اکبر۔ کردار حسینؑ ابن علیؑ' کردار حسینؑ ابن علیؑ' ابھی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ حر وہ ہے کہ جس نے حسینؑ کا راستہ روکا تھا اور گھیر کر کربلا کے میدان میں حسینؑ کو' حسینؑ کے ساتھیوں کو' حسینؑ کے بچوں کو اور ان کے اہل حرم کو

لے کر آ گیا تھا' مگر شب عاشور آتے آتے حسینؑ کی بے کسی کا اثر' حسینؑ کی عصمت کا اثر اور حسینؑ کی طہارت کا اثر اس کے دل پر ایسا پڑا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ شب عاشور اس نے خیمہ کے اندر ٹہل ٹہل کر گزاری اور جب صبح ہوئی تو جو لشکر کا کمانڈر تھا پسر سعد اس کے پاس گیا اور جانے کے بعد کہا کیوں پسر سعد کیوں ابن سعد کیا واقعی حسینؑ سے جنگ کرنے کا ارادہ ہے؟ جیسے حر کو ابھی تک یہ یقین نہیں ہے مسلمان اتنی ہمت کریں گے کہ رسولؐ کے نواسے کے قتل پر تیار ہو جائیں گے۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ محض ڈرانے والی کاروائی ہے۔ مگر پسر سعد نے کہا کہ خدا کی قسم آج کربلا کے میدان میں وہ جنگ ہوگی کہ یہ میدان کٹے ہوئے سروں سے اور ہاتھوں اور پیروں سے پٹ جائے گا۔ کہا صلح کی کوئی صورت نہیں کہا نہیں اب صلح کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بس روایت بتاتی ہے کہ جب وہاں سے چلا تو چہرہ زرد' ہاتھ تھر تھراتے ہوئے' پاؤں کانپتے ہوئے آگے بڑھا تو اس کا ایک ساتھی سامنے آیا اور اس نے کہا کہ حر تمہارا عالم کیا ہے اگر مجھ سے کوئی پوچھتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ دلیر کون ہے تو میں تمہارے علاوہ کسی کا نام نہ لیتا مگر آج تم میدان جنگ میں اس شدت سے کانپ رہے ہو' تھر تھرا رہے ہو' چہرے کا رنگ زرد ہے۔ کہا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں میں موت سے نہیں ڈرتا بلکہ صورت حال یہ ہے کہ میرے ایک طرف جنت ہے اور دوسری طرف جہنم ہے اور میں فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ میں ادھر جاؤں یا ادھر جاؤں۔ یہ کہہ کے آگے بڑھ گیا مگر تھوڑی دور آگے بڑھا تھا کہ شر رخصت ہو گیا اور ایمان آ گیا۔ بیٹے پر نظر پڑی تو آواز دی اے بیٹا' میں مر سکتا ہوں مگر جہنم میں جلنے کے لئے تیار نہیں ہوں' دیکھ وہ سامنے جنت کا شہزادہ کھڑا ہوا ہے اگر جنت کو لینا ہے تو ادھر چل جدھر

حسینؑ ہیں' بیٹا بھی پیچھے پیچھے باپ کے ساتھ ہو گیا دونوں نے سرپٹ گھوڑے اڑا دیئے لشکر حسینؑ کی طرف' یزیدی سپاہیوں کا بیان ہے کہ ہم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہم یہ سمجھے کہ حر اور حر کا بیٹا حسینؑ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھ گئے جوش میں۔ لیکن حقیقت اس وقت کھلی کہ جب ہم نے دیکھا کہ حسینؑ کی صفوں سے قریب ہونے کے بعد' برادران عزیز' حر نے اور حر کے بیٹے نے اپنے گھوڑوں کو روکا۔ اور اس کے بعد باپ بیٹے کے سامنے آیا اور آنے کے بعد کہا بیٹا' حسینؑ پر آج کربلا کے میدان میں جو مصیبت پڑے گی ان سب کی ذمہ داری میرے اوپر ہے نہ میں حسینؑ کو گھیر کر لاتا نہ علیؑ اکبر کی جان خطرے میں پڑتی نہ میں حسینؑ کو گھیر کر لاتا نہ عباسؑ کی جان خطرے میں پڑتی۔ بیٹا آج کربلا کے میدان میں جو کچھ ہوگا ان سب کی ذمہ داری میرے اوپر ہے۔ اے بیٹا میں حسینؑ کو یہ صورت کیسے دکھاؤں اے بیٹا یہ صورت اس لائق نہیں کہ میں فرزند فاطمہؑ کو دکھا سکوں' جاتا ہے حسینؑ سے اپنی خطا معاف کراتا ہے' مگر یہ چہرہ اس لائق نہیں ہے کہ میں سیدہ کے لال کو یہ چہرہ دکھا سکوں۔ بیٹے نے کہاں کہ بابا میں کیا کروں؟ کہا کہ بیٹا یہ کرو کہ میری ردا میرے چہرے کے اوپر ڈال دو۔ بیٹے نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے باپ کے چہرے کے اوپر ردا ڈال دی اور باپ کے چہرے کا پردہ کر دیا۔ اس کے بعد حر نے کہا بیٹا میں بہت بڑا مجرم ہوں' میں نے بہت بڑی خطا کی ہے میرا گناہ بہت بڑا ہے' مجرم گنہگار کبھی کھلے ہاتھوں نہیں جاتے مجھے جانا ہے کریم ابن کریم کے پاس مگر میرے ہاتھوں کو باندھ دے۔ اے میرے لال' کربلا کے میدان میں زنجیریں موجود نہیں ہیں جو میرے ہاتھ بندھ سکیں ہاں اگر زنجیر موجود نہ سہی تو کم سے کم رومال سے میرے ہاتھوں کو باندھ دے بیٹے نے باپ کے ہاتھوں کو باندھ دیا۔

برادرانِ عزیز۔ چہرہ چھپا ہوا' ہاتھ بندھے ہوئے اب حر دھیرے دھیرے حسینؑ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ روایت بتاتی ہے کہ اس وقت حسینؑ کربلا کے میدان میں آنکھیں بند کئے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں مناجات فرما رہے تھے۔ کہ ایک مرتبہ کوئی آ کے حسینؑ کے پاؤں سے لپٹ گیا۔ اللہ اکبر حسینؑ کے چاہنے والوں اس منزل پر حسینؑ نے جو جملہ فرمایا ہے وہ ایک مرثیہ ہے اپنی جگہ کے اوپر۔ حسینؑ نے فرمایا' جب حر آ کے امامؑ کے پیروں سے لپٹ گیا تو امامؑ نے فرمایا: یہ آج کون ہے جو کربلا کے میدان میں میرے پیروں سے لپٹ گیا اس لئے کہ آج یہاں تو مجھے کوئی سلام کے لائق بھی نہیں سمجھ رہا ہے۔ بس عزادارانِ حسینؑ' یہ سننا تھا کہ حر نے کہا کہ فرزندِ فاطمہؑ' علیؑ کے لعل' رسولؐ کے نواسے میں ہوں حر' میں وہی ہوں کہ جو آپؑ کو گھیر کر کربلا کے میدان میں لایا ہوں۔ اے فاطمہؑ کے لعل' یہ بتایئے کہ کیا میری خطا معاف ہو سکتی ہے؟ اللہ ری حسینؑ کی شانِ کریمی آج چودہ سو برس گزرنے کے بعد مجھے یہ معلوم ہے کہ کربلا کے میدان میں جو کچھ حسینؑ پر گزری وہ سب حر کی وجہ سے گزری کیا حسینؑ کو یہ معلوم نہ تھا کہ علیؑ اکبر شہید ہوں گے اس کا ذمہ دار ہے حر' عباسؑ شہید ہوں گے اس کا ذمہ دار ہے حر' میرا چھ مہینے کا میری گود میں تیر کھائے گا اس کا ذمہ دار ہے حر' سکینہؑ طمانچے کھائے گی' اس کا ذمہ دار ہے حر' زینبؑ کے سر سے چادر چھنے گی' اس کا ذمہ دار ہے حر' میرے خیموں میں آگ لگے گی ذمہ داری ہے حر کے اوپر۔ بیبیاں اسیر ہو کر کربلا سے کوفے سے شام تک جائیں گی' ان سب کی ذمہ داری حر کے اوپر ہے۔ مگر اللہ ری حسینؑ کی شانِ کریمی کہ جیسے ہی حر نے کہا مولا' کیا میری خطا معاف ہو سکتی ہے؟ ویسے حسینؑ نے سر اٹھا کر سینے سے لگالیا اور کہا معاف کرنے کا سوال کیا' اے حر ہم نے بھی

معاف کر دیا اور ہمارے خدا نے بھی معاف کر دیا۔ اور اب' جب حر نے سر اٹھا کر حسینؑ کو دیکھا کہ فاطمہؑ کے لال کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں' حر حیرت میں آ کے کہتا ہے کہ اے رسولؐ کے نواسے' اے فرزند رسولؐ' میں تو اپنے گناہ کو رو رہا ہوں اپنی خطا کو رو رہا ہوں اپنی تقدیر پر رو رہا ہوں آپؑ کس بات پر رو رہے ہیں؟ حسینؑ نے فرمایا کہ حر ہم اس بات پر رو رہے ہیں کہ کمل جب تو دشمن بن کر آیا تھا تو ہم نے تیری مہمانی پانی سے کی تھی اور آج جب دوست بن کر آیا ہے تو ساقی کوثر کا فرزند خود تین دن سے بھوکا اور پیاسا ہے۔ اے حر ہمیں معاف کر دے کہ آج میزبانی کے لئے ہمارے پاس کوئی شے موجود نہیں ہے۔ بس عزاداران حسینؑ!! ایک مرتبہ حر نے کہا کہ فرزند فاطمہؑ یہ آپ کی شان کریمی ہے کہ آپ نے میرے گناہ کو معاف کر دیا' میری غلطی کو معاف کر دیا لیکن مجھے معلوم ہے کہ میری اسی خطا اسی گناہ اسی تقصیر کے سبب آپ کی نظروں کے سامنے آپ کا بیٹا دم توڑ دے گا۔ اس لئے آپ نے معاف کر دیا لیکن میں اپنے ضمیر کو کیا کروں' فرزند فاطمہؑ میں چاہتا ہوں کہ جو مجھ سے گناہ ہوا ہے اس کا کفارہ ادا کر دوں' امامؑ نے کہا کیا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے' کہا مولا' شہید تو میں بھی ہوں گا' جان تو میں بھی دوں گا آپ کے نام کے اوپر لیکن میں چاہتا ہوں کہ پہلے میرا بچہ میرے سامنے دم توڑے۔ اس لئے کہ میں دیکھوں کہ جب کوئی بیٹا باپ کے سامنے دم توڑتا ہے تو باپ پر کیا گزرتی ہے اور جب میرا بیٹا میرے سامنے دم توڑے اور جو میرے دل پر گزر رہی ہے وہ گزرنے لگے تو میں اللہ کی بارگاہ میں دعا کروں کہ پالنے والے مجھے معاف کر دے یہ میرا کفارہ ہے جو میں پیش کر رہا ہوں۔ حسینؑ لاکھ انکار کرتے رہے مگر حر نے اتنا اصرار کیا کہ آخر حسینؑ سر جھکا کر خاموش ہو گئے۔ اور حر نے کہا بیٹا آگے بڑھ اور فاطمہؑ

کے لال کی نصرت و حمایت کریں عزادارانِ حسینؑ یہ حر کا جوان بیٹا بہادر باپ کا بہادر بیٹا جو علی اکبرؑ کی طرح سے تین دن کا بھوکا اور پیاسا بھی نہیں ہے اس نے آگے بڑھ کر جب لشکر پسر سعد پر حملہ کیا تو صفوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیں میدان جنگ کا نقشہ بدلنے لگا حمید ابن مسلم جو فوج یزیدی کا ایک سپاہی ہے جس نے واقعات کربلا کو آگے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ جب تک حر کا بیٹا شجاعت کے ساتھ بہادری کے ساتھ جنگ کر رہا تھا حر کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا زردی چہرے پر چھائی ہوئی تھی وہ کہتا ہے کہ میں نے غور کیا کہ اس کو تو خوش ہونا چاہیے کہ بہادر بیٹا اتنی بہادری سے لڑ رہا ہے چہرے کا رنگ زرد کیوں ہے ایک رنگ آ کیوں رہا ہے ایک رنگ جا کیوں رہا ہے؟ کہا کہ میں نے محسوس کیا کہ حر ڈر رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیٹا پھر اسی طرف چلا جائے تو فاطمہؑ کے لال سے اب جو مجھے شرمندگی ہوگی وہ کبھی ختم ہونے والی نہ ہوگی کہا کہ میں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ حر کے چہرے کا رنگ زرد تھا ایک مرتبہ بیٹا زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین کے اوپر گرا تو میں نے دیکھا کہ حر کے چہرے کے اوپر سرخی آگئی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھ گئے۔ پالنے والے تیرا شکر یہ کس زبان سے ادا کروں کہ تو نے میری قربانی کو قبول کر لیا عزادارو حر نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا لیکن باپ کا دل تھا بہت تیزی سے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا چلا کہ قبل اس کے کہ کوئی میرے بیٹے کا سر کاٹ لے میں اپنے بیٹے کے سرہانے پہنچ جاؤں لیکن اب خود حر کہتا ہے کہ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں اپنے بیٹے کے سرہانے تیزی سے دوڑتا ہوا پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مجھ سے پہلے حسینؑ پہنچ چکے ہیں۔ زمین کربلا پر بیٹھے ہوئے ہیں میرے بیٹے کا سر اٹھا کر زانو پر رکھا ہے رومال سے اپنے خون کو پاک کر رہے ہیں

گردکو پاک کررہے ہیں' حر دیکھتا رہا اور حر کے بیٹے نے علیؑ کے بیٹے کی گود میں دم توڑ دیا۔ بس جیسے ہی بیٹے نے آخری ہچکی لی ویسے حر ایک مرتبہ جھکا اپنے بیٹے کی لاش اٹھانے کے لئے' حر جھکا اور حسینؑ تڑپ کر کھڑے ہو گئے۔ روایت بتاتی ہے کہ حر کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ڈھکیل دیا' کہا تیرا کیا ارادہ ہے؟ کہا ارادہ کیا ہے مولا اپنے بیٹے کی لاش اٹھاؤں گا' کہا حر یہ بتادے کہ تجھ سے پہلے بھی کسی باپ نے اپنے بیٹے کی لاش اٹھائی ہے؟ جو میں تجھ کو اجازت دے دوں کہ تو اپنے بیٹے کی لاش اٹھا لے حر دنیا میں کبھی باپ کو اجازت نہیں دی جاتی کہ بیٹے کی لاش اٹھائے' بیٹا تیرا مرا ہے' میں تیرے بیٹے کی لاش اٹھانے نہ دوں گا' میں کہتا ہوں اے مولا آپ حر کو بیٹے کی لاش اٹھانے نہ دیجئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد عصر عاشور سے پہلے ایک جوان کا لاشہ ہوگا' کبھی آپ اس کی لاش اٹھاتے ہوں گے کبھی زمین پر رکھ دیتے ہوں گے۔ آپ بنی ہاشم کے بچوں کو آواز دیں گے کہ بنی ہاشم کے بچوں آؤ اور آکر علی اکبر کی لاش اٹھاؤ۔

تمام شد

☆☆☆

دوسری مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین" (آل عمران آیت ۸۵)

مٹ گئی انجیل مٹ گئی زبور مٹ گئی صحف انبیاء کا پتہ نہیں صحف ابراہیمی ہماری نظروں کے سامنے موجود نہیں لیکن قرآن جس شکل میں اترا تھا اسی شکل میں زبان رسول پر جاری ہوا اور اسی شکل میں آج ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ جس کو بچانا چاہے وہ مٹ جایا کرتا ہے اور اللہ جسے بچانا چاہے وہ بچ جایا کرتا ہے اور جو حقیقت قرآن مجید کے بارے میں ہے وہی حقیقت وارث قرآن کے بارے میں بھی ہے۔ اس نے انبیاء کو بھیجا لیکن انبیاء کے بارے میں ایک آدھ چھوڑ کر اور کسی سے اس کی مصلحت کا تعلق نہ ہوا کہ اس کو زندہ رکھا جائے مگر جب ائمہ طاہرین کو بھیجا تو اس کی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ قرآن کو اگر ہم بچا رہے ہیں تو وارث قرآن کو بھی ہم بچالیں۔ چنانچہ جس طرح اس نے قرآن کو بچایا اسی طرح سے وارث قرآن کو بھی بچالیا۔ اب اس سے بڑھ کر حیرت کی اور بات کیا ہوگی کہ اگر میں یہ کہوں کہ قرآن محفوظ ہے ہر کتاب مٹ گئی مگر قرآن محفوظ ہے تو ہر مسلمان ایمان لانے کے لئے تیار ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ وارث قرآن محفوظ ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ ایک انسان اتنے دنوں تک زندہ کیسے رہ سکتا ہے؟ قرآن سے پہلے کسی کتاب کے باقی رہنے کی مثال موجود نہیں ہے مگر قرآن کی

حفاظت پر ہر مسلمان کا ایمان ہے اور ایمان سے پہلے اور انبیاء کی زندگی پر مسلمانوں کا ایمان ہے لیکن اپنے رسول ہی کے جانشین کے بارے میں شک وشبہ ہے۔ یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آتی لیکن بس میں اتنا آپ کے سامنے عرض کر دوں' اک ایسی حدیث ہے' یہ مجمع ایسا ہے کہ جس میں الحمدللہ' اسلام کے دونوں بازوؤں کی شرکت ہے جیسا کہ مجھ سے بتایا گیا ہے اور یہی آج کے دور کا تقاضہ ہے کہ شیعہ اور سنی مل کر بیٹھیں' اور شیعہ و سنی آپس میں لڑیں نہیں۔ اس لئے کہ لڑنے سے صرف اسلام کے دشمنوں کو فائدہ پہنچے گا اور کسی کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ تو میں آج کی مجلس میں اپنی پالیسی کا یہ اعلان کئے دیتا ہوں کہ۔ ان پوری مجلسوں میں میں اگر کوئی حدیث آپ کے سامنے پیش بھی کروں گا تو وہ ایسی حدیث نہیں ہو گی کہ جس کے بارے میں یہ کہہ سکے کہ ہم اس کو نہیں مانتے یا شیعہ یہ کہہ سکیں کہ ہم اس کو نہیں مانتے۔ میں صرف وہ حدیثیں پیش کروں گا کہ جس سے نہ سنی انکار کر سکیں اور نہ شیعہ انکار کر سکیں۔ تو وہ حدیثیں کہ جس سے شیعہ اور سنی کوئی نہیں انکار کر سکتا' اسی میں ایک حدیث وہ ہے کہ جس میں حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا اور یہ حدیث حضورؐ نے متعدد مواقع پر ارشاد فرمائی اور حج آخر کے موقع پر خطبۂ عرفات میں بھی آپ نے اس حدیث کو پیش فرمایا تھا اور میدان غدیر میں جو خطبہ آپ نے پڑھا' اس میں بھی پھر آپ نے اس حدیث کو ریپیٹ فرمایا اور وہ حدیث کیا ہے کہ:

"انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی......" "مسلمانوں میں جا رہا ہوں مگر تمہارے سامنے اور تمہاری ہدایت کے لئے دو چیزیں برابر چھوڑ کر جا رہا ہوں' ایک کا نام ہے قرآن اور ایک کا نام ہے اہل بیت' تم جب تک ان دونوں سے وابستہ رہو گے اور تمسک کئے

رہو گے' کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور خود ان دونوں میں کبھی جدائی نہ ہو گی یہاں تک کہ یہ دونوں حوض کوثر پر میرے سامنے ساتھ ساتھ پہنچیں گے۔

برادران عزیز! آپ توجہ فرمائیں جو بات میں عرض کر رہا ہوں آپ کی خدمت میں کہ حضور یہ فرما گئے کہ میں تمہاری ہدایت کے لئے اک جوڑا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک پیر (Pair) چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ کوئی ایک سنگل' کوئی ایک واحد یا کوئی ایک شئے نہیں ہے کہ جسے حضور چھوڑ کر جا رہے ہیں بلکہ فرما رہے ہیں کہ میں تمہاری ہدایت کے لئے ایک پیر (Pair) چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک جوڑا چھوڑ کر جا رہا ہوں' اور پیر اور جوڑے میں اک صفت ہوتی ہے اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے اور حضورؐ نے یہ فرمایا کہ یہ پیر برقرار رہے گا قیامت تک کے بعد تک بھی۔ تو پیر میں جو صفت پائی جاتی ہے اس کو میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پیر میں صفت یہ پائی جاتی ہے کہ اگر پیر میں کا ایک ہم کو دکھائی دیتا ہے تو چاہے دوسرا دکھائی دے یا نہ دکھائی دے ہم کو اس کے وجود پر یقین ہوتا ہے۔ اس وقت یہاں مسلمانوں کا مجمع ہے۔ مسلم سولائزیشن کے اعتبار سے میں ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ محرم ختم ہو جائے اور آپ پاکستان تشریف لے جائیں یا میں ہندوستان پلٹ کر جاؤں اور ربیع الاول کا مہینہ آجائے اور مجھے کسی شادی میں شرکت کرنا پڑے تو ہندوستان اور پاکستان کی جو اسلامی تہذیب ہے اس کے لحاظ سے آپ کو شادی میں نظر یہ آئے گا کہ جب آپ شادی کی محفل میں داخل ہوں گے تو اسٹیج پر آپ کو دولہا تو دکھائی دے گا مگر دلہن کا پتہ نہیں چلے گا۔ دولہا اور دلہن مل کر اک پیر بناتے ہیں' دولہا اور دلہن مل کر ایک جوڑ بناتے ہیں تو اس شادی کی محفل میں کوئی آنے والا صرف دولہا کو دیکھ کر کیا یہ

تصور کر سکتا ہے کہ یہ شادی بغیر دلھن کے ہو رہی ہے؟ اس لئے کہ دولھا کا تصور ہی نہیں ہو سکتا جب تک دولھن کا تصور موجود نہ ہو۔ اب اگر کوئی کہے کہ دولھن تو دکھائی ہی نہیں دیتی اس لئے دولھن کا وجود نہیں ہے تو سب اس کو بے وقوف بنائیں گے۔ سمجھانے والے اسے سمجھائیں گے کہ دولھا کا اسٹیج پر ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ دولھن بھی موجود ہے کیوں؟ اس لئے کہ دولھا اور دولھن مل کر ایک پیر بناتے ہیں تو جس طرح سے دولھا اور دلھن مل کر ایک پیر بناتے ہیں' اسی طرح سے قرآن اور اہل بیت مل کر ایک پیر بناتے ہیں۔ جب قرآن ہماری نظروں کے سامنے ہے تو جب تک یہ قرآن موجود ہے' قرآن کا ہونا خود بتا رہا ہے کہ وارث قرآن کہیں نہ کہیں موجود ہے' چاہے ہماری نظروں کے سامنے ہو' چاہے ہماری نظروں سے چھپا ہوا ہو۔ صلواۃ۔

اب میں اس موضوع کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس کے بارے میں کل شب آپ کی خدمت میں کچھ باتیں پیش کر چکا ہوں۔ لیکن تمہید میں پھر اسی بات کو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے یہ ساری پرابلم جو پیدا ہوتی ہیں' یہ سارے مسائل جو پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں' اور یہ سارے مسائل کیا بلکہ مسلمانوں کے جتنے بھی پرابلمس ہیں اگر آپ دیکھیں گے تو ہر پرابلم کی تہہ میں آخر میں جا کے آپ کو لیک آف ایجوکیشن دکھائی دے گی۔ یہی ایجوکیشن کی کمی ہے اور یہی علم کی اہمیت کا احساس نہ ہونا ہے کہ جس نے ہمارے پولیٹکل مسائل پیدا کئے ہیں' ہمارے اخلاقی مسائل پیدا کئے ہیں' ہمارے سماجی مسائل پیدا کئے ہیں۔ ہمارے لئے فائنینشل پرابلم پیدا کر دی ہے۔ لیکن بہر حال میرا موضوع علم نہیں ہے لیکن پھر جو.... حصہ ہے موضوع ہے اس کو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ برادران عزیز۔

اگر آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ علم کی اہمیت کیا ہے تو آج کی اس مجلس کی تمہید میں ،میں ایک ارشاد آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں پہلے مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا۔ پہلے ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیج دیں......

مولا فرماتے ہیں نہج البلاغہ میں اور اگر یہ مولا کا ارشاد مسلمانوں کے سامنے رہے تو مسلمان کبھی غلام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ... اے انسان! تو کبھی اپنے کو کسی کی غلامی میں نہ دے اس لئے کہ اللہ نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے۔ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ آزاد پیدا ہوتا ہے اب یہ اس کی بدنصیبی ہے ،وہ اپنی قدر کو خود نہیں پہچانتا ،وہ اپنی قیمت کو خود نہیں سمجھتا اس لئے اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں دے دیتا ہے۔ یہاں پر غلامی کے معنی آپ یہ نہ سمجھیں وہ پرانے معنی جو ظیری کے ہیں ،جسم کا غلام ہونا اتنا خطرناک نہیں ہوتا ہے ،جتنا فکر کا غلام ہونا خطرناک ہوتا ہے ،آج دنیا کی ترقی یافتہ قومیں غلامی کو ایک نئے چولے میں ،ایک نئی شکل میں ہمارے سامنے پیش کر رہی ہیں ،وہ آزادی کے نعرے لگا رہی ہیں مگر ہماری فکروں کو غلام بنا رہی ہیں۔

تو مولا فرماتے ہیں کہ کبھی اپنے آپ کو دوسرے کی غلامی میں نہ دینا اس لئے کہ اللہ نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نزدیک آزادی کی اہمیت کیا ہے؟ اللہ اکبر ،اب اس کے بعد علم کے تعلق سے مولا نے جو ارشاد فرمایا ہے زبان میری تھرتھراتی ہے کہ میں اس کا ترجمہ کیا آپ کے سامنے پیش کروں لیکن مولا کے اس ارشاد سے آپ سمجھیں گے کہ علیؑ کی نظروں میں علم کی اہمیت کیا ہے؟ ایک طرف آپ فرماتے ہیں ،کبھی اپنے کو کسی کی غلامی میں نہ دو اور دوسری طرف آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مجھے ایک حرف بھی سکھا دے تو میں اس کا غلام ہونے کے لئے تیار ہوں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام میں علم کی اہمیت کیا ہے۔ برادران عزیز' میری گزارش کو سن لیجئے' یہ میرے دل کی آواز ہے جو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کہ اگر آج آپ اس ایجوکیشن کے محاذ کو سنبھال لیں اور علم کے میدان کو سنبھال لیں تو سارے مسائل آپ کے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ برادران عزیز' میں آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں کہ میں مجتہد نہیں ہوں نہ میں اجتہاد کا دعویٰ کر سکتا ہوں لیکن میں مسائل شرعی سے جاہل بھی نہیں ہوں۔ اس لئے پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ کے سامنے یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام میں کوئی بھی عبادت ہو' چاہے وہ عبادت واجب ہو اور چاہے وہ عبادت مستحب ہو' کسی بھی عبادت میں آپ کو حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی عبادت میں آپ کو غلو کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی عبادت ہو' چاہے نماز ہو' چاہے روزہ ہو' چاہے تلاوت قرآن ہو کوئی بھی عبادت ہو' چاہے واجبی یا مستحبی اس کے حدود ہیں' آپ کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ آپ ان حدود کو کراس کر لیں' آپ کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ آپ لمٹ سے آگے بڑھ جائیں اے حضور والا' میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو یہی بات سمجھانا تھی کہ خود قرآن مجید میں حضور سے خطاب کر کے یہ آیت مل جائے گی "طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن.... "اے رسول ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ اتنی کثرت سے عبادت کرنے لگیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے' یہ بات آپ حضرات کے پیش نظر رہنا چاہئے۔ یہ مجلس دین کو اور دینداروں کو اک نئی زندگی دینے کے لئے ہیں اس لئے یہ باتیں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں' ہم کو ہمیشہ عبادت جو بجالانا ہے تو اس کے حدود کے اندر

بجالاتا ہے لیکن ہمارے یہاں صورت حال کیا ہوتی ہے۔ اسلام کیا چاہتا ہے دو ایک جملے میں عرض کردوں آپ کے سامنے۔ اسلام ہر مسلمان کو اسلام کی تصویر دیکھنا چاہتا ہے مگر مسلمان کیا کرتے ہیں' مسلمان اگر اسلام کو اختیار بھی کرتے ہیں تو وہ اسلام کا فوٹو نہیں بنتے' وہ اسلام کی تصویر نہیں بنتے وہ اسلام کا کارٹون بن جاتے ہیں۔ کارٹون اور فوٹو میں کیا فرق ہے؟ میں یہاں پر بیٹھا ہوا ہوں آپ نے پنسل اٹھائی کینوس کے اوپر میری تصویر آپ نے بنانا شروع کردی' میرے ہاتھ' میرے پاؤں' میری ناک' میری آنکھ' میرا جسم اگر میرے پورے جسم کو آپ نے اسی تناسب کے ساتھ کاغذ کے اوپر منتقل کردیا تو یہ کہلائے گی تصویر۔ اور اگر آپ نے ناک میری بڑھادی' ملاحظہ کیا آپ نے سر میرا بڑھادیا' یعنی تصویر تو بنائی مگر بعض چیزوں کو بڑھادیا تو یہی بن جائے گا کارٹون۔ تصویر ہوتی ہے پہچان کا ذریعہ اور کارٹون ہوتا ہے ہنسی و مذاق کے لئے ...۔ آج مسلمان یہی کرتے ہیں کہ اسلام میں جو شے ان کو پسند آتی ہے اس کو اتنا بڑھادیتے ہیں کہ وہ آؤٹ آف پروپورشن ہوجاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اسلام کی تصویر نہیں بنتے' مسلمان اسلام کا کارٹون بن جاتے ہیں۔ تو عرض کررہا تھا آپ کے سامنے کہ اسلام نے کسی شے میں آپ کو غلو کی اجازت نہیں دی ہے یعنی لمٹ کو کراس کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ لیکن یہ اصول اگر کہیں ٹوٹتا ہے تو صرف علم کے میدان میں۔ اسلام نے نماز کی حد بتادی ہے کہ اس سے زیادہ نماز نہ پڑھنا' روزے کی حدیں ہیں کہ اس سے زیادہ روزے نہ رکھو' تلاوت قرآن کی حدیں ہیں کہ اس سے زیادہ تلاوت قرآن نہ کرو لیکن علم کی کوئی حد نہیں ہے۔ علم کتنا بھی حاصل کرتے چلے جاؤ اس کی کوئی لمٹ نہیں ہے۔ وہی قرآن کہ جس نے حضورؐ سے خطاب کرکے یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن

نازل نہیں کیا ہے اس لئے کہ آپ اتنی زیادہ نماز پڑھیں اتنی زیادہ عبادت کریں کہ اپنے کو آپ مشقت میں مبتلا کرلیں۔ حضورؐ سے ایک طرف خطاب کر کے قرآن کا ارشاد ہوتا ہے کہ آپ کو جو کچھ نہ معلوم تھا وہ سب میں نے بتادیا۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ حضورؐ سے خطاب کر کے یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ ہم آپ سے یہ نہیں کہتے کہ آپ ہماری بارگاہ میں یہ دعا کریں کہ پالنے والے میری نمازوں کو بڑھادے' میرے روزوں کو بڑھادے' میری تلاوت قرآن کو بڑھادے۔ مگر آپ اگر دعا کرنا چاہتے ہیں ہماری بارگاہ میں تو قرآن کہتا ہے کہ آپ یہ دعا کریں کہ ہم نے آپ کو سب کچھ بتادیا ہے مگر آپ کی زبان پر یہ دعا رہنا چاہئے کہ پالنے والے تو میرے علم میں اضافہ کرتا رہ۔ اس لئے کہ ہر شئے کی ایک لمٹ ہوتی ہے مگر علم کی کوئی لمٹ نہیں۔

آپ کو اس سے اندازہ ہوگا کہ اسلام میں علم کی اہمیت کیا ہے؟ یہ بات میں نے آپ کے سامنے کیوں کہی دو تقریروں میں' یہ میں نے اس لئے عرض کی' جیسا کہ میں بار بار آپ کے سامنے عرض کررہا ہوں کہ اگر ہمارے پاس علم ہو تو یہ مسائل' یہ شبہات کہ جو ہمارے دماغ میں پیدا ہوتے ہیں' یہ پیدا نہیں ہوں۔ کل میں نے بات جہاں تک پہنچائی تھی اس کے بعد میں اسے آگے پہنچانا چاہتا ہوں۔ کل میں نے آپ کی خدمت میں سارے علمائے اسلام کا ذکر نہیں کیا تھا..... سب جگہ ہوتے ہیں لیکن ایک جنرل ٹینڈینسی جو مسلمان علماء میں ہے اور ہمارے علماء میں ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شئے ان کے سامنے آتی ہے تو وہ فوراً فتویٰ دے دیتے ہیں کہ یہ حرام ہے' یہ بدعت ہے' یہ ناجائز ہے' یہ کفر ہے' یہ شرک ہے' اور پھر ان غلط فتووں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ وہ علماء تو دنیا سے چلے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو صدیوں تک اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے'

غلطی ان کی نہیں تھی میں ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتا مخلص تھے لیکن وہ اس بات کو سمجھ نہیں سکے زمانے کا اندازہ نہ کر سکے اور انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ماڈرن ایجوکیشن میں ہندوؤں سے کم سے کم ہندوستان میں ۹۰ سال پیچھے رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس منزل پر میں اس کی تھوڑی سی وضاحت کر دوں۔ تاکہ کسی کے ذہن میں کوئی شبہ نہ رہنے پائے۔

برادران عزیز۔ آج ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ انگریزی نہ پڑھو اس لئے کہ انگریزی کافروں کی زبان ہے' فرنچ نہ پڑھو' اسپینش نہ پڑھو' ہندی نہ پڑھو' سنسکرت نہ پڑھو اس لئے کہ یہ دوسروں کی زبان ہے۔ میں دوسرے فرقہ کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا ہر فرقہ کے علماء موجود ہیں اور وہ اپنی پوزیشن کو صاف کر سکتے ہیں لیکن میں اپنے فرقے کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں کہ شیعوں کو تو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ ایک یہ جملہ بھی منھ سے نکالیں۔ اس لئے کہ اصول کافی میں ایک حدیث ہمارے پیش نظر ہے جس میں ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا کہ فرزند رسولؐ یہ بتائیے کہ امام برحق کی پہچان کیا ہے؟ تو امام نے ارشاد فرمایا کہ امام برحق کی کم سے کم پہچان یہ ہے کہ امام برحق وہ ہوگا کہ اس سے جس زبان میں سوال کیا جائے اسی زبان میں جواب دے۔ کیا مطلب؟ اگر عربی میں سوال ہے تو عربی میں جواب دے اگر فارسی میں سوال ہے تو فارسی میں جواب دے' اگر اردو میں سوال ہے تو اردو میں جواب' اور انگلش میں سوال ہے تو انگلش میں جواب اگر لیٹن میں سوال ہے تو لیٹن میں جواب' اگر فرنچ میں سوال ہے تو فرنچ میں جواب' اگر اسپینش میں سوال ہے تو اسپینش میں جواب' اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ترجمان کی

ضرورت ہو وہ نقلی امام ہے اور جہاں ترجمان کی احتیاج نہ ہو وہ اصلی امام ہے۔

اب میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب کہ یہ واضح حدیث ہمارے سامنے موجود ہے کہ امام وہ ہے کہ جس سے جس زبان میں سوال کیا جائے اسی زبان میں جواب دے گا تو اگر وہ 'وہ زبان جانتا نہیں ہے تو جواب کیسے دے گا؟ بھائی صاحب اگر مجھے انگریزی نہیں آتی ہے اور آپ مجھ سے انگریزی میں بات کریں تو میں کیا جواب دوں گا' سوائے منھ کھول کے کھڑے ہو جانے کے' جہاں جہالت ہوتی ہے وہاں منھ کھل جایا کرتا اور جہاں علم ہوتا ہے وہاں زبان کھلا کرتی ہے۔ توجہ فرمائی آپ نے؟ تو امامؑ کا یہ فرمانا کہ امام برحق وہ ہے کہ جس زبان میں سوال کیا جائے اسی زبان میں جواب دے اس بات کی دلیل ہے کہ امامؑ وہ ہوتا ہے کہ جو دنیا کی ہر زبان کو جانتا ہے۔ تو امامؑ انگریزی بھی جانتا ہے 'امامؑ فرنچ بھی جانتا ہے 'امامؑ دنیا کی ہر زبان جانتا ہے۔ اب میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ امامؑ ہر زبان جانتا ہے مگر یہ ہر زبان اس نے کہاں سیکھی' کون سا کالج تھا؟ کون سی یونیورسٹی تھی؟ کون سا مدرسہ تھا؟ کون سی درسگاہ تھی کہ جہاں امامؑ نے دنیا کی ہر زبان کو سیکھ لیا۔ تو آپ ارشاد فرمائیں گے کہ کیسی بے تکی باتیں کرنے لگے ہیں آپ 'امامؑ نے کسی اسکول میں نہیں پڑھا ہے' کسی مدرسے میں نہیں پڑھا' یہ ساری زبانیں تو اللہ نے اس کو سکھائی ہیں۔

ہائیں۔!! ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے' ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ جرمن لینگویج پڑھنا اسلام کے خلاف ہے' اور ابھی فرمانے لگے کہ یہ زبانیں تو وہ ہیں کہ جن کو اللہ پڑھاتا ہے اور امامؑ پڑھتا ہے تو اس کا مطلب یہ کہ یہ شبہ ہمارے دماغ میں جہالت کی پیداوار تھا۔ ورنہ دنیا کی ہر زبان وہ ہے کہ جس کا پڑھنا اگر عبادت نہ ہوتا تو اللہ پڑھاتا نہیں معصوم امامؑ

پڑھتا نہیں۔ صلواۃ........

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو عرض کر رہا تھا میں آپ کے سامنے کہ ہمارے علماء نے ہر نئی شئے کو دیکھا' بعض علماء نے' اور کہہ دیا کہ یہ بدعت ہے' یہ اسلام کے خلاف ہے' ماشاء اللہ پڑھا لکھا مجمع میرے سامنے ہے مجھے تشریح اور توضیح کی ضرورت نہیں آپ اشاروں پر چلنے والے ہیں۔ علماء کا فریضہ کیا ہے؟ علماء کا فریضہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی نئی شئے ان کے سامنے آئے تو صرف اس لئے کہ وہ نئی ہے اس کو رجکٹ نہ کریں' اس کو بدعت نہ بتادیں بلکہ ان میں اتنی بصیرت ہونا چاہئے کہ وہ یہ دیکھیں کہ وہ نئی شئے جو ایجاد ہو کر ہمارے سامنے آئی ہے' یہ مزاج اسلام کے مطابق ہے یا مزاج اسلام کے مخالف ہے؟ اگر مزاج اسلام کے مطابق ہو تو اسے قبول کرلیں اور اگر مزاج اسلام کے خلاف ہو تو بے شک اسے رد کردیں۔

تو اب تک کی جو میری گفتگو تھی وہ ایک رخ پر چل رہی تھی کہ علمائے اسلام نے اسلام کو سمجھا' کسی حد تک مگر زمانے کو نہ سمجھا۔ اسی لئے ہمارے لئے پرابلم پیدا ہو گئے۔ اب آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ میں جس صنف سے وابستہ ہوں' جب میں نے ان پر اتنی زیادہ سخت تنقید کی ہے تو جس صنف سے میرا تعلق نہیں ہے میں ان کے ساتھ کیوں مروت کرنے لگا۔ جی۔ میں تو صاف بات آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں اور جس طرح سے میں تنقید کر رہا ہوں اسی طرح سے میری تقریر کے اوپر کوئی صاحب تنقید کریں تو میں اتنا ہی ویلکم کروں گا اس لئے کہ صالح تنقید وہ ہوتی ہے کہ جس سے علم آگے بڑھتا ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟

تو اب آیئے ہم ان لوگوں کو دیکھیں ان مسلمانوں کو' جو اپنے کو فاضل

سمجھتے ہیں' جو اپنے کو براڈ مائنڈڈ سمجھتے ہیں۔ دیکھئے مشکل کیا ہو گی کہ میں یہاں پر بھی یہ لفظ استعمال کر رہا ہوں کہ علماء نے غلطی کیا کی؟ علماء کی غلطی یہ کہ انہوں نے اسلام کو سمجھا' مگر زمانے کو نہ سمجھا' اس لئے وہ زمانے کے دشمن ہو گئے۔ کل میں آپ کے سامنے کہہ چکا کہ مولانے فرمایا ہے کہ انسان جس بات سے جاہل ہوتا ہے اس کا دشمن ہو جایا کرتا ہے۔ یہ ہمارے علماء وہ ہیں کہ جنہوں نے زمانے کو سمجھا کسی حد تک مگر اسلام کو نہ سمجھا۔ ان کی غلطی یہ ہے کہ یہ اسلام کو نہ سمجھے اس لئے ہر وہ شے جو ابھر کر ان کے سامنے آئی انہوں نے اس کو اسلام کے سر کے اوپر منڈھنا چاہا اور اسلام کے سر کے اوپر تھونپنا چاہا۔ نہ وہ راستہ صحیح تھا اور نہ یہ راستہ صحیح ہے۔ لیکن اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے میں چند منٹ کی آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

برادران عزیز۔ انسان اور جانور کی زندگی میں کیا فرق ہے؟ جی۔ جیسے انسان کھاتا ہے جانور کھاتا ہے' انسان پیتا ہے جانور پیتا ہے' انسان اپنے لئے مکان بناتا ہے' جانور بھی اپنے لئے مکان بنالیتا ہے۔ انسان کے اگر توالد وتناسل ہے' نسل آگے چلتی ہے' جانوروں میں بھی چلتی ہے۔ تو اگر میں آپ سے پوچھوں کہ انسان اور جانور میں کیا فرق ہے؟ تو آپ کہیں گے ایک فرق یہ ہے کہ انسان اور جانور میں۔ فرق بہت سے ہیں لیکن مثال کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ آپ مجھ سے کہہ سکتے ہیں کہ ایک فرق انسان اور جانور میں یہ ہے کہ جانور الگ الگ رہتے ہیں' انسان مل کر رہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ اب دیکھئے حضور یہ آپ ہی فرما رہے ہیں میں تو نہیں کہہ رہا ہوں کہ انسان مل کر رہتا ہے اور جانور الگ الگ رہتا ہے۔ اب اگر کوئی قوم آپس کے اتحاد کو پسند نہ کرتی ہو۔ بلکہ متفرق طریقے پر رہنا اس کے لئے زیادہ پسند خاطر ہو تو اس کا

مطلب یہ کہ حیوانیت کے جراثیم میں جو کام کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ انسانیت کی علامت یہ ہے کہ انسان مل کر رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو بات آپ نے کہی ہے وہ صحیح بھی ہے مگر پوری طرح سے صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ جانوروں کی بھی بہت سی قسمیں وہ ہیں جو مل کر رہتی ہیں۔ بھیڑ جب چلتی ہیں' بکریاں جب چلتی ہیں مل کر چلتی ہیں۔ ہرنوں کو جب آپ جنگل میں دیکھ لیں' آپ ایک گروپ کی شکل میں دیکھیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ ہاں یہ بات تو ہے تو آپ بات کو بدلیں گے اور کہیں گے نہیں' مگر ایک فرق کے ساتھ جانور بھی مل کر رہتا ہے اور انسان بھی مل کر رہتا ہے مگر جانور الگ الگ رہتا ہے' مل کے رہتا ہے لیکن اس میں ذمہ داریاں بٹی ہوئی نہیں ہوتیں سب اپنی مرضی کے مختار ہوتے ہیں۔ انسان سوسائٹی بنا کر رہتا ہے' انسان سولائزیشن کی شکل میں رہتا ہے۔ انسان جب کسی جگہ پر رہتا ہے تو دو سو' چار سو' پانچ سو' ہزار' دو ہزار' دس ہزار انسان کہیں پر رہتے ہیں مگر ان کے مل کے رہنے کا طریقہ الگ ہے۔ جانوروں کے مل کے رہنے کا طریقہ الگ ہے' انسانوں کے مل کے رہنے کا طریقہ الگ ہے میں نے آپ سے پوچھا کہ انسانوں کے مل کے رہنے کا طریقہ کون سا الگ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ انسان یوں مل کے رہتا ہے جیسے خود انسان کی ایک باڈی ہوتی ہے' جیسے خود انسان کا جسم ہوتا ہے' کہ فرائض بٹے ہوئے ہوتے ہیں' ذمہ داریاں بٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ انسان کا جسم ہے' اس کے پاس پاؤں بھی ہیں' اس کے پاس ہاتھ بھی ہیں' اس کے پاس آنکھیں بھی ہیں' اس کے پاس کان بھی ہیں۔ کانوں کا کام ہے سننا' وہ سنتے رہتے ہیں' آنکھوں کا کام ہے دیکھنا یہ دیکھتی رہتی ہے' زبان کا کام ہے بولنا یہ بولتی رہتی ہے' ہاتھوں کا کام ہے گرفت میں لینا ہاتھ اپنا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں'

پاؤں کا کام ہے زمین پر چلنا' پاؤں چلتے رہتے ہیں۔ مگر ان سب کی الگ الگ ایکٹیوٹیز اور سب کی الگ الگ حرکتوں اور اعمال کا فائدہ ملتا ہے بحیثیت مجموعی جسم کو۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو اسی طرح سے انسان الگ الگ مل کے کام کرتے ہیں مگر اس کا فائدہ ملتا ہے سوسائٹی کو۔ اس کا فائدہ ہوتا ہے اجتماع کو۔ یہاں تک بات کو لانے کے بعد میں ایک سوال آپ سے کرنا چاہتا ہوں کہ آنکھوں کا کام ہوتا ہے دیکھنا۔ توجہ فرمائے گا۔ کان کا کام ہوتا ہے سننا' زبان کا کام ہوتا ہے بولنا' پاؤں کا کام ہوتا ہے چلنا یہ سارے ہمارے اعضاء جو ہم کو دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے فریضے کو انجام دے رہے ہیں مگر میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ ذرا یہ بتا دیجئے کہ کان' آنکھ' ناک' ہاتھ' پاؤں' زبان کس کے آرڈر پر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں؟ تو آپ کہیں گے کہ دل حکم دیتا ہے۔ تو آنکھ تو دکھائی دے رہی ہے' کان تو دکھائی دے رہے ہیں' ناک تو دکھائی دے رہی ہے' زبان دکھائی دے رہی ہے' ہاتھ دکھائی دے رہا ہے' پاؤں دکھائی دے رہا ہے مگر یہ دل' جو ہمارے پورے جسم کا رہنما ہے' یہ نہیں دکھائی دے رہا ہے۔ تو کیا دل کے وجود سے آپ انکار کر دیں گے؟ صرف اس لئے کہ دل نہیں دکھائی دے رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نظام قدرت یہ ہے کہ وہ اعضاء و جوارح کہ جو نوکر کی حیثیت رکھتے ہیں وہ نظروں کے سامنے رہتے ہیں اور وہ دل کہ جو رہنما کی حیثیت رکھتا ہے وہ ہمیشہ سینے کے اندر چھپا ہوا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیج دیں آپ حضرات........

بس یاد رکھئے کہ آنکھوں کا چلنا' کانوں کا سننا' زبان کا بولنا' ہاتھ کا چلنا' پاؤں کا چلنا' اگر اس بات کی دلیل ہے کہ سینے کے اندر دل دھڑ دھڑ' دھڑ دھڑ کر

رہا ہے تو اس نظام کائنات کا باقی رہنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ہے کوئی امام جو غیبت کے پردے میں چھپا ہوا نظام کائنات کو سنبھالے ہے۔

برادران عزیز۔ تو اب آپ نے اندازہ کیا کہ انسان کی اور جانور کی زندگی میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ وہ بھی مل کر رہتا ہے اور انسان بھی مل کر رہتا ہے لیکن جانوروں میں ذمہ داریاں بٹی ہوئی نہیں ہوتیں۔ لیکن آج سائنس اتنا آگے بڑھ چکی ہے کہ اس نے ہمارے سامنے یہ بات پیش کر دی کہ بہت سے جانور بھی ایسے ہیں کہ جن کے یہاں سولائزیشن پائی جاتی ہے۔ ایک طرح سے آپ اسے کہہ سکتے ہیں' ڈیوٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ مثلاً' شہد کی مکھیاں کہ وہ جہاں بھی رہتی ہیں مل کر رہتی ہیں اور ایک نظام کے تحت رہتی ہیں اور اس میں سے ہر مکھی کی ڈیوٹی بندھی ہوئی ہے اور وہ اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔ اس موضوع پر مجھے تفصیلات میں جانا نہیں آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔

چیونٹیاں مثلاً: اجتماعی طریقہ پر رہتی ہیں' منظم شکل میں رہتی ہیں اور ان کے یہاں بھی ڈیوٹیاں بٹی ہوئی ہیں جس کی پابندی کی جاتی ہے تو کیا انسان اور چونٹیاں برابر ہو گئیں؟ تو کیا انسان اور شہد کی مکھیاں برابر ہو گئے؟ نہیں۔ بس آخری بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے تو مل کر تو وہ بھی رہتے ہیں' مل کر یہ بھی رہتا ہے۔ ایک سولائزیشن سی وہاں بھی دکھائی دیتی ہے اور ایک سولائزیشن یہاں بھی دکھائی دیتی ہے۔ مگر ایک فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ چیونٹیاں اور شہد کی مکھیاں اور بہت سی.... جس نظام کے ساتھ اب سے ہزار برس پہلے رہتے تھے' دو ہزار برس' دس ہزار برس پہلے رہتے تھے اس نظام میں کوئی چینج نہیں آیا۔ وہی نظام ہے کہ جس پر آج تک وہ عمل کر رہے ہیں۔ مگر

انسان میں اور ان جانوروں میں فرق کیا ہے؟ ابتدائی انسان تہذیب کے اعتبار سے، نظم و ضبط کے اعتبار سے چیونٹیوں سے بہت پیچھے تھا، شہد کی مکھیوں سے بہت پیچھے تھا مگر ان میں جو نظام قائم تھا وہ فطری تقاضوں کی بنا پر قائم تھا۔ اللہ نے انسان کو عقل کا چراغ دے دیا۔ اس کی زندگی شروع ہوئی تھی زیرو سے، اس کی زندگی شروع ہوئی تھی غاروں سے، اس کی زندگی شروع ہوئی تھی جنگلوں میں بے بسی کی زندگی گزار رہا تھا، آج وہ سورج کو اپنے قابو میں لانا چاہ رہا ہے، آج وہ چاند کو اپنے قابو میں لانا چاہ رہا ہے، آج وہ خلاؤں کو اپنے قابو میں لانا چاہ رہا ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور جانور کی زندگی میں جو آخری فرق ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں عروج ہے، انسان دھیرے دھیرے اپنے کمال کی طرف بڑھ رہا ہے، انسان دھیرے دھیرے ترقیوں کی طرف بڑھ رہا ہے اور جانور جہاں تھا دس ہزار برس پہلے وہیں رہے گا دس ہزار سال بعد بھی۔ تو اب ملاحظہ فرمائیے کہ جب انسان میں تکامل پایا جاتا ہے، انسان میں شعور پایا جاتا ہے، انسانی تہذیب مسلسل آگے بڑھ رہی ہے تو یہیں پر یہ بات میں آپ کے سامنے عرض کر دوں کہ یہ تہذیب انسان کی کیوں آگے بڑھ رہی ہے؟ اس لئے کہ اسے عقل دی گئی ہے۔ توجہ فرمائے گا۔ عقل کیوں دی گئی ہے؟ جانور اپنی ذات سے ڈیگریڈ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس کے پاس فطرت ہے فطری تقاضے ہیں کہ جن کی بنا پر وہ ایک بندھی ٹکی راہ کے اوپر چلا کرتا ہے۔ انسان کو عقل دی گئی ہے۔ جب عقل دی گئی ہے تو عقل دی ہی اس لئے گئی ہے کہ یہ دو راستوں میں سے ایک راستے کو اختیار کرتا ہے۔ انسان کو عقل دی گئی ہے۔ جب عقل دی گئی ہے تو عقل دی ہی اس لئے گئی ہے کہ یہ دو راستوں میں سے ایک راستے کو اختیار کرے اور یہیں پر یہ بات میں آپ

کے سامنے بس آخر کلام میں عرض کردوں اور بقیہ باتیں انشاء اللہ کل پیش کروں گا کہ جب ایک ہی راستہ رہتا تو سلیکشن اور اختیار کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا اور جب سلیکشن اور اختیار کا سوال پیدا نہ ہوتا تو آپ جزا کے مستحق نہ ہوتے اس لئے کہ جہاں کسی شئے کو اختیار کیا جائے وہاں انسان جزا کا مستحق ہوتا ہے اور اگر کوئی کار خیر بغیر اختیار کے اختیار کیا جائے تو وہاں کسی جزاء کا انسان مستحق نہیں ہوتا ہے۔ آپ نے شاید واقعہ سنا ہوگا' مجھے معلوم ہے کہ یہ واقعہ درست ہے یا واقعی ایک لطیفہ ہے کہ ایک شخص دریا میں ڈوبا جا رہا تھا اور کسی میں ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ دریا میں کود کر اس کو نکال لے۔ اتفاق سے ایک سردار جی بھی وہاں پر کھڑے ہوئے تھے ان کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ دریا میں کود گئے اور بچے کو نکال کر باہر لے آئے۔ لوگوں نے بہت تعریف کی کہ سردار جی' جو کام کوئی نہ کر سکا وہ کام آپ نے انجام دیا تو انہوں نے کہا' یہ بتاؤ کہ مجھے ڈھکیلا کس نے تھا؟ ملاحظہ فرمایا آپ نے تو جتنا ان کا کریڈٹ تھا وہ ختم ہو گیا اس لئے کہ اگر کودے ہوتے تو اختیار ہوتا ڈھکیل دیا کسی نے تو اختیار ختم ہو گیا' جب اختیار ختم ہو گیا تو کسی جزاء کے مستحق نہ رہ گئے سردار جی۔ توجہ فرمائی آپ نے؟ تو اب شیطان اگر پیدا نہ ہوتا تو ہمارے لئے اختیار کی منزل ختم ہو جاتی اور جب اختیار کی منزل ختم ہو جاتی تو ہم جزا کے مستحق نہ رہتے۔ اس لئے شیطان کا پیدا ہونا بھی نظام الٰہی کی تکمیل ہے کہ اب دو راستے ہمارے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ ایک حق کا راستہ ہے ایک باطل کا راستہ ہے ایک اچھائی کا راستہ ہے اور ایک برائی کا راستہ ہے۔ اگر ہم اچھائی کے راستے کی طرف چلیں گے تو جزاء کے مستحق قرار پائیں گے اور اگر برائی کے راستے کی طرف چلیں گے تو سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیج دیں آپ حضرات۔

بس اس منزل پر میں آپ کے سامنے اتنی بات عرض کر دوں کہ جب شیطان کو اللہ نے سجدۂ آدم سے انکار کی بنا پر اپنے دربار سے نکالا اور کہا کہ میرے دربار سے ذلیل و رسوا ہو کر نکل جا تو اس نے اکڑ کر بارگاہ الٰہی میں کہا کہ پالنے والے تو مجھے مہلت دے گا کہ نہیں دے گا۔ کہا ہاں مہلت دیتا ہوں ایک وقت معلوم تک کی جب مہلت اس کو مل گئی تو اس نے کہا پالنے والے اب جب کہ تو نے مجھے مہلت دے دی ہے۔ ایک ٹائم دے دیا ہے۔ ایک وقت معلوم تک کا' تو میں تیری سیدھی راہ پر جم کر بیٹھ جاؤں گا اور خالی جم کر نہیں بیٹھوں گا' تیرے کسی بندے کو تیری طرف بڑھنے نہ دوں گا۔ سامنے سے راستہ روک لوں گا۔ خدا کی قسم جب میں نے قرآن مجید میں یہ آیت دیکھی تو میرا تو دم نکل گیا کہ یہ شیطان ہر طرف سے راستہ روک کر گھیراؤ کر کے کھڑا ہو گیا اب اللہ کے بندے اللہ کی طرف کیسے پہنچیں گے؟ بس قرآن اس منزل پر خاموش ہے مگر جب قرآن خاموش ہوا تو میں وارث قرآن کے پاس گیا اور میں نے کہا' مولا آپ اس مشکل کو حل کیجئے' تو مولا نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب شیطان نے اکڑ کر بارگاہ الٰہی میں یہ کہا کہ پالنے والے میں تیرے راستوں کو چاروں طرف سے بند کر دوں گا تو اب قدرت پر مسکراہٹ آگئی اور ارشاد ہوا کہ اے شیطان! تو آخر میرا ہی تو پیدا کیا ہوا بندہ ہے تو نے میری طرف آنے کی ہر راہ کو روکنا چاہا لیکن تجھ سے غلطی ہو گئی' تجھ سے بھول ہو گئی' تجھ سے چوک ہو گئی۔ اس نے گھبرا کر کہا کہ مجھ سے کیا بھول ہو گئی تو ارشاد الٰہی ہوا کہ تو سمجھتا تھا کہ ڈائرکشنز چار ہی ہوتے ہیں۔ مگر ڈائرکشن کی سمتیں چار نہیں ہوا کرتیں بلکہ چھ ہوا کرتی ہیں۔ ایسٹ' ویسٹ' نارتھ ساؤتھ اور اوپر اور نیچے۔ تو چار سمتیں تیری ہو گئیں اور دو سمتیں میری ہو گئیں۔ چار ڈائرکشنز تیرے اور

دو ڈائرکشنز میرے ' تیرے بہکانے کے بعد جو سر سجدے میں رکھے گا اسے بخش دوں گا اور جو دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دے گا اسے بخش دوں گا۔ تو برادران عزیز! آپ سمجھ لیں کہ یہ دو راستے جو ہیں وہ اللہ کے راستے ہیں یہ راستے ہلاک نہ ہونے دیجئے۔ شیطان بہکائے گا ہم اس کے بہکانے میں آئیں گے نہیں۔ اور اگر بہکانے کے بعد آپ بہک کر اکڑ گئے تو اکڑ گئے۔ اور اگر سر سجدے میں رکھ دیا کہ پالنے والے غلطی ہو گئی بخش دے تو وہ انشاء اللہ بخش دے گا۔ اگر دعا کے لئے ہاتھ اٹھ گئے کہ پالنے والے مجھے بخش دے تو اس کا وعدہ ہے کہ میں بخش دوں گا۔ اور پھر اس نے تو بخشنے کے بہت سے بہانے بنا رکھے ہیں۔ وہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے خوف میں روؤ۔ ہماری محبت میں روؤ۔ ہماری آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے ہم کو رحم آ جائے گا۔ اس کے بعد دوسرا بہانہ اس نے یہ بتایا کہ جو ہمارے محبوب ہیں' جو ہمارے پیارے بندے ہیں اگر ان کی خوشی میں تم خوش ہو گئے تو ہماری رحمت کا رخ تمہاری طرف مڑ سکتا ہے۔ اگر ان کے غم میں غمزدہ ہو گئے اور تمہاری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور خلوص کے ساتھ یہ آنسو آنکھوں میں تمہاری آ گئے ایک غریب کو یاد کر کے 'ایک مسافر کو یاد کر کے' میرے رسول کے نواسے کو یاد کر کے تو ممکن ہے کہ میری رحمت کا رخ تمہاری طرف ہو جائے۔ بس اسی لئے آپ سب حضرات جمع ہوتے ہیں' موضوع ابھی تشنہ ہے اور کل یہ موضوع میں جاری رکھوں گا لیکن اب وقت ختم ہو رہا ہے اس لئے میں اب منزل مصائب پر آ گیا۔

برادران عزیز۔ آپ سب یہاں زیادہ تر مسافرت کے عالم میں ہیں۔ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔ اور اس مسافرت کے عالم میں اب تو ماشاء اللہ آپ کی ایک کیمونٹی ہو گئی ہے لیکن ان لوگوں سے پوچھئے جو کسی اجنبی ماحول

میں تنہا ہو جاتے ہیں' یہ احساس تنہائی ان کے لئے کتنا روح فرسا ہو جاتا ہے۔ یاد کیجئے حسینؑ کے سفیر مسلم بن عقیل کو جو کوفے میں تنہا ہیں کربلا کے شہید یقیناً بہت زیادہ ہیں' لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں نفسیاتی اعتبار سے' آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کی ہمت بڑھ جاتی ہے اگر وہ دیکھے کہ کوئی اور بھی میرا حمایتی موجود ہے اور انسان کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے اگر اسے تنہائی کا احساس ہو۔ کربلا کے میدان میں حسینؑ کے ساتھ بہتر سپاہی ہیں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی ہمت بڑھا رہا ہے مگر ہائے مسلم کی بے کسی۔ کوفہ اور کوفے کی تنہائی۔ کل مسلم کے ساتھ اٹھارہ ہزار غداروں نے بیعت کی تھی اور آج مسلم تنہا ہیں اور کوئی مسلم کو پناہ دینے والا بھی نہیں ہے۔ نیا شہر ہے' نئی راہیں ہیں' کوفہ اس وقت بہت بڑا شہر تھا جس کا آپ تصور نہیں کر سکتے ہیں' چھوٹا شہر آپ نہ سمجھیں بہت زبردست آبادی تھی۔ اس وقت دنیائے اسلام کا سب سے بڑا شہر تھا کوفہ۔ اور اس کوفے کی گلیوں اور سڑکوں میں جہاں مسلم کو راستوں سے واقفیت نہیں ہے۔ شام کا وقت ہو چکا ہے' پیاس بڑھ رہی ہے آخر چلتے چلتے تھکن محسوس ہونے لگی۔ ایک دروازے کے اوپر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا ایک عورت باہر نکلی اور کہا کہ تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ شہر کی حالت بہت خراب ہے میرے دروازے سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا تھوڑی دیر میں پھر دروازہ کھولا' دیکھا کہ وہ مسافر پھر بیٹھا ہوا ہے۔ کہا' کیوں نہیں جاتے؟ کہا پیاس لگی ہے پانی پلا دو۔ وہ عورت گئی' پانی لے کر آئی' حضرت مسلم کی خدمت میں پانی پیش کیا' آپ نے پانی نوش فرمایا' کہا کہ بندۂ خدا اب چلے جاؤ۔ اس لئے کہ کوفے کا ماحول بڑا خراب ہو رہا ہے۔ جب کئی مرتبہ یہ جملہ اس نے دہرایا تو آپ نے فرمایا' میں

کہاں جاؤں؟ اے مومنہ تم کہہ رہی ہو کہ تم اپنے گھر چلے جاؤ۔ جس کا کوئی گھر ہو وہی تو جائے اپنے گھر میں تو پردیسی ہوں میں تو مسافر ہوں میرا تو کوئی گھر کوفہ میں موجود نہیں میں کہاں جاؤں؟ کہا کہ آپ کون؟ مسلم نے بتایا کہ میں حسینؑ کا سفیر، عقیلؑ کا فرزند مسلم ہوں، یہ عورت، یہ مومنہ اہل بیتؑ کی فدائی تھی، جلدی سے اپنا دروازہ کھول دیا، کہا کہ میرے گھر میں تشریف لایئے اللہ کا شکر کہ اس نے مجھے میزبانی کا شرف عطا فرمایا، حضرت مسلم اس گھر کے اندر تشریف لے گئے، فوراً اس نے ایک حجرہ خالی کر دیا، اس حجرے میں جناب مسلم نے آرام فرمایا، عجیب اتفاق کی بات یہ کہ یہ عورت مومنہ تھی، اہل بیتؑ کی فدائی تھی، اہل بیت رسولؐ کی چاہنے والی تھی لیکن اس کا بیٹا اہل بیتؑ کا دشمن تھا، رات گئے بیٹا آیا، بیٹے نے یہ منظر دیکھا کہ ماں ایک حجرے میں بار بار جاتی ہے اور آتی ہے، سوال کیا، وہ راز کو چھپانا چاہتی تھی لیکن اس نے اتنا اصرار کیا کہ ماں نے مجبور ہو کر قسم دے کر کہا کہ بیٹا ہماری خوش نصیبی کہ مسلم ابن عقیلؑ ہمارے مہمان ہیں۔ بس عزاداران حسینؑ، یہ غدار بیٹا اتنی رات کو اپنے گھر اس لئے پلٹا تھا کہ حکومت کی طرف سے مسلم کو گرفتار کرنے والے کو انعام کا اعلان کیا گیا تھا، اس کی لالچ میں یہ مسلم کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا، اس نے اپنے دل میں کہا کہ میں سارے شہر میں جس کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا وہ میرے گھر میں موجود ہے لیکن راز کو راز رہنے دیا، جب ماں کی آنکھ لگ گئی، یہ چپکے سے گھر کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور جا کر حکومت کو اطلاع دے دی کہ مسلم میرے گھر میں موجود ہیں ادھر مسلم کی ذرا سی آنکھ لگی تھی کہ خواب میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کو دیکھا کہ علیؑ آئے ہیں اور آکر فرما رہے ہیں کہ مسلم ہم تک پہنچنے میں اب جلدی کرو، مسلم سمجھ گئے کہ میری شہادت کا وقت اب قریب

آگیا ہے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ سپیدۂ سحر طلوع ہو رہا تھا کہ مسلم کے کانوں میں گھوڑ وں کے ٹاپوں کی آوازیں آنے لگیں۔ اور مسلم نے طوعہ سے پکار کر کہا کہ اے کنیز خدا' جلد سے جلد میرے اسلحے لے کر آجا اس مومنہ نے گھبرا کر کہا کہ مسلم اسلحے لے کر کیا کیجئے گا؟ کہا تو نہیں سن رہی ہے مگر میرے کانوں نے سن لیا ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں آرہی ہیں' اس کا مطلب یہ کہ حکومت کو خبر ہو گئی ہے اور حکومت کے سپاہی مجھے گرفتار کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ طوعہ نے کہا کہ میرے آقا' پھر آپ میرے گھر میں رہ کر اپنا ڈیفنس اور دفاع کیجئے۔ جناب مسلم نے فرمایا کہ یہ بہت آسان تھا میرے لئے اور اس میں میری جان کی حفاظت بہتر طریقے سے ہو سکتی تھی لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کے سپاہی تیرے گھر میں گھس آئیں اور تیری عزت پر آنچ آجائے اس لئے میں گھر کے باہر جا کے لڑوں گا' گھر کے اندر نہیں لڑوں گا۔ میں کہتا ہوں مسلم آپ کو کوفے کی ایک معمولی عورت کے بارے میں یہ خیال ہے کہ اس کے گھر میں دشمن گھس نہ آئیں' آکر ذرا کربلا کے میدان میں دیکھئے کہ فاطمہؑ کی بیٹی کے خیموں میں لشکر ابن زیاد کے سپاہی گھسے چلے آرہے ہیں اور کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

بہر حال مسلم بن عقیل طوعہ کے گھر کے باہر نکلے اور خدا شاہد ہے' آپ تاریخیں پڑھ لیں کہ مسلم کی شجاعت کا عالم یہ کہ لشکر پہ لشکر آرہے ہیں اور مسلم تنہائی کے عالم میں لشکروں کو کاٹتے چلے جا رہے ہیں۔ راوی جو اپنی نظروں سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا وہ بتاتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا اپنی نظروں سے کہ عالم یہ تھا کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا' کوئی تیر مار رہا تھا' کوئی نیزہ پھینک رہا تھا یہاں تک کے گھر کے کوٹھوں کے اوپر جو لوگ موجود تھے

وہ وہاں سے پتھر مار رہے تھے۔ اتنا ہوسٹائل ماحول تھا' اتنا دشمن ماحول تھا مگر کہتا ہے کہ میں اس عالم میں مسلم کی بہادری' شجاعت اور قوت کا عالم دیکھ رہا تھا کہ جب کوئی سپاہی گھوڑے پر سوار مسلم کے قریب آتا تھا تو مسلم اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر گھوڑے سے گھسیٹ لیتے تھے اور گھسیٹنے کے بعد جو اچھالتے تھے تو وہ دو دو منزلہ مکانوں سے اونچا اچھلتا چلا جاتا تھا اور جب وہاں سے گرتا تھا تو اس کو تلوار کی دھار پر روک کر دو ٹکڑے کر دیا کرتے تھے۔ لشکر پر لشکر آتے رہے اور کٹتے رہے یہاں تک کہ محمد ابن اشعث جو لشکر کا کمانڈر تھا اس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہم مسلم کو یوں گرفتار نہیں کر سکتے۔ اس لئے غداری کی گئی۔ جلدی جلدی ایک خندق کھودی گئی اور اس کو تھوڑا خس پوش کر دیا گیا' لشکر پیچھے ہٹتا رہا' مسلم جوش شجاعت میں آگے بڑھتے رہے' یہاں تک کہ ایک وقت وہ آیا کہ جب جناب مسلم اس گڑھے کے اندر گر گئے۔ جب گڑھے کے اندر گر گئے تو بے بس ہو گئے' تلوار ہاتھ سے لے لی گئی' ہاتھوں میں رسیاں جکڑ دی گئیں' مسلم کو گھوڑے پر سوار کیا گیا اور لشکر گرفتار کر کے حسینؑ کے سفیر کو لے کے گیا ابن زیاد کے سامنے۔ عزاداران حسینؑ' جب گھوڑے پر بٹھا کے مسلم کو اسیر کر کے ابن زیاد کا لشکر لے کر جا رہا تھا دربار ابن زیاد کی طرف تو محمد ابن اشعث نے دیکھا کہ مسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ محمد ابن اشعث نے کہا کہ مسلم جو شخص اتنے بڑے امر کا ارادہ کر کے اٹھا ہو' جب وہ گرفتار ہو جائے تو اس کو رونا زیب نہیں دیتا۔ مسلم نے کہا ملعون کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے لئے رو رہا ہوں مجھے اپنی زندگی کی فکر نہیں ہے کہا پھر کس بات پر رو رہے ہو؟ کہا کہ میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ میں نے کوفہ والوں کی بیعت کا اعتبار کر کے اپنے مولا حسینؑ کو لکھ دیا ہے کہ مولا کوفے چلے آیئے۔ میرے مولا کو

خبر نہیں کہ اس وقت کوفے کے حالات کیا ہیں؟ اے محمد ابن اشعث! مجھے معلوم ہے کہ حسینؑ کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں' مجھے معلوم ہے کہ حسینؑ کے ساتھ ساتھ بے کس بیبیاں بھی ہیں' میرے مولا پر اس پر دیس میں کیا گزر جائے گی اس کا تصور کر کے میں رو رہا ہوں' میں اپنی مصیبت پر نہیں رو رہا ہوں میں مولا حسینؑ کی مصیبت کے اوپر رو رہا ہوں۔ بہر حال اسی عالم میں گرفتار کئے ہوئے لوگ لے کر آئے حضرت مسلم کو ابن زیاد کے دربار میں' پیاس شدت سے لگ رہی تھی' مسلم نے فرمایا کہ اگر ہو سکے تو مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو۔ لوگوں میں اختلاف ہوا' کسی نے کہا کہ مسلم کو پانی دیا جائے اور کسی نے کہا کہ مسلم کو پانی نہ دیا جائے' لیکن کچھ لوگوں نے کہا کہ نہیں پانی دے دینے میں کیا حرج ہے' دشمن سہی لیکن پانی پلا دینے سے انکار نہیں کیا جا سکتا لوگ پانی کا جام لے کر مسلم کے سامنے آئے' جناب مسلم نے وہ پانی کا جام اپنے ہونٹوں سے لگایا تھا کہ دانتوں کے اوپر تلوار پڑ گئی تھی' خون کے چند قطرے اس پانی میں ٹپک گئے جناب مسلم نے وہ پانی پھینک دیا' دوسرا پانی لایا گیا اس میں بھی خون کے قطرے شامل ہو گئے' جناب مسلم نے وہ پانی بھی پھینک دیا' تیسری مرتبہ جب پانی پینے کا ارادہ کیا تو وہ دانت جو کمزور ہو گئے تھے وہ ٹوٹ کر پانی کے اندر گر گئے اور آپ نے پانی پھینک دیا یہ کہہ کر کہ معلوم ہوتا ہے کہ پانی اب مسلم کی تقدیر سے اٹھ گیا ہے' اب پانی میرے نصیب میں نہیں ہے' مجھے پیاسا ہی شہید ہونا ہے میں کہتا ہوں کہ مسلم اچھا ہوا کہ آپ نے پانی نہ پیا۔ ورنہ کوئی اور شکوہ نہ کرتا تو حسینؑ کا چھ مہینے کا بچہ علی اصغر آپ سے ضرور شکوہ کرتا کہ چچا میں تین دن کا بھوکا پیاسا گلے پر تیر کھا کر دنیا سے رخصت ہوا اور آپ سیر و سیراب دنیا سے رخصت ہوئے۔

بس عزادارانِ حسینؑ! ادھر مسلم پر جو کچھ گزرنا تھی وہ گزر گئی' تفصیل آپ کے سامنے عرض نہیں کرتا' بس ایک جملہ سن لیجئے اس کے بعد آپ کی زحمت کو تمام کروں۔ مسلم شہید ہو گئے' مسلم کی لاش کوفے میں گھسیٹی جا رہی ہے' پاؤں میں رسی بندھی ہوئی ہے اور لوگ مسلم کی لاش کو کوفے کی گلیوں میں کھینچ پھر رہے ہیں ادھر حسینؑ کا قافلہ کوفے کی طرف بڑھ رہا ہے کہ ایک منزل پر پہنچ کر امامؑ نے ملاحظہ فرمایا کہ دو سوار کوفے کی طرف سے آ رہے ہیں' امامؑ نے ان کی طرف رخ کیا کہ اپنے بھائی کی خبر پوچھیں' لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ امامؑ ان کی طرف بڑھ رہے ہیں تو اپنا راستہ کاٹ کر دوسری طرف چلے گئے' امامؑ بھی آگے بڑھ گئے' جب ایک اور منزل پر پہنچ کر امامؑ نے قیام کیا تو امامؑ کے دو سپاہی آگے بڑھے اور کہا کہ مولا وہ فلاں منزل پر آپ کو وہ واقعہ یاد ہو گا کہ کوفے کی طرف سے دو سپاہی آ رہے تھے' دو شخص آ رہے تھے' دو مسافر آ رہے تھے آپ ان سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے لیکن جب انہوں نے آپ کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ راستہ کاٹ کر دوسری طرف چلے گئے۔ مولا' ہم نے آپ کے مزاج کا اندازہ کر لیا تھا' اس لئے تھوڑی دیر کے بعد ہم چپکے سے ان کے پیچھے چلے گئے اور ہم نے جا کر ان سے پوچھا کہ کوفے کا حال کیا ہے؟ امامؑ نے کہا کیا بتایا انہوں نے کوفے کا حال کیا ہے؟ کہا کہ مولا جو کچھ بتایا ہے کہئے تو یہیں عرض کر دیں' ورنہ بہتر یہ ہے کہ خیمے کے پشت پر چلئے اور تنہائی میں ہم آپ سے کہہ دیں' امامؑ نے فرمایا کہ نہیں' مجھے کوئی بات اپنے ساتھیوں سے چھپانا نہیں ہے جو کچھ بھی انہوں نے بیان کیا ہے وہ میرے سامنے بیان کر دو۔ عزادارو' خدا نہ کرے کہ کسی بھائی کو وہ سننے کو ملے کہ جو حسینؑ کو

مسافرت میں سننے کے لئے ملا کہا کہ مولا وہ لوگ تو ہم سے یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے کوفہ اس وقت چھوڑا تھا کہ جب حسینؑ کے بھائی مسلم ابن عقیل کی لاش کے پاؤں میں رسی بندھی ہوئی تھی اور لاش کو کوفے کی گلیوں میں کھینچا جارہا تھا' بس امامؑ نے فرمایا کہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" اور یہ کہہ کر خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور جانے کے بعد جناب زینبؑ سے فرمایا کہ اے زینب' ذرا مسلم کی بچی رقیہ کو تو بلا لاؤ' بچی دوڑتی ہوئی آئی حسینؑ نے اس چھوٹی سی بچی کو اپنے زانو پر بٹھایا' سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا! اس کے بعد فرمایا کہ زینبؑ' فلاں منزل پر ہم نے دو بندے خریدے تھے وہ لے کر آجاؤ' وہ گوشوارے لائے گئے' اپنے ہاتھ سے اس بچی کے کانوں میں وہ گوشوارے پہنائے' ذہین بچی سمجھ گئی ایک مرتبہ نظر اٹھا کر امامؑ کو دیکھا' کہا کہ مولا آپ ہمیشہ ہی محبت کا برتاؤ کرتے تھے مگر آج تو آپ کا وہ برتاؤ ہے جو ہم نے یتیم بچوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ اے چچا یہ بتایئے کہ میرے بابا کی تو خیر ہے؟ حسینؑ نے اپنے سینے سے بچی کو لگا لیا اور کہا کہ رقیہ اگر تیرا بابا شہید ہو گیا تو آج سے تو مجھے اپنا باپ سمجھنا' میں کہتا ہوں کہ مولا' یتیم بچیوں کو یوں ہی تسلی دی جاتی ہے لیکن جب آپ کی بچی سکینہ نے آواز سنی کہ "علی قتل حسین بہ کربلا" تو کون سکینہ کو گلے سے لگانے والا تھا' شمر آگیا' طمانچے لگانے لگا۔ کانوں سے گوشوارے اتار لئے گئے......"

☆☆☆

تیسری مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین" (آل عمران آیت ۸۵)

برادران عزیز! ارشاد الٰہی ہو رہا ہے کلام پاک میں کہ اسلام کے علاوہ اگر کوئی انسان کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرے گا تو وہ دین اور وہ مذہب ہم اس سے قبول نہیں کریں گے۔ اور ایسا انسان جب آخرت کی دائمی زندگی میں داخل ہو گا تو اسے خود اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ اس نے اسلام کو چھوڑ کر اپنا نقصان کیا ہے۔ اسلام علم کا مذہب ہے اسلام عقل کا مذہب ہے اسلام فکر کا مذہب ہے۔ اس کی صورت حال یہ ہوئی ہے کہ اسلام نے علم پر جتنا زور دیا' مسلمان علم سے اتنا دور ہو گئے۔

یہ بات آپ یاد رکھیں کہ کوئی مذہب اس وقت پھیلتا ہے جب اس کے ماننے والے بھی صاحب علم ہوں اور مذہب لاکھ علم اور عقل سے بھرا ہوا ہو لیکن اس کے ماننے والے اگر علم اور عقل سے خالی ہیں تو ایسا مذہب دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتا اسلام کو آگے بڑھانے کے لئے سب سے زیادہ جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ کہ مسلمان علم اور فکر کے میدان پر قبضہ کر لیں۔ اسی وقت وہ بہتر طریقے پر اسلام کی حقیقتوں سے دنیا کو آشنا کر سکتے ہیں۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیں۔ ہمارا اعتقاد ہے اور یقین ہے اور بجا یقین ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے لیکن اگر آج مسلمانوں سے آپ سوال کر لیں کہ اس عقیدے پر دلیل کیا

ہے تو شاید بہت کم ایسے مسلمان نکلیں گے کہ جو اس بات کو ثابت کر سکیں کسی غیر مسلم کے سامنے کہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل کیا ہے؟

حالانکہ اس کے لئے بہت زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے' یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ اگر ذرا بھی انسان غور کرے تو آسانی کے ساتھ وہ اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ قرآن نہ انسان کا کلام ہے نہ انسان کا کلام ہو سکتا ہے' یہ خالق انسان کا کلام ہے جو اللہ کے نبی کی زبان کے اوپر جاری ہوا تھا۔ یہ خود حضورؐ کا کلام نہیں ہے بلکہ زبان حضورؐ کی تھی اور کلام کسی اور کا تھا' معمولی سی بات آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں اس ضمن میں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر صاحب انصاف اس بات کے ماننے کے لئے مجبور ہو جائے گا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور حضورؐ کا کام صرف اتنا تھا کہ کلام الٰہی کی آیتوں کو اپنی زبان پر جاری فرمائیں۔

برادران عزیز۔ ایک شے ہوتا ہے کسی شے کو کہنا یا لکھنا یا کمپوز کرنا اور دوسری شے ہوتا ہے کسی پہلے سے لکھی ہوئی یا تیار شدہ شے کو پڑھنا۔ ان دونوں میں فرق ہوتا ہے مثلاً۔ انیسؔ نے مرثیے کہنا شروع کئے۔ اگر انیسؔ کے مرثیوں کو اٹھا کر آپ دیکھیں تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ ان کا پہلا مرثیہ اچھا ہے لیکن اتنا اچھا نہیں ہے جتنا ان کا دوسرا مرثیہ بہتر ہے لیکن اس سے بہتر ہے ان کا وہ مرثیہ کہ جو انہوں نے تیسرا کہا ہے اور تیسرے مرثیے سے ان کا چوتھا مرثیہ بہتر ہے۔ اور چوتھے مرثیے سے ان کا پانچواں مرثیہ بہتر ہے' یہاں تک کہ ان کا یہ مرثیہ جو شاہکار انیسؔ کہا جاتا ہے۔

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

یہ میر انیسؔ کے آخری دور کا مرثیہ ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ انسان کے کلام

میں یہ صفت پائی جاتی ہے کہ جتنا جتنا وہ کلام کہتا جاتا ہے، نظم کرتا جاتا ہے، کمپوز کرتا جاتا ہے یا اگر تصنیف کے میدان میں ہے تو جتنی جتنی کتابیں وہ لکھتا جاتا ہے اتنا اتنا اس کے کلام میں اس کی تحریر میں اور اس کی رائٹنگ میں پختگی آتی جاتی ہے، اس میں بلندیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں روز بروز اس کا کلام بہتر سے بہتر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ صورت وہاں ہوتی ہے جہاں انسان کسی کلام کو خود تصنیف کر رہا ہو۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اب فرض کیجئے یہی مرثیہ جسے شاہکار انیس کہا جاتا ہے "جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے" اس مرثیے کی خبر نہ تھی کسی کو فرض کیجئے، یہ مرثیہ مجھے مل گیا اور مرثیے میں تقریباً دو سو بند، اور میں نے یہ طے کیا کہ لندن کے ہر عشرۂ محرم میں اس مرثیے کے دس بند پیش کروں گا تو اب اگر اس میں دو سو بند ہیں تو یہ مرثیہ بیس سال تک چلتا رہے گا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ مگر بیس سال تک جو مرثیہ میں آپ کو سناؤں گا اس کا اسٹینڈرڈ شروع سے لے کر آخر تک ایک رہے گا، اس کا معیار ابتدا سے لے کر انتہا تک ایک رہے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جس مرثیے کو میں ۲۰ سال میں پیش کر رہا ہوں، یہ مرثیہ میں کمپوز نہیں کر رہا ہوں، یہ مرثیہ میں نظم نہیں کر رہا ہوں بلکہ پہلے سے کسی استاد کا تیار کیا ہوا مرثیہ ہے کہ جسے دھیرے دھیرے میں پیش کر رہا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان ایک طویل مدت میں کسی کلام کو خود تصنیف کر کے پیش کرتا ہے تو اس میں یہ صورت حال ہوتی ہے کہ ابتدا میں کلام کمزور ہوتا ہے پھر اس سے بہتر ہوتا ہے، پھر اس سے بہتر ہوتا ہے، پھر اس سے بہتر ہوتا ہے، آخر شباب کی منزل کے اوپر پہنچتا ہے۔ اور جب کسی اور کا کلام انسان پیش کرتا ہے تو چاہے وہ کلام دو برس کے عرصے میں پیش کرے، چاہے دس برس کے عرصے میں پیش کرے، چاہے بیس سال کے

عرصہ میں پیش کرے' چاہے پچاس سال کے عرصہ میں پیش کرے اس کا معیار ایک رہتا ہے اس کا اسٹینڈرڈ ایک رہتا ہے' اس کا انداز ایک رہتا ہے بہت ہی کامنسنس کی بات ہے اگر انسان یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ قرآن محمد مصطفیٰ کی تصنیف ہے یا قرآن کسی اور کا کلام ہے جو ان کی زبان پر جاری ہو رہا تھا تو وہ یہ دیکھ لے کہ قرآن میں یہ صورت حال پائی جاتی ہے کہ نہیں کہ ابتدا کی آیتیں کمزور ہوں اس کے بعد والی آیتیں اس سے بہتر ہوں' اس کے بعد والی آیتیں اس سے بہتر ہوں مکہ کی آیتیں تھوڑی ویک ہوں' مدینہ کی آیتیں ذرا مضبوط ہوں' قبل ہجرت جو آیتیں نازل ہوئی ہیں وہ ذرا فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے کم اسٹینڈرڈ ہوں اور مدینہ میں آنے والی بعد ہجرت کی آیتیں فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے زیادہ اسٹینڈرڈ کی ہوں تو آپ مان لیجئے کہ یہ محمد مصطفیٰ کی تصنیف ہے' جتنا جتنا مشق سخن بڑھتی جاتی ہے اتنا اتنا قرآن کی فصاحت بڑھتی جاتی ہے' بلاغت بڑھتی جاتی ہے' انداز بڑھتا جاتا ہے' تقریر کی بلند پروازیاں بڑھتی جاتی ہیں لیکن اگر شروع سے لے کر آخری آیت تک قرآن مجید کا اسٹینڈرڈ ایک نظر آئے' معیار ایک نظر آئے' اسلوب ایک نظر آئے تو اب انسان یہ فیصلہ کرنے کے لئے مجبور ہو جائے گا یہ کلام ان کا نہیں ہے کلام پہلے سے کہیں تیار شدہ موجود ہے یہ اس کو دیکھتے جاتے ہیں اور پڑھتے جاتے ہیں۔ایک مرتبہ صلواۃ بھیج دیں آپ حضرات...."

اب جب یہاں تک میں آپ کو لے کر آگیا کہ کلام پہلے سے کہیں تیار شدہ موجود ہے تو اسے دیکھتے جاتے ہیں یا اسے موصول کرتے جاتے ہیں اور پڑھتے جاتے ہیں تو یہ بات آپ یاد رکھئے کہ میں کوئی بات کبھی اپنی طرف سے نہیں کہتا' خود قرآن مجید میں ابتدا ہی میں' ابتدائی سورہ جو نازل ہوئے ہیں' اس

میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن جو دھیرے دھیرے اتر رہا ہے' یہ پہلے سے ایک لوح میں محفوظ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے یہ بات کہہ دی کہ ہم لوح میں محفوظ تھے' لیکن غیر مسلم اسے ماننے کے لئے کیوں تیار ہوگا؟ بس برادران عزیز۔ یہیں سے آپ کو اہل بیتؑ کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے' یہیں سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اہل بیتؑ کی منزلت کیا تھی؟ اور ان کی اہمیت کیا تھی؟ میں آپ کے سامنے برابر عرض کر تا رہا ہوں کہ اہل بیتؑ نے اگر کسی کرامت کا ظہور کیا ہے یا کسی معجزے کا ظہور ان سے ہوا ہے تو اپنی ذات کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ اسلام کے اسی اصول کی حفاظت کے لئے ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ قرآن کیا کہتا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ ہم دھیرے دھیرے اتر رہے ہیں مگر پورا قرآن پہلے سے لوح محفوظ میں چلا آتا ہے۔ دنیا کو اس کا ثبوت چاہئے تھا اسی لئے حضورؐ کے اعلان رسالت سے پہلے ایک بچہ جب خانہ کعبہ میں پیدا ہوا اور اس کے بعد ماں کی آغوش سے منتقل ہو کر جب رسولؐ ہی کی گود میں آیا اور اللہ کے حکم سے گویا ہوا تو سب سے پہلے بات جو اس نے کہی وہ یہ کہ اے خدا کے رسولؐ میں کچھ پڑھوں؟ اور جب رسولؐ نے کہا کیا پڑھو گے تو کہا جو کہئے پڑھوں؟ توریت پڑھ کر سنادوں' زبور پڑھ کر سنادوں' انجیل پڑھ کر سنادوں' وہ کتابیں پڑھ کر سناؤں جو نازل ہو چکی تھیں مگر اس کے بعد اس کتاب کو پڑھنا شروع کر دیا جو ابھی لوح محفوظ میں محفوظ تھی اور اس کی پہلی آیت بھی ابھی نہ اتری تھی۔ صلوٰۃ....."

اس منزل پر اتنا ضرور عرض کردوں' میں کوئی بات غیر ذمہ دارانہ طریقے سے عرض نہیں کرتا برادران عزیز جب تک میں کسی بات کو دیکھ نہ لوں اور ایک مجلس میں جو کہہ چکا ہوں اسے پھر آپ کے سامنے دہراؤں کہ اس مجلس میں الحمد للہ' چونکہ اسلام کے دونوں بازوؤں کی شرکت ہے اس لئے میں جو حدیث

بھی پیش کروں گا وہ ایسی ہوگی کہ جس کو شیعہ بھی تسلیم کرتے ہوں اور سنی بھی اسے مانتے ہوں۔ اب اس منزل پر آپ ملاحظہ فرمائیں پوری ذمہ داری سے یہ بات آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں کہ جس حدیث کی کتاب کو چاہیں آپ اٹھا کر دیکھ لیں' جس تاریخ کی کتاب کو آپ اٹھا کر دیکھ لیں' جس نے کعبہ کے اندر ولادت ... کا واقعہ لکھا ہے اس نے یہ بات لکھی ہے کہ جب رسولؐ نے علیؑ کو اپنی گود میں لیا اور بچے نے آنکھ کھولی اور آنکھ کھولنے کے ساتھ ساتھ زبان کھولی' تو زبان کھولنے کے بعد پہلا جملہ جو اس بچے کی زبان پر آیا وہ یہ کہ "اقرئ ویا رسول اللہ" توجہ فرمائی آپ نے؟ میں چیلنج کے طور پر آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کسی تاریخ میں دکھا دیں کہ حضور کی گود میں آنے کے بعد بچے نے کہا ہو کہ "اقرئ ومحمد" "اقرئ ویا ابوالقاسم"۔ کہہ سکتے تھے حضور کا نام لے کر کہ اے محمد مصطفےٰ اجازت ہے کہ میں کچھ پڑھوں اے ابوالقاسم اجازت ہے کہ میں کچھ پڑھوں اے میرے ابن عم اجازت ہے کہ میں کچھ پڑھوں اے میرے بھائی اجازت ہے کہ میں کچھ پڑھوں' اس میں سے کوئی لفظ علیؑ استعمال نہیں فرماتے' اس منزل پر ساری تاریخیں متفق ہیں کہ علیؑ نے رسول سے خطاب کر کے یہ ارشاد فرمایا کہ "اقرئ ویا رسول اللہ" اے خدا کے رسولؐ' اجازت ہے کہ میں کچھ پڑھوں' میں کہوں گا کہ یا علیؑ' یہ ابھی آپ آفیشیلس سیکرٹ کو کیوں فاش کئے دے رہے ہیں' ابھی تو کسی کو پتہ بھی نہیں ہے کہ یہ رسولؐ ہونے والے ہیں اور آپ انہیں رسول کہہ کر پکار رہے ہیں تو شاید بچے کا جواب ملے گا کہ ان کی رسالت ظاہر نہ ہوئی ہو مگر میں اپنا ایمان ظاہر کئے دے رہا ہوں۔ اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ جب تاریخ اسلام آگے بڑھے گی تو ایک زمانہ وہ آئے گا کہ جب دنیا والے ایمان کے سلسلے میں نمبر دینا شروع کریں گے کہ

فلاں صحابی پہلے نمبر پر ایمان لایا' فلاں صحابی دوسرے نمبر پر ایمان لایا' فلاں صحابی تیسرے نمبر پر ایمان لایا تو میں نے آغوش رسولؐ میں' رسول کو رسول کہہ کر اور پکار کر اس بات کا اعلان کر دیا کہ جب ایمان کی درجہ بندی ہو رہی ہو تو مجھے نمبر والوں سے نکال لینا' نمبر وہاں دیے جائیں کہ جہاں پہلے کفر ہو' میں ایمان لے کر آ رہا ہوں' مجھے دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ صلوٰۃ......"

تو بہر حال' یہ ہے قرآن مجید' جو موضوع میں نے چھیڑا تھا' موضوع کا جو حصہ میں نے چھیڑا تھا' آج میں کسی طرح سے اسے وائنڈ اپ کرنا چاہتا ہوں' حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے لئے اس کو وائنڈ اپ کرنا مشکل ہو گا۔ لیکن بہر حال' ابھی مجھے اور بھی باتیں آپ کے سامنے پیش کرنا ہیں' اس لئے آج اس میں سمیٹ دوں گا' اگر کوئی بات آپ کی نظر میں تشنہ رہ جائے تو مجلس کے بعد اس مخصوص پوائنٹ پر آپ مجھ سے ڈسکس کر سکتے ہیں' میں مجلس کے بعد یہاں پر تھوڑی دیر حاضر رہوں گا۔ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیج دیں..."

برادران عزیز۔ گفتگو یہ تھی' اور تقریر جو میں آپ کے سامنے اب تک جو کر رہا تھا وہ اسلام کے اس موضوع سے اور پہلو سے اور سکشن سے متعلق تھی کہ جو آج ہمارے لئے ایک برننگ ٹاپک ہے۔ یہ ہمارے نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام زمانے کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ زمانہ آگے بڑھ رہا ہے اور اسلام پیچھے رہا جا رہا ہے۔ اس بارے میں اب تک جو کچھ میں نے عرض کیا تھا' اسے دہرا دینا ضروری ہے۔ اس لئے کہ میری یہ تقریر تین حصوں میں تقسیم ہو کر شاعر کا وہ شعر بن گئی' جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ

پہلے اس نے مُس کہا پھر تق کہا پھر بل کہا   اس طرح ظالم نے مستقبل کے ٹکڑے کر دیے

تو جیسے شاعر نے مُس' تق' بل کے ٹکڑے کر دیے تھے' یوں ہی میری

تقریر کے بھی ایسے ٹکڑے ہو گئے ہیں کہ جب تک ان بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو سمیٹ نہ دوں شاید پوری طرح سے آپ بات کو سمجھ نہ سکیں گے۔

برادران عزیز۔ میں نے جو کچھ آپ کے سامنے گزارش کی اب تک اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ دو وجوں سے پیدا ہوا ہے' یہ پرابلم دو وجوں سے ہمارے سامنے آئی ہے' پہلی وجہ یہ ہے کہ جو اسلام کو جانتے ہیں وہ زمانے کو نہیں جانتے' دوسرا سبب یہ ہے کہ جو زمانے کو جانتے ہیں اسلام کو نہیں جانتے۔ اگر ایسے علماء ہمارے سامنے ہوتے کہ جو اسلام کو بھی جانتے ہوتے اور زمانے کو بھی جانتے ہوتے تو اس مسئلے کو اٹھنے کا سوال ہی نہ تھا۔ اور خاص طور کے اوپر مکتب اہل بیت میں آپ علی ابن ابی طالب' کو دیکھیں کہ وہ زمانے کو کیسا جانتے تھے۔ اللہ اکبر علی زمانے کو کیسا جانتے تھے؟! اگر اس کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں آپ' تو ان کے ارشادات کو دیکھیں جو نہج البلاغہ میں بکھرے ہوئے ہیں۔ بطور مثال میں صرف ایک ارشاد آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ اکبر کیا الٹرا ماڈرن خیال ہے' جسے آج کی دنیا میں ایپریشیٹ کیا جا سکتا ہے اور سمجھا جا سکتا ہے' چودہ سو برس پہلے کا انسان تو اس کو سمجھ بھی نہ سکتا تھا' خدا کا شکر ہے کہ ریکارڈ ہو کر ہمارے سامنے آ گیا کہ مولا فرماتے ہیں اپنے چاہنے والوں سے اور مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہ دیکھو جب اپنے بچوں کی تربیت کرنا تو ان کی تربیت میں اس بات کا لحاظ رکھنا کہ ان کے دماغوں پر تمہارے خیالات کی چھاپ نہ پڑنے پائے اس لئے کہ تمہارا زمانہ اور تھا ان کا زمانہ اور ہوگا۔ تم کو ان کو اپنے زمانے کے اعتبار سے تیار نہیں کرنا ہے بلکہ تمہیں انہیں آئندہ آنے والے زمانوں کے اعتبار سے تیار کرنا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ انسان کبھی دھوکا نہیں کھائے گا کہ جو اپنے زمانے کو پہچانتا ہوگا۔ عجیب بات فرمائی ہے کہ جو اپنے زمانے

کو پہچانتا ہو گا وہ کبھی دھوکا نہ کھائے گا۔ لیکن میں پھر ایک مرتبہ آپ کے سامنے عرض کروں گا کہ اسلام نے علم پر اتنا زیادہ زور دیا تھا اور مسلمان علم میں پچھڑ گئے۔ یہی امام جعفر صادقؑ چار ہزار شاگردوں کو بیٹھ کے سب کچھ پڑھایا کرتے تھے' پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں کہ جب یہ لفظ آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں کہ سب کچھ پڑھایا کرتے تھے تو نہ سمجھئے کہ خالی تفسیر پڑھاتے تھے' نہ سمجھئے کہ خالی حدیث پڑھاتے تھے۔ نہیں۔ جب امام جعفر صادق تشریف فرما ہو کر اپنے شاگردوں کو پڑھاتے تھے تو وہ سب پڑھاتے تھے کہ جو آج یونیورسٹیوں میں پڑھایا جا رہا ہے ان کو فزکس پڑھاتے تھے ان کو کیمسٹری پڑھاتے تھے اس کی تفصیل شاید آئندہ مجلس میں آپ کے سامنے عرض کروں لیکن فی الحال عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس جگہ امام جعفر صادق بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے' لیکچرس دیا کرتے تھے اسی جگہ ایک تختی اوپر لگی ہوئی تھی اور اس تختی پر عربی زبان میں ایک شعر لکھا ہوا تھا وہ شعر ہر مسلمان کے سامنے رہنا چاہئے' وہ شعر یہ تھا کہ لیس الیتیم الذی...... یتیم اسے نہ کہو' جس کے ماں اور باپ مر گئے ہوں' یتیم دراصل وہ ہے کہ جو علم اور کردار سے محروم ہے"۔ اور اگر امام کا یہ فرمانا صحیح ہے تو ملت مسلمہ آج اپنے یتیموں کو گن کر میرے سامنے پیش کرے' آج یتیموں کی تعداد مجھے بتائے تو میں سمجھتا ہوں کہ خدا کے فضل و کرم سے ۹۰ فیصدی مسلمان یتیم نظر آئیں گے۔ اس لئے کہ یتیم وہ نہیں ہے جو! بچے ماں باپ سے محروم ہو' بلکہ یتیم وہ ہے کہ جو علم کے میدان میں پیچھے رہ جائیں۔ جو علم کے میدان میں پچھڑ جائیں' بہر حال اس مختصر سی تمہید کے بعد عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شبہہ ہمارے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ اسلام میں یہ صلاحیت ہے کہ نہیں کہ وہ زمانے کا ساتھ دے سکے میں کہتا ہوں کہ یہ سوال ہی بینکلی غلط ہے'

بنیادی طور پر یہ سوال ہی غلط ہے اور جب سوال کرنے والا مجھ سے یہ سوال کرے گا تو میں یہ سمجھنے کے لئے مجبور ہو جاؤں گا کہ جو شخص مجھ سے یہ سوال کر رہا ہے وہ زمانے کو جانتا ہی نہیں ہے' آپ توجہ فرمایئے' جو بات آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں۔ برادران عزیز۔ ایک بہت ہی نازک سی بات ہے جو آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں' زمانہ پتھروں پر غالب ہے' پتھروں کو اور پہاڑوں کو زمانہ بدل دیتا ہے' زمانہ درختوں پر غالب ہے' درختوں کی صورت اور شکل کو زمانہ بدل دیتا ہے' زمانہ جانوروں پر غالب ہے' جانوروں کو بناتا ہے اور بگاڑتا ہے۔ مگر جب انسان کی بات آتی ہے تو یہ بات آپ سمجھ لیں کہ زمانہ انسان کو نہیں بناتا انسان زمانوں کو بنایا کرتا ہے۔ کیا تاریخی شواہد آپ کے سامنے پیش کروں اگر کوئی شخص انکار کی جرأت کرے۔ ایک معمولی مثال دے رہا ہوں آپ کے سامنے۔ وہ عرب جاہلیت کے پرستار' بربریت کا شکار' جاہل' ظالم' خونی' بے نظم وضبط۔ ایک یتیم پیدا ہو گیا اور اسی یتیم نے اس بگڑے ہوئے دھارے کو یوں پلٹا کہ چند ہی برس کے اندر اندر جن کے پاس کچھ نہ تھا ان کو سب کچھ مل گیا۔ علم ان کو مل گیا' دانش ان کو مل گئی' اخلاق ان کو مل گیا' کردار ان کو مل گیا' ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تھوڑے مدت کے لئے سہی مگر تاریخ کے دھارے کو حضورؐ نے پلٹ دیا۔ اور اس کے بعد پھر ایک زمانہ وہ آیا کہ جب شام میں ایک ڈکٹیٹر ایک تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے پھر دھارے کو فریب دیا۔ اسلام کی بوتل کے اندر کفر کی شراب بھر دی' بوتل اسلام کی رہی' شیشہ اسلام کا رہا اور اقدار اس کے اندر کفر کے آ گئے۔ تو وہ زمانے کو بنایا کس نے' یہ زمانے کو بگاڑا کس نے؟ ایک انسان تھا کہ جس نے زمانے کو بنایا' دوسرا انسان تھا جس نے زمانے کو بگاڑ دیا۔

تو یہ آئیڈیا اس وقت تک کلیر نہیں ہو سکتا ہے' جب تک یہ فرق اپنے

سامنے آپ نذر رکھیں کہ انسان زمانے کو بناتا ہے اور انسان زمانے کو بگاڑتا ہے۔

زمانہ انسان کو نہیں بناتا اور نہ زمانہ انسان کو بگاڑتا ہے' یہ ایک بات ہے جو آپ کے سامنے رہنا چاہئے۔ دوسری بات کیا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ زمانے میں جو تبدیلیاں آتی ہیں' یہ خالص مادی اعتبار سے آتی ہیں' وسائل بدلا کرتے ہیں' کی۔ اب سے سو برس پہلے کوئی لندن آنا چاہتا تو یہاں تک پہنچنے میں اسے مہینوں لگ جاتے تھے' آج گھنٹوں میں انسان پہنچ جاتا ہے۔ اتنے بڑے مجمع کو اس زمانے میں کوئی اپنی آواز نہیں پہنچا سکتا تھا' آج میں دھیرے دھیرے بول رہا ہوں اور پورا مجمع میری آواز کو سن رہا ہے۔ توجہ فرمائے ہیں آپ؟ تو یہ مادی جو مظاہر ہیں یہ بدلا کرتے ہیں ہم جو دھوکا کھاتے ہیں اور ہم جو غلط فہمی کا شکار ہیں' وہ شکار ہم اس غلط فہمی کا ہیں کہ ہم نے ظاہری نمائش کو بدلتے ہوئے دیکھ کر یہ اندازہ کرلیا کہ حقیقتیں بھی بدلا کرتی ہیں۔ یاد رکھئے کہ ظاہری نمائشیں بدلا کرتی ہیں' حقائق اپنی جگہ کے اوپر رہا کرتے ہیں ان پر کہنگی نہیں آتی ان پر فرسودگی نہیں آتی۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اب سے چودہ سو برس پہلے یہ بات کہی تھی کہ انسان جس بات سے ناواقف ہوتا ہے اس کا دشمن ہو جایا کرتا ہے' یہ بات چودہ سو برس کے بعد بھی صحیح ہے اور چودہ ہزار برس کے بعد بھی صحیح رہے گی۔ علیؑ نے فرمایا کہ ہر انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے جب تک وہ نہیں بول رہا تم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیا ہے؟ ادھر بولا ادھر تم کو اس کی قدر کا اندازہ ہو جائے گا۔ یہ حقیقت جیسے چودہ سو برس پہلے صحیح تھی ویسے آج بھی صحیح ہے' ویسے ہی چودہ ہزار برس کے بعد بھی صحیح رہے گی۔ سعدی نے کہا "بنی آدم اعضائے یک دیگر ند" یہ پوری سوسائٹی یہ پورا سماج ویسا ہی ہے جیسے ایک انسان کے مختلف اعضاء ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت کبھی بدلنے والی نہیں ہے' یہ ہزار برس پہلے بھی صحیح تھی اور دس ہزار

برس بعد بھی صحیح رہے گی۔ تو دوسرا بنیادی پہلو جو آپ کے سامنے رہنا چاہئے کلیر وہ یہ کہ ظاہری، مادی چیزیں بدلا کرتی ہیں، لیکن حقیقتیں نہیں بدلا کرتیں۔ اس لئے کہ جو شئے پیدا ہوتی ہے وہ مرئی ہے، حقیقت پیدا نہیں ہوتی، حقیقت ہمیشہ سے ہے اور جب حقیقت ہمیشہ سے ہے تو ہمیشہ رہے گی۔

تیسری بات جو میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا کہتی ہے کہ حالات بدل گئے زمانہ بدل گیا اور قیامت یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ انسان بدل گیا۔ کہاں بدلا انسان؟ کوئی مجھے دکھا دے بدلا ہوا انسان کیا چیز انسان کی بدل گئی۔ جی۔ کیا شئے انسان کی بدل گئی۔ کیا ہزار برس پہلے انسان بڑا ظالم تھا آج بڑا منصف ہو گیا ہے انصاف سے بتائیے گا تو حضور انسان جو ہزار برس پہلے تھا وہی ہزار برس بعد بھی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس کے پاس ہتھیار بہت معمولی تھے تو اس کے ظلم سے نقصان کم ہوتا تھا، آج سائنس نے اس کے ہاتھوں میں ایسے ہتھیار دے دیے ہیں کہ ایک انسان اگر پاگل ہو جائے تو پوری دنیا کو تباہ و برباد کر کے رکھ سکتا ہے، تو انسان کے ظلم کی عادت اور ظلم کی خصلت نہیں بدلی، عورتوں کی عصمتیں پہلے بھی لٹا کرتی تھیں، عورتوں کی عصمتیں آج بھی لٹ رہی ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ پہلے بھی زور و زر کے ذریعہ عورتوں کی عصمتوں کو لوٹا جاتا تھا، آج بھی زور و زر کے ذریعہ عورتوں کی عصمتوں کو لوٹا جا رہا ہے، پہلے بھی تخت حکومت پر بیٹھنے والے رعایا کا خون چوسا کرتے تھے، آج بھی تخت حکومت پر بیٹھنے والے رعایا کا خون چوسا کرتے ہیں، پہلے بھی غلامی کا دور تھا، آج بھی غلامی کا دور ہے، پہلے انسان کے جسم کو غلام بنایا جاتا تھا آج انسان کی فکر کو غلام بنایا جاتا ہے، پہلے ایک ایک دو، دو آدمیوں کو غلام بنایا جاتا تھا آج پوری پوری قوموں کو غلام بنایا جاتا ہے۔ تو آپ بتائیں کون سی چیز انسان کی بدلی، حالات بدل

گئے ہیں انسان کی فطرت نہیں بدلی۔ انسان کی فطرت نہیں بدلی' انسان کا ظلم نہیں بدلا انسان کی انانیت نہیں بدلی انسان کا جذبہ استحصال نہیں بدلا' ہاں فرق یہ ہو گیا کہ انسان کی جتنی طاقت بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی اس کے ظلم کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے' وہ یزید تھا اپنے زمانے کا کہ جس نے حسینؑ پر اور حسینؑ کے ساتھیوں پر کھانا اور پانی بند کر دیا تھا' اس لئے کہ اس سے زیادہ اس کے امکان ہی میں نہ تھا' اگر اس سے زیادہ اس کے امکان میں ہوتا تو وہ بھی کر گزرتا۔ لیکن اس وقت کے دور میں اس سے زیادہ اس کے امکان میں نہ تھا کیونکہ جو اس کے امکان میں تھا وہ کر گزرا۔ مگر آج کے دور کے یزیدیوں نے کمبوڈیا کے میدان میں ایسے بموں کی آزمائش کی جس سے فضا سے آکسیجن ختم ہو گئی' وہ یزید تھا کہ جس نے کھانا اور پانی بند کر دیا اور آج کے یزید ہوا بند کر دیتے ہیں۔ اور انسان کا دم گھٹتا ہے اور مر جاتا ہے توجہ فرمائی آپ نے؟ تو کیا شئے بدلی انسان کی؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے جو امراض پہلے تھے' جو کمزوریاں پہلے تھیں وہ کمزوریاں آج کچھ اور ابھر کر ہماری نظروں کے سامنے آ گئیں۔ ملاحظہ فرما رہے ہیں آپ' یہ کیوں ہو رہا ہے بس اتنا اور آپ کے سامنے عرض کر دوں۔ اس کا علاج اور اس کا جواب بتایا پلیٹو نے۔ افلاطون نے بڑی پیاری بات اس نے کہی ہے۔ اور بس میں ایک اشارہ کروں گا' آپ سمجھیں تو سمجھیں ورنہ سمجھیں تو میں مجبور ہوں' وہ کہتا ہے کہ یہ دنیا اس وقت تک امن اور سکون کا گہوارہ نہیں بن سکتی ہے جب تک سیاست دان اسکالرس نہ ہو جائیں اور اسکالرز' سیاست دان نہ ہو جائیں۔ یہ دنیا اس وقت امن وسکون کا گہوارہ نہیں بن سکتی ہے جب تک دنیا کی رہنمائی اور لیڈرشپ اسکالر کے ہاتھ میں نہ آ جائے۔ عالموں کے ہاتھ میں نہ آ جائے' سائنٹسٹ کے ہاتھ میں نہ آ جائے' اس وقت تک یہ دنیا امن اور سکون کا گہوارہ نہیں بن سکتی۔ آج بھی

صورت حال یہی ہے کہ سیاست حاکم ہے اور سائنس محکوم ہے' آج جو آپ کہتے ہیں کہ آج سائنس کا دور ہے۔ آج سائنس کا دور ہے؟ آج سائنس کا دور نہیں ہے یہ آپ کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے برادران عزیز' سائنس کا دور نہیں ہے آج' آج سائنس کی غلامی کا دور ہے' آج سائنس سیاست کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے' سیاست دانوں نے اس ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر اسے اسیر بنا دیا ہے' کون سا وہ سائنٹسٹ ہے جو آج آزاد ہے؟ کسی بھی ملک میں کوئی سائنٹسٹ جب کوئی نئی ایجاد کرتا ہے' فوراً حکومت کے پہرے اس پر بیٹھ جایا کرتے ہیں کہ یہ سیکرٹ دوسری دنیا میں جانے نہ پائے' ہوتا ہے ایسا کہ نہیں ہوتا؟ آزاد نہیں ہے' آج سائنس اسیر ہے' آج آقا ہے سیاست اور غلام ہے سائنس' سائنس کے ذریعہ سے آج زمانہ آگے بڑھ رہا ہے' میں سمجھتا ہوں کہ آپ تائید فرمائیں گے میری گفتگو کی۔ اسلام علم کا علمبردار ہے اسلام سائنس کا سرپرست ہے' مگر اسلام اس سائنس کا سرپرست ہے کہ جو آزاد ہو' آج دنیا نے سائنس کو چونکہ اپنا غلام بنا لیا ہے اور سائنس کے ذریعہ سے دنیا کا.... ہو رہا ہے' اس لئے اب اس مسئلے کا میں جواب دیتا ہوں آپ کے سامنے۔ کہ اسلام سائنس کو آگے بڑھانا چاہتا ہے مگر سائنٹفک اسپلائی ٹیشن کو آگے بڑھانا نہیں چاہتا۔ اس لئے آج جب کوئی نئی شئے ایجاد ہو' سمجھ لیجئے زمانے کا ساتھ دیتا ہے اسلام کہ نہیں۔ آج جب کوئی نئی شئے ایجاد ہو تو ایک مسلمان میں اتنی بصیرت ہونا چاہئے کہ وہ دیکھے کہ جو شئے ایجاد ہو کے ہمارے سامنے آئی ہے' یہ خالص سائنس کی پیداوار ہے یا... سائنس کی پیداوار ہے' توجہ فرما رہے ہیں آپ؟ اسلام کہتا ہے کہ جب کوئی نئی شئے تمہارے سامنے آئے تو ہر نئی شئے بدعت نہیں ہوتی اُسے بدعت کہہ کر اپنے معاشرے سے نکال نہ دو۔ اور ہر پرانی شئے اس لائق نہیں ہے کہ وہ اور بجنسل

ہے اسے سینے سے لگائے رہو اور اسلام اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے: کوئی شئے محض اس لئے نہیں رد کی جائے گی کہ وہ پرانی ہے اور ہر نئی شئے محض اس لئے سینے سے نہیں لگائی جائے گی کہ نئی ہے' بلکہ جب بھی کوئی نئی شئے تمہارے سامنے آئے تو اس کی میرٹ کو دیکھو۔ میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کہ اگر خالص سائنس کی پیداوار ہے اسلام کہتا ہے کہ سینے سے لگاؤ۔ اگر فلوکین سائنس ہے تو اسلام کہتا ہے کہ یہ انسان کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے اسے تباہ و برباد کر دو۔ مثال دے دوں تو بات واضح ہو جائے گی۔ کیمسٹری کتنا آگے بڑھ گئی اسی کیمسٹری کے ذریعہ سے ایسی دوائیں ایجاد ہو گئیں کہ جن کے ذریعہ سے ہم نے ان امراض پر قابو پالیا کہ جن امراض پر قابو پانا اب سے کچھ برس پہلے ہمارے امکان میں نہ تھا' اسہال پاس پھیلتی تھی اور بستیوں کی بستیاں ختم ہو جاتی تھیں کالرا پھیلتا تھا اور بستیوں کی بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں طاعون پھیلتا تھا اور بستیوں کی بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں' یہ کیمسٹری کا احسان ہے اور ان سائنس دانوں کا احسان ہے کہ جنہوں نے کیمسٹری کو اتنا آگے بڑھایا کہ انسان نے ان امراض پر قابو پالیا۔ یہ ہے خالص سائنس اسلام کہتا ہے کہ اس سائنس کو سینے سے لگاؤ۔ اس کو سیکھو اس کو آگے بڑھاؤ۔ مگر جب کیمسٹری آگے بڑھی تو ایک اور سائنٹسٹ آگے بڑھا اور اس نے اسی کیمسٹری کی مدد سے "ہیروئن" بنائی' اس نے اسی کیمسٹری کی مدد سے ایلرجک ٹیبلٹ بنائی' اور اس کا کارنامہ آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی انسان نے ایک مرتبہ اس کی ایک خوراک استعمال کر لی تو وہ اپنا سب کچھ بیچ کر' مجھے آپ معاف کریں گے اگر وہ کوئی عورت ہے تو وہ اپنی عصمت بیچ کر اس کی ایک خوراک کھانے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو اب یہ ہیروئن جو ہمارے سامنے آئی ہے' ہے تو یہ بھی کیمسٹری کی پیداوار' ہے تو یہ بھی سائنس کی پیداوار'

مگر ایک مسلمان میں اتنی بصیرت ہونا چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کا کون سا حصہ وہ ہے کہ جو انسان کی خدمت کے لئے ہے اور کون سا حصہ وہ ہے کہ جو انسان کی تباہی و بربادی کے لئے ہے"۔

اور اپنی جیب کے بھرنے کے لئے ہے اور پیسے کھینچنے کے لئے ہے' اسلام کہتا ہے کہ تجھ میں اے مسلمان اتنی بصیرت ہونا چاہئے ہے کہ یہ تمیز دے سکے کہ کہاں پر.... ہے اور کہاں پر سائنس ہے۔ توجہ فرمائی آپ نے؟ اس صدی کا سب سے بڑا سائنٹسٹ گزرا ہے آئنسٹائن جس نے ایٹمی بام کا انکشاف کیا' بڑی خدمت کی۔ لیکن سائنسداں کے' اس سائنس داں آئنسٹائن کے باپ دادا نے بھی کبھی نہ سوچا ہوگا کہ جو اس ایٹمی انکشاف کا حشر ہو گیا' اور اگر اس نے یہ سوچا ہوتا تو امریکہ کے جلسہ میں جب اس کو اعزاز و اکرام دیا جا رہا تھا' یہ اسٹیج پر بیٹھا ہوا رو کیوں رہا تھا' یہ پڑھا لکھا مجمع اشاروں پر چلنے والا ہے' آئنسٹائن رو رہا تھا کہ تمہیں رو رہا تھا؟ اور جب کسی نے کہا کہ تجھ کو اتنا بڑا اعزاز مل رہا ہے اور تو رو رہا ہے' کیا یہ خوشی کے آنسو ہیں؟ کہا' نہیں خوشی کے آنسو نہیں ہیں ماتم کے آنسو ہیں' کہا' ماتم کا ہے کا؟ کہا اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ میں جو سائنٹفک انکشاف کر رہا ہوں' اس کا نتیجہ ایٹم بم کی شکل میں ظاہر ہوگا تو میں اس علمی راز کو اپنے سینے میں لے کر قبر میں چلا جاتا مگر دنیا کے سامنے کبھی ظاہر نہ کرتا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟

تو مسئلہ یہاں کے اوپر یہ ہے کہ یہ انسان اتنا ظالم ہے کہ جب بھی سائنس کسی میدان میں آگے بڑھتی ہے پالی ٹیشنس (سیاست داں) آگے بڑھتے ہیں اور اس سائنٹفک انکشاف کو انسانیت کی تباہی و بربادی میں صرف کرنے کے لئے در پے ہو جاتے ہیں' سرمایہ دار آگے بڑھتے ہیں' وہ انسان کو برباد ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں مگر اپنی جیب خالی ہو جائے یہ ان کے لئے گوارا نہیں ہے۔ تو اسلام جو کہتا ہے'

آخر میں جو عرض کر رہا ہوں وہ صرف یہ کہ جب بھی کوئی نئی شئے تمہارے سامنے آئے تو تم میں اتنی بصیرت ہونا چاہئے کہ یہ دیکھو کہ وہ شئے خالص علم کی پیداوار ہے خالص سائنس کی پیداوار ہے یا اس کے ذریعہ سے اکسپلائی ٹیشن ہو رہا ہے۔ اگر خالص سائنس کی پیداوار ہے تو اس کو پرپوز کرو اور اگر اس کے ذریعہ سے اکسپلائٹیشن پیش نظر ہے' اس کے ذریعہ سے انسانیت کی بربادی پیش نظر ہے تو اسے معاشرے سے نکال دو۔ اس کا مطلب یہ کہ انسان کو بصیر ہونا چاہئے۔ اس کے بعد بس ایک بات اور عرض کر دوں آپ کے سامنے' اسلام سے متعلق ایک بات عرض کر دوں' برادران عزیز۔ میں نے ایک مثال دی تو بعد میں ایک صاحب کو شبہ ہو گیا تھا' حالانکہ میں نے وہ بطور مثال بات کہی تھی کہ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ اسلام اور زمانے کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے ایک جما ہوا کھمبا' ایک الکٹرک پول' یا ٹیلی فون کا پول اور اس کے سامنے سے دوڑتی ہوئی گاڑی۔ یہ دوسرے کہتے ہیں' اسلام یہ تھوڑی کہتا ہے۔ برادران عزیز۔ اسلام کی جو خوبی ہے اسے آپ سمجھ لیں اسلام کے قانون سازی کے اصول وہ چیلنج ہونے کے لائق نہیں ہیں لیکن ان کے ان اصولوں کے تحت جو اصول بنتے ہیں ہماری زندگی کے چیلنجل ہیں' میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں' آپ بتائیے' چار اصول ہیں اسلام کے قانون سازی کے بنیادی جو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اس مجمع کو میں چیلنج کرتا ہوں کہ آپ جس اصول کو کہیں' میں بدل دوں مگر میں دیکھتا ہوں کہ کون صاحب وہ ہیں جو کسی اصول کو بدلوانے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اصول اصول نہیں ہیں' یہ اصول' حقیقتیں ہیں۔ حقیقتیں نہیں بدلا کرتی ہیں زمانے کے بدلنے کے ساتھ ساتھ' سن لیجئے پہلا اصول کیا ہے؟ پہلا اصول یہ ہے کہ اسلام میں کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہو سکتی' زمانہ بدل گیا اجازت ہے کہ اس اصول کو بدل دوں اور یہ کہہ دو کہ

نہیں' اسلام میں بہت سی باتیں عقل کے خلاف بھی ہو سکتی ہیں' فرمائیں اگر اجازت ہو تو بدل دوں' دوسرا اصول کیا ہے؟ دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلام میں کوئی بات جسٹس اور انصاف کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کوئی بات جسٹس اور انصاف کے خلاف ثابت ہو جائے تو اسے اسلام سے نکال کے پھینک دو چاہے اس پر ہزار برس سے عمل ہو رہا ہو اس لئے کہ اسلام جسٹس کا مذہب ہے' بے وقوفی کا مذہب نہیں ہے۔ بدل دوں اس اصول کو؟ اگر کسی صاحب کی رائے ہو تو بدل دوں' ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ برادران عزیز۔ یہ دوسرا اصول' تیسرا اصول کیا؟ قرآن مجید کہتا ہے کہ اللہ کبھی کسی کو اس کی قوت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یعنی اگر اسلام کا کوئی اصول ایسا ہے تمہاری عملی زندگی میں جو خارجی حالات کی بنا پر' بیرونی حالات کی بنا پر تمہارے لئے ناقابل عمل ہو گیا ہو تو جب تک وہ ناقابل عمل ہے اس وقت وہ سسپنڈ ہے۔ توڑ دیا جائے اس اصول کو؟ اگر آپ کی اجازت ہو تو اسے توڑ دیا جائے۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ اسلام میں کوئی قانون ایسا نہیں کر سکتا کہ کوئی انسان اپنے آپ پر ظلم کرے اسلام یہ برداشت نہیں کر سکتا کوئی انسان اپنے بچوں پر ظلم کرے ان کے حقوق کو سلب کر لے۔ اسلام یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی انسان اپنی بیوی پر ظلم کرے اور اس کے حقوق کو سلب کر لے یہاں تک کہ اسلام یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کوئی انسان کسی مشرک کے حق کو چھین لے کسی کافر کے حق کو چھین لے' ظلم کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔

یہ ہیں اسلام کے وہ چار بنیادی اصول کہ جن کی روشنی میں اسلام کا قانون بنتا ہے۔ اب بتائیے کہ کون سے قانون کو میں توڑ دوں اور اس میں سے کون سا اصول وہ ہے کہ جسے میں چیلنج کر دوں' ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اب اس کے اندر اندر جو اصول بنتے ہیں عملی زندگی کے' وہ تو آپ کو معلوم ہے کہ حالات کے بدلنے

کے ساتھ ساتھ اس میں گنجائش رکھی گئی ہے اور اسی کا نام اجتہاد۔ اور خدا کا شکر آپ ادا کریں کہ آپ تو آپ کا مکتب فکر وہ ہے کہ جس میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ یہی اجتہاد کا دروازہ کھول کر اسلام کے قانون کو جاودانگی دے دی گئی ہے اور مجھے معاف کریں گے برادران اہل سنت' میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جو ان کو قطعاً ناگوار نہیں ہوگی کہ انہوں نے جو غلطی کی تھی اب اسے کئی سو برس پہلے آج اسے تسلیم کر رہے ہیں انہوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا تھا انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اب کوئی اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے' بس جو فتوے امام ابو حنیفہ کا ہے یا امام مالک کا ہے یا امام احمد ابن حنبل کا ہے یا امام شافعی کا ہے' بس انہیں چار اماموں کے فتووں کے اندر اندر ہماری فقہ گھومے گی اس کے باہر ہم نہیں نکل سکتے۔ مگر مکتب اہل بیت سے جو وابستہ تھے انہوں نے اہل بیت کی تعلیمات کی روشنی میں ہمیشہ اجتہاد و ریسرچ کے دروازے کو کھلا رکھا کہ جتنا جتنا زمانہ آگے بڑھتا جائے' جتنے جتنے نئے مسائل ابھر کر سامنے آتے جائیں تم اجتہاد کی روشنی میں اسلام کے عملی اصولوں کو اس کے ساتھ ایڈجسٹ کرتے چلے جاؤ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اب آج اسلامی دنیا میں یہ تحریک چل رہی ہے کہ اجتہاد کے دروازے کو دوبارہ کھول دیا جائے۔ مگر برادران عزیز' میں اس منزل پر آپ کے سامنے۔ ایک اکیڈمک بات کروں گا' میں کسی ذات کو تنقید کا نشانہ نہیں بناتا کہ اجتہاد' اس کے لئے بڑی بصیرت کی ضرورت ہے اس لئے کہ اجتہاد کی بابت انسان بڑی ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ نیک نیت ہو' ممکن ہے کہ مخلص ہو' ممکن ہے کہ پر خلوص ہو لیکن ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں آپ دیکھیں' تاریخ میں ایسے ہی اجتہادات ہم کو نظر آتے ہیں' مثلاً اذان میں رسولؐ کے زمانے میں "حی علی خیر العمل" کہا جاتا تھا "حی علی خیر العمل" کے معنی کیا ہیں؟ کہ جو سب

سے بہتر عمل ہے اس کی طرف چلو۔ نماز سب سے بہتر عمل اس کی طرف چلو۔

جب اسلامی فوجیں دوسرے ملکوں پر حملہ کرنے لگیں تو اس وقت کے جو رہنما تھے انہوں نے سوچا کہ اگر نماز "خیر عمل" ہے تو مسلمان سپاہی میدان جہاد کو چھوڑ کر مسجدوں میں آنا شروع ہو جائیں گے۔ تو پھر یہ فتوحات کیسے ہوں گے؟ اس لئے سیاسی مصلحت کے تحت "حی علی خیر العمل" کو نکال دینے کا نتیجہ کیا ہوا کہ مسلمانوں کا جہاد' جہاد نہ رہا' جنگ بن گیا اسی نماز نے جنگ کو جہاد بنایا تھا اور اسی نماز کو ہٹا دیا گیا تو جہاد پھر جنگ بن گیا۔ اس لئے ایک مسلمان جب نماز پڑھ کر میدان جہاد میں آتا تھا تو وہ اللہ سے عہد کر کے آتا تھا' اللہ سے معاہدہ کر کے آتا تھا کہ ہمارا انداز جنگ دوسرا ہو گا' ہمارا انداز جنگ ظلم کو مٹا دینے کے لئے ہے' ظلم کو پھیلانے کے لئے نہیں ہے۔ یعنی اسلامی جہاد سے معنویت اور روحانیت ختم ہو گئی "حی علی خیر العمل" کے مٹا دینے سے۔ اس لئے میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کہ یہ منزل بڑی نازک ہے اور بہت زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے۔

یہ بصیرت رسولؐ کے بعد اگر کسی میں تھی تو علیؑ ابن ابی طالبؑ میں اس لئے کہ علیؑ میں اگر بصیرت نہ ہوتی تو رسولؐ یہ نہ فرماتے کہ تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا علیؑ ہے۔ اور رسولؐ کی یہ بات اتنی پکی تھی کہ وہ حضرات کہ جو علیؑ بن ابی طالبؑ کے سیاسی اعتبار سے حریف تھے ان پر بھی جب کوئی علمی مسئلہ پڑتا تو علیؑ ہی کے پاس آتے تھے۔ چنانچہ تاریخ میں ایک محترم بزرگ کا یہ جملہ کم سے کم ستر مرتبہ ریکارڈ کیا گیا ہے کہ وہ محترم فرماتے تھے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ اس کا مطلب یہ کہ سیاست کسی اور طرف تھی اور علم کسی اور طرف تھا' حکومت کہیں اور تھی علم کہیں اور تھا۔ اب افلاطون کے مقولے کو ایک مرتبہ

آپ دہرالیں۔ "اس دنیا میں امن اور سکون اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک حکومت واقتدار کو وہیں نہ پہنچادیا جائے جہاں علم ہے" تو یاد رکھئے ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اس دنیا میں امن وسکون اس وقت تک قائم نہیں ہو گا کہ جب اسی علیؑ کے وارث کے پاس حکومت واقتدار آجائے۔ اس لئے کہ خالی عقیدے کی بات نہیں ہے افلاطون کا قول عملی شکل اختیار کرے گا کہ جب عمل کے ساتھ سیاست واقتدار جمع ہو جاتا ہے' تبھی دنیا پر برکتوں کا نزول ہوا کرتا ہے۔

بس برادران عزیز۔ تو میں نے عرض کی آپ کے سامنے کہ رسولؐ کے بعد' حکومت کہیں بھی چلی جائے میں کسی پر تنقید نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ مسلمہ امر ہے کہ علم علیؑ کے پاس رہا۔ اور پھر اس کے بعد یہ منتقل ہو کر آیا حسنؑ کے پاس اور پھر اس کے بعد یہ علم منتقل ہو کر یہ بصیرت منتقل ہو کر آئی حسینؑ ابن علیؑ کے پاس۔ اور اگر یہ لامتناہی علم اور لامتناہی بصیرت حسینؑ کے پاس نہ ہوتی برادران عزیز تو کربلا کے میدان میں اسلام پر جو وقت پڑا تھا' اس کا توڑ ممکن نہ ہوتا۔ بہت مشکل تھی' میں کوئی مبالغے کی بات نہیں کر رہا ہوں' میرا یہ عقیدہ ہے کہ آدمؑ سے لے کر اور حضورؐ کے زمانے تک میں کسی نبی کی عظمت وجلالت سے معاذاللہ انکار نہیں کر سکتا لیکن جنگیں بھی ہوئیں' جہاد بھی ہوئے' بہت سے پیغمبروں کے زمانے میں جہاد ہوئے' خود حضورؐ کے زمانے میں بہت سے جہاد ہوئے' لیکن وہ جہاد اتنا مشکل نہیں تھا' جتنا جہاد مشکل تھا حسینؑ کا کیوں؟ اس لئے کہ حسینؑ سے پہلے جہاں جہاں جہاد ہو رہا تھا' وہاں وہاں کفر' لباس کفر میں تھا۔

آج لا الہ الا اللہ کے نعرے تھے اور جاہلیت کے اقدار تھے' نمازیں پڑھی جارہی تھیں اور اسلام کو مٹایا جارہا تھا' دین کے نام کے اوپر جاہلیت کے اقدار کو پھیلایا جارہا تھا' حسینؑ نے سمجھ لیا کہ میرے نانا کے دور میں حکمت عملی

اور تھی اور آج حکمت عملی بدل چکی ہے۔ وہاں کفر لباس کفر میں نظروں کے سامنے تھا اس لئے جنگ کی کامیابی یہ تھی اسلام کی راہ میں روڑا بن کر جو سامنے آجائے اس کو راستے سے ہٹادو۔ اس کا سر اڑادو۔ آج اسلام کی نقاب چہرے کے اوپر پڑی ہوئی ہے' آج ہمیں سپاہیوں کو قتل نہیں کرنا ہے بلکہ یزیدیت کو قتل کردینا ہے۔ اس لئے حسینؑ نے اپنی راہ بدل دی۔ رسولؐ آتے تھے میدان جنگ میں امکانی قوت لے کر۔ حسینؑ آئے کربلا کے میدان میں امکانی بے بسی لے کر۔ لیکن حسینؑ کربلا کے میدان میں برادران عزیز جس چھوٹے سے لشکر کو لے کر آئے۔ یہ لشکر بہت مختصر تھا بہتر (۷۲) سپاہی تھے اس لشکر میں بہتر کی تعداد بھی اس وقت پوری ہوتی ہے جب آپ ایک چھ مہینے کے بچے کو بھی میدان میں لاکر رکھ دیں۔ مگر اللہ اکبر' یہ بہتر' بہتر نہ تھے' مجھے کہنے دیجئے کائنات کا خلاصہ تھے۔ تقوے کے اعتبار سے' طہارت کے اعتبار سے' پاکیزگی نفس کے اعتبار سے' اطاعت امام کے اعتبار سے' اخلاق کے اعتبار سے' جذبہ سر فروشی کے اعتبار سے' ان کا مثل و نظیر کم از کم اس وقت روئے زمین پر نہ تھا۔ اور اسی لئے حسینؑ جب مکے سے چلے ہیں' برادران عزیز ہر جرنل اپنے سپاہیوں کی تعداد بڑھاتا ہے مگر حسینؑ قدم قدم پر اپنے سپاہیوں کو کم کرتے چلے گئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج طاقت کا مقابلہ طاقت سے نہیں ہوگا' آج طاقت کا مقابلہ کردار سے ہوگا' اس لئے حسینؑ چاہتے ہیں کہ میرے ساتھ بس وہ لوگ رہ جائیں کہ جو خلاصۂ کائنات ہیں۔ جن کے کردار کے اوپر کوئی انگلی نہ اٹھائے۔

بس برادران عزیز۔ یہ قافلہ چھٹتا جاتا ہے' چھٹتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک میں نے آپ کے سامنے عرض کی تھی روایت کہ اس منزل سے گزر گیا کہ جہاں مسلم بن عقیل کی شہادت ملی تھی۔ اب قافلہ آگے بڑھ رہا ہے کہ ایک

مرتبہ امامؑ کے ایک سپاہی نے گھوڑے کی رکابوں پر کھڑے ہو کر نظر اٹھا کر ریگستان کی طرف دیکھا اور اللہ اکبر کہا امامؑ نے پوچھا اللہ اکبر کہنے کا کیا سبب ہے؟ کہا کہ فرزند رسولؐ! یہ جنگل' یہ بیابان' یہ ریگستان' اور یہ ریگ زار۔ اور اس ریگ زار میں مجھے دور کھجوروں کے درخت دکھائی دیتے ہیں۔ امامؑ نے کہا' نہیں میرے ساتھی' میرے سپاہی' تیری نگاہ نے دھوکا کھایا ہے' یہ کھجوروں کے درخت نہیں ہیں بلکہ یہ نیزوں کی انیاں ہیں جو فضا میں لہرا رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لشکر ہے جو ہمارا راستہ روکنے کے لئے آرہا ہے۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حر ایک ہزار سپاہیوں کو لئے ہوئے امامؑ کے سامنے آگیا۔ امامؑ نے پوچھا تیرا ارادہ کیا ہے حر؟ اور حر نے بتادیا' چھپایا نہیں' کہا کہ رسولؐ کے فرزند آپ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا اور اگر آپ گرفتاری سے انکار کریں گے تو آپ سے جنگ کروں گا اور آپ کو قتل کردوں گا۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟

دیکھئے انسانیت کا کیا درس ہم کو ملتا ہے کربلا کے میدان سے۔ برادران عزیز۔ حر نے آتے ہی بتادیا کہ میں تیرے خون کا پیاسا ہوں رسولؐ کے نواسے۔ مگر حسینؑ نے بات کاٹ کر کہا کہ یہ ساری بات تو بعد میں ہو گی' حر یہ بتا کہ تیرے اور میرے سپاہیوں کے چہروں کا رنگ زرد کیوں ہے؟ یہ آنکھوں میں حلقے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ یہ جسم کانپ کیوں رہا ہے؟ کہا کہ رسولؐ کے نواسے' ہمارا پانی کا اسٹاک اور پانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے پیاس نے یہ حالت ہماری بنادی ہے۔ کہا یہ ساری باتیں بعد میں ہوں گی' پہلے تو ہم تجھے پانی پلائیں گے۔ اس کے بعد برادران عزیز امام حسینؑ نے اپنے سارے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگے بڑھو اور آگے بڑھنے کے بعد حر کے سارے سپاہیوں کو پانی سے سیراب کردو۔ اور جب انسان سیراب ہو چکیں تو جانوروں کے آگے گھوڑوں کے آگے پانی کے برتنوں کو رکھو اور امامؑ نے ہدایت

دی کہ جب تک ایک ایک گھوڑا تین تین چار چار مرتبہ پانی کے برتنوں سے منھ نہ اٹھائے اس وقت تک اس گھوڑے کے سامنے پانی نہ ہٹایا جائے۔ یزیدی فوج کا ایک سپاہی جو حر کے ساتھ تھا وہ کہتا ہے کہ مجھ پر پیاس کی شدت اتنی غالب تھی کہ امام کا ایک سپاہی بار بار مشکیزے کا دہانہ میرے دہن میں لگاتا تھا اور میں پانی گھبراہٹ میں نہیں پی پاتا تھا' جب امام نے یہ منظر دیکھا تو خود گھوڑے سے اترے اور گھوڑے سے اترنے کے بعد اپنے ہاتھ سے مشکیزے کا دہانہ درست کر کے میرے دہن میں لگایا۔ اور میں اس پانی سے سیراب ہوا۔ برادران عزیز۔ اتنا بڑا مجمع یہاں پر موجود ہے اب آپ سے سوال کروں؟ کیا لشکر یزیدی کے ان سپاہیوں میں سے کوئی سپاہی کربلا کے میدان میں موجود نہ تھا؟ یہ سپاہی کہ جن کو حسینؑ نے سیراب کر دیا تھا کیا ان میں کا کوئی سپاہی کربلا کے میدان میں موجود نہ تھا؟ جو حسینؑ کو پانی نہ پلاتا تو کم سے کم حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تو پانی پلا دیتا۔ کم سے کم سکینہ کی پیاس تو بجھا دیتا' مگر کربلا کے میدان میں خدا کی قسم عجب تضاد ہے جو کربلا کے میدان میں دکھائی دیتا ہے کہ ایک طرف انسانیت اتنی اونچی ہے کہ اس سے پہلے کبھی انسانیت اتنی اونچی ہوئی نہ تھی اور دوسری طرف اتنی پست ہے کہ اتنی پست بھی کبھی انسانیت ہوئی نہ تھی۔ بہر حال۔ اب گفتگو شروع ہوئی۔ حر نے کہا کہ مجھے ابن زیاد نے حکم دیا ہے کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں' امام نے کہا یہ نہیں ہو سکتا' بات آگے بڑھنے لگی' آخر میں بات یہاں پر پہنچی کہ اچھا تو ہم نہ کوفے کی طرف جائیں گے اور نہ مدینہ کی طرف جائیں گے ایک تیسرے راستے کی طرف چلتے ہیں جب تک ابن زیاد کی طرف سے کوئی نیا حکم نہ آ جائے۔ بس برادران عزیز۔ اب حسینؑ کا قافلہ ایک تیسری سمت کی طرف بڑھنا شروع ہوا' بڑھ رہے ہیں حسینؑ' بڑھتے بڑھتے ایک مرتبہ حسینؑ کا گھوڑا رک گیا۔ حسینؑ نے دوسرا گھوڑا بدلا وہ بھی آگے

نہ بڑھا تو اب امامؑ نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اور نظر دوڑانے کے بعد فرمایا کہ ذرا کوئی بتائے کہ اس زمین کا نام کیا ہے؟ ایک طرف سے آواز آئی کہ اے فرزند رسولؐ اس زمین کا نام ہے نینوا۔ امامؑ نے کہا کوئی اور نام ہے؟ ایک طرف سے آواز آئی کہ مولا میں نے سنا ہے کہ اس کا نام غاضریہ بھی ہے، امامؑ نے پوچھا کوئی اور نام کسی کو معلوم ہے۔ ایک طرف سے آواز آئی کہ مولا ہم نے سنا ہے کہ اسے شط فرات بھی کہتے ہیں، امامؑ نے پوچھا کوئی اور نام کسی کو معلوم ہے؟ میں کہتا ہوں بتانے والے اب خاموش ہو چلے۔ مگر ایک بتانے والے نے کہہ دیا کہ مولا ہم نے سنا ہے کہ اس زمین کا نام کربلا بھی ہے۔ بس کربلا کا نام سننا تھا کہ امامؑ نے فرمایا بس ہماری منزل تمام ہو گئی۔ یہیں ہمارے خیمے لگیں گے، یہیں ہماری قبریں بنیں گی، یہیں ہماری بہن اسیر ہو گی، یہیں خیموں میں آگ لگائی جائے گی۔

بس عزاداران حسینؑ۔ امامؑ اترے اس زمین کے اوپر۔ اسکے بعد امامؑ نے پوچھا کہ یہ زمین کس کی ملکیت میں ہے؟ بتانے والوں نے بتایا کہ یہ زمین بنی اسد کی ملکیت ہے، امامؑ نے بنی اسد کے لوگوں کو بلایا اور بلانے کے بعد کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ زمین تم سے ہم خرید لیں۔ مصلحت امامؑ ہے اس کو امام بہتر سمجھ سکتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کربلا کی زمین امامؑ نے اس لئے خرید لی کہ امامؑ پر جارحیت کا الزام نہ آئے۔ اس لئے کہ اب وہ زمین امامؑ کی ہے اب لشکر یزیدی اگر آرہا ہے تو وہ جارح ہے اس لئے کہ امامؑ کی زمین کے اندر آرہا ہے۔ بہر حال امامؑ نے وہ زمین خرید لی اور زمین خریدنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب یہ زمین ہم تمہیں واپس کرتے ہیں، یہ زمین تمہیں ہبہ کرتے ہیں مگر تین شرطوں کے ساتھ۔ بنی اسد نے کہا کہ مولا آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ زمین بھی حاضر ہے اور ہم بھی حاضر ہیں مگر ہماری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں کے اوپر قیام نہ

فرمائیں۔ کہا کیوں؟ کہا کہ ہمارے یہاں ہم جو روایات سنتے چلے آرہے ہیں وہ یہ کہ اس زمین پر جب بھی کوئی ولی خدا آیا ہے وہ مصیبتوں کا شکار ہوا۔ آپ نے فرمایا نہیں جب سے یہ زمین پیدا ہوئی ہے میرے لئے اور جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس زمین کے لئے۔ بہر حال امامؑ نے وہ زمین خریدی اور تین شرطوں کے ساتھ واپس کردی۔ بنی اسد نے پوچھا وہ شرطیں کیا ہیں؟ کہا کہ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ جب کربلا کے میدان میں عاشور کے دن ہم شہید ہو جائیں اور لشکر پسر سعد کے سپاہی اپنے اپنے خیموں میں واپس ہو جائیں تو تم آکر ہماری لاشوں کو جو زیر آسمان پڑی ہوئی ہوں گی۔ قبروں کے اندر دفن کردینا کہ ہماری لاشیں زیر آسمان عریاں نہ رہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ دوسری شرط کیا ہے؟ کہا کہ دوسری شرط یہ ہے کہ جہاں ہماری قبریں بنی ہوئی ہوں وہاں کے اوپر کاشت نہ کرنا کھیتی نہ کرنا تاکہ نشانات قبر مٹنے نہ پائیں۔ کہا مولا تیسری شرط کیا ہے؟ کہا تیسری شرط یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی زائر ہماری قبر کی زیارت کے لئے آجائے تو اسے تین دن تک اپنا مہمان رکھنا۔ میں کہتا ہوں مولا یہ تین دن کی شرط کیا ہے؟ تو شاید امامؑ فرمائیں کہ جب تین دن تک میرا زائر راحت و آرام کے ساتھ کھانا اور پانی استعمال کرتا رہے گا تو اس کو یاد آئے گا کہ جس کی زیارت کے لئے میں آیا ہوں یہ وہی مظلوم ہے کہ جو تین دن تک بھوکا اور پیاسا رکھ کر شہید کردیا گیا۔

بس عزاداران حسینؑ آخری جملہ اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ کی زحمتوں کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ برادران عزیز جیسا کہ کل میں نے عرض کیا تھا کہ آپ میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو اپنے اپنے ملکوں سے ہجرت کرکے یہاں آتے ہیں۔ آپ لوگ آئے ہوں گے یہاں برادران عزیز آپ میری تائید فرمائیں گے کسی نے زمین خریدی ہوگی کسی نے مکان خریدا ہوگا اے زمینوں کے خریدنے والو اور اے

مکانات کے خریدنے والو اتنا بتا دو کہ یہ زمینیں تم نے کیوں خریدی تھیں، یہ مکانات تم نے کیوں خریدے تھے؟ تمہارا جواب ہوگا کہ یہ زمینیں اور مکانات ہم نے اس لئے خریدے کہ ہم اس میں رہیں ہمارے بچے اس میں رہیں ان کو کوئی زحمت نہ ہونے پائے۔ تو اس کا مطلب یہ کہ دنیا میں جب کوئی زمین خریدتا ہے تو اپنے بچوں کے رہنے کے لئے زمین خریدتا ہے۔ مگر حسینؑ کربلا کے میدان میں زمین خرید رہے تھے علی اکبر کی قبر کے لئے، عباس کی قبر کے لئے، قاسم اور عون و محمد کی قبروں کے لئے۔ بس عزادارانِ حسینؑ امامؑ نے فرمایا بنی اسد سے پھر ایک مرتبہ تاکید اً کہ دیکھو کچھ ہو یا نہ ہو مگر ہماری قبروں کی تعمیر ضرور کر دینا۔ اور جب بنی اسد چلے گئے تو امامؑ نے فرمایا کہ بنی اسد کی عورتوں کو لے کر آ جاؤ۔ بنی اسد کی عورتیں آئیں تو امامؑ نے فرمایا اے بنی اسد کی عورتوں۔ دیکھو اگر تمہارے مرد پسر سعد کے خوف سے ہماری قبریں بنانے پر تیار نہ ہوں تو ان کو غیرت دلا دلا کر ہمارے پاس بھیج دینا اور کہنا کہ جاؤ اور جا کر مظلوموں کو زیرِ لحد دفن کر دو۔ اور اس کے بعد بھی امامؑ نے اکتفا نہ کی بلکہ روایت بتاتی ہے کہ اس کے بعد امامؑ نے بنی اسد کے چھوٹے بچوں کو بلایا، اپنی گودیوں میں بٹھایا اور اس کے بعد کہا کہ اے بنی اسد کے بچوں اگر تمہارے ماں باپ ہماری قبریں بنانے پر تیار نہ ہوں تو تم اتنا کرنا کہ کھیلتے ہوئے کربلا کے میدان میں آ جانا۔ کیونکہ ہماری قبریں تو نہ بن سکیں گی مگر ہاں ایک ایک مٹھی مٹی اٹھا کر ہماری قبروں پہ چھڑکتے چلے جانا، ہماری لاشوں پر چھڑکتے چلے جانا تاکہ ہماری لاشیں زیرِ آسمان عریاں نہ رہنے پائیں۔ میں کہتا ہوں مولا آپ کو اپنے دفن کا اتنا خیال ہے مگر عصرِ عاشور کے بعد آپ کی لاش پر گھوڑے دوڑ رہے تھے اور ایک بی بی فریاد کر رہی تھی کہ بھائی کے عوض مجھے پامال کر ڈالو۔"

☆☆☆

چوتھی مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

" ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرۃ من الخسرین "(آل عمران آیت ۸۵)

قبل اس کے کہ میں اس مجلس میں آپ کی خدمت میں اپنے معروضات کو پیش کروں میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں جیسا کہ میرے میزبان کمانڈر قاسم حسین صاحب نے مجھے ہدایت فرمائی ہے اور یہ ہدایت ان کی بالکل بجا ہے اور میں نے اسے قبول کر لیا ہے کہ جتنے بھی سوالات کئے جائیں گے' ان سب سوالات کا ایک ساتھ جواب ۱۱ محرم کی مجلس میں دیا جائے گا۔ کیونکہ درمیان میں جو سوالات آتے ہیں ان سے بیان کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے جو حضرات تحریری طور پر یا زبانی مجھ سے سوالات فرما رہے ہیں' ان سے گزارش ہے کہ اگر وہ اپنے جوابات سننا چاہتے ہیں تو ۱۱ محرم کی مجلس میں تشریف لائیں' اس دن مجلس بھی ہوگی اور مجلس کے بعد باہمی گفتگو بھی ہوگی۔ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیج دیں آپ حضرات۔

جو آیت میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے اس میں ارشاد پروردگار عالم ہو رہا ہے کہ کوئی بھی زمانہ ہو اور کوئی بھی دور ہو اور کوئی بھی انسان ہو اگر اسلام کو چھوڑ کر کوئی بھی انسان دوسرے دین یا مذہب کو اختیار کرے گا تو وہ دین اور وہ مذہب ہم اس سے قبول نہیں کریں گے۔ اور ایسا انسان جب آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں داخل ہوگا تو اسے خود اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ اس نے

اسلام کو چھوڑ کر اپنا شمار اس گروہ میں کرالیا تھا کہ جو نقصان اٹھانے والا تھا۔

جیسا کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ اگر انسان اوئی غور بھی کرے اور معمولی فکر بھی کرے' بہت زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ معمولی سا مطالعہ' معمولی سی نظریہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ قرآن معاذ اللہ حضور کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ کلام خدا ہے جو آپ کی زبان پر جاری ہوا۔

ایک معمولی سی بات آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل کتنے فریب ہوتے ہیں اور کتنی جعلی باتیں ہوتی ہیں۔ اب ایک انسان ایک تحریر لکھتا ہے اور بعد میں اپنی تحریر سے انکار کر دیتا ہے تو کورٹ میں بلا کر اس سے کہا جاتا ہے کہ تم کوئی کاغذ کے اوپر لکھو۔ اب ظاہر ہے کہ وہ تو اس ارادے سے لکھتا ہے کہ جیسا اس نے پہلے لکھا ہے اس سے یہ تحریر اس کی مختلف ہو۔ جان جان کے خط کو ٹیڑھا کر کے اور بگاڑ کے لکھتا ہے مگر اس کے بعد بھی جو خط شناسی کے ماہر ہیں وہ یہ بتا دیتے ہیں کہ لاکھ اس نے اپنے انداز خط سے بچنے کی کوشش کی لیکن کہیں نہ کہیں دائرے مل ہی گئے اور کہیں نہ کہیں ان تحریروں میں مشابہت پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ اگر آپ غور فرمانا چاہیں تو معمولی سی مثال ہے۔ حضور کی زبان کے اوپر قرآن کی آیتیں بھی آتی تھیں اور حضور کی زبان کے اوپر اپنے ذاتی ارشادات بھی آتے تھے' جسے آپ احادیث بھی کہتے ہیں۔ اگر قرآن مجید حضور کا کلام ہوتا' تو حضور کی حدیث کا کوئی جملہ' کوئی لفظ' کوئی تو انداز' کبھی قرآن سے مل جاتا۔ لیکن حضورؐ کے انداز کلام کا بالکل الگ ہونا اور قرآن کے اسلوب کا بالکل الگ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ زبان ایک ہے مگر کلام دو ہیں۔ کبھی ان کی زبان پر خود اپنا کلام آتا ہے

اور کبھی ان کی زبان پر اللہ کا کلام آتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن اور اہل بیتؑ میں کیا ربط ہے؟ یہ بات بھی میں آپ کے سامنے عرض کر دوں۔ قرآن اور اہل بیتؑ میں وہ ربط ہے کہ جس کے لئے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ' میں پھر ایک مرتبہ آپ کے سامنے کہہ دوں۔ خدا کا شکر ہے 'الحمد للہ' اس ہال میں سنی اور شیعہ سب موجود ہیں۔ اس لئے میں پھر کہہ دوں کہ میں کوئی بات غیر ذمہ دارانہ طریقے سے نہیں کہنا چاہتا۔ صرف وہی باتیں پیش کروں گا کہ جس سے نہ سنی انکار کر سکیں اور نہ شیعہ انکار کر سکیں۔ اس لئے کہ یہاں جو بھی آتا ہے وہ ہمارا مہمان نہیں ہے بلکہ وہ اہل بیتؑ کا مہمان ہے اور جب اہل بیتؑ کا مہمان ہے تو کوئی ایسی بات کہنا کہ جس سے اس کا دل ٹوٹ جائے۔ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے۔ میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں پڑھوں گا کہ جو اس طرح سے کنٹروورشل ہو کہ جس سے کسی کو شکایت پیدا ہو کہ یہ بات نہ کہی جاتی تو بہتر تھا' اگر میں اپنے موقف کی وضاحت بھی کروں گا تو کسی کی دل آزاری کے لئے نہیں' بلکہ ایک حقیقت کے بیان کرنے کے لئے خالص اکیڈمک طریقے سے' اس کے بعد ہر ایک کو اختیار ہے کہ چاہے وہ اس کو قبول کر لے اور چاہے قبول نہ کرے۔ تو ایک حدیث ایسی ہے برادران اسلام آپ میرے اوپر اعتبار کریں کہ جس سے کوئی صاحب نظر مسلمان انکار کر ہی نہیں سکتا' چاہے سنی ہو یا شیعہ ہو۔ مسلمہ ہے یہ حدیث کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

انی تارک فیکم الثقلین' کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی.........

مسلمانوں میں جا رہا ہوں مگر تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں' دو وزنی چیزیں' دو سنگین چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ میں آخر میں عرض کروں گا کہ یہ حضورؐ نے بھاری' وزنی اور سنگین کا لفظ کیوں استعمال فرمایا'

لیکن اس وقت دوسری بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ایک ہے قرآن اور دوسرے ہیں اہل بیتؑ جب تک ان دونوں سے چپکے رہو گے گمراہ نہ ہو گے اور ان دونوں میں جدائی نہ ہو گی یہاں تک کہ یہ دونوں ساتھ ساتھ حوض کوثر تک میرے پاس آئیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ قرآن اور اہل بیتؑ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہیں گے تو اس ساتھ رہنے کا مفہوم کیا ہے؟ برادران عزیز جب آپ غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ ہماری زبان کی تنگ دامانی ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ زبان ان کے بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ہم جب کہتے ہیں کہ دو چیزیں ساتھ ساتھ ہیں' ان دونوں میں کبھی جدائی نہ ہو گی۔ تو اس کا مطلب کیا نکلا کہ بچپنے سے لے کر ضعیفی تک یا زیادہ سے زیادہ موت کے وقت تک دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ لیکن زبان کا یہ انداز رسولؐ کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے قرآن اور اہل بیت میں مجھے ایسا ساتھ نظر آتا ہے کہ اس ساتھ کو بیان کرنے کے لئے کسی زبان میں الفاظ ہی نہیں ہیں' اس لئے کہ یہاں صورت حال یہ ہے کہ علیؑ خانہ کعبہ میں پیدا ہوتے ہیں' کتاب بظاہر ابھی لوح محفوظ میں ہے مگر آغوش رسولؐ میں وہ پہلا جملہ جو زبان علیؑ پر آتا ہے وہ تلاوت قرآن کی شکل میں آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علیؑ بتاتے ہیں کہ ہم آتے ہیں تو قرآن اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں۔ اور حسینؑ نے بعد شہادت نوک نیزہ پر اپنے سر کے ذریعہ تلاوت کر کے بتایا کہ ہم جاتے ہیں تو قرآن لے کے جاتے ہیں۔ باپ نے بتایا کہ ہم آتے ہیں تو قرآن ہمارے ساتھ آتا ہے اور بیٹے نے بتایا کہ ہمارے سر و تن میں جدائی ہوتی ہے مگر ہم میں اور قرآن میں جدائی نہیں ہوتی۔

بہر حال قرآن اور اہل بیت کا سہارا لے کر اور ذرا سا کچھ رنگ بدل کے ' اس لئے کہ نفسیاتی طور کے اوپر آئیڈیل کو ڈیل کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے تھوڑا سا لائن کو بدل رہا ہوں ' لیکن بہر حال اس لائن سے میں نہیں ہٹوں گا کہ جو لائن میرے لئے معین کی گئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمیں آج کے دور میں مذہب اور دین کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بات صحیح ہے ' کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جیسے ایک انسان ' اس کی زندگی میں مختلف دور ہوتے ہیں ' مختلف پیریڈ ہوتے ہیں۔ کبھی وہ دو برس کا بچہ ہوتا ہے ' کبھی پانچ برس کا بچہ ہوتا ہے ' کبھی بارہ برس کا بچہ ہوتا ہے ' کبھی اٹھارہ برس کا جوان ہوتا ہے ' کبھی چالیس برس کا انسان ہوتا ' کبھی پچاس اور ساٹھ برس کا بڈھا ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ اسی طرح سے ' سماج میں ' سوسائٹیز میں ' تمدن میں اور معاشرے میں ادوار ہوتے ہیں ایک قوم کبھی اپنے بچپنے کی منزل میں ہوتی ہے ' کبھی عنفوان شباب کی منزل میں ہوتی ہے ' کبھی جوانی کے دور میں ہوتی ہے ' کبھی ادھیڑ عمر تک ہوتی ہے ' تو کہنے والا کہہ سکتا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس وقت سائنٹفک رجحان جو ہے وہ یہ ہے کہ یقیناً ایک پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے عرض کرنے کا اس وقت موقع نہیں ہے لیکن جو کچھ کہہ رہا ہوں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ دنیا کے جتنے بڑے بڑے سائنٹسٹ ہیں اس وقت ' آئنسٹائن کو شامل کرتے ہوئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ وہ سب کہتے ہیں کہ محض یہی نہیں ہے کہ اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے ' جو پیدا کر کے الگ ہٹ گیا۔ نہیں ' جس نے پیدا کیا ہے وہی اس کو چلا بھی رہا ہے۔ لیکن اس وقت وہ موضوع بحث نہیں ہے۔ تو کہنے والا یہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے مانا ہم نے کہ ایک کریئیٹر ہے ' مانا ہم نے کہ ایک خالق ہے ' مانا ہم نے کہ ایک پیدا کرنے

والا ہے مانا ہم نے کہ اللہ ہے۔ لیکن اس کی طرف سے ہدایت کی اور رہنمائی کی اور گائیڈنس کی اس وقت ضرورت تھی' جب انسانیت بچپنے کے دور سے گزر رہی تھی۔ آج انسان جوان ہو چکا ہے' جب انسان بجلی سے ناواقف تھا' ایٹمک پاور سے ناواقف تھا' اخلاق کے اصولوں سے ناواقف تھا' اس وقت ٹھیک ہے انسان کو آسمانی رہنمائی کی ضرورت تھی کہ اللہ پیغمبروں کو بھیجے' اور بتائے کہ انسان اس دنیا میں زندگی کیسے گزارے لیکن آج تو نور کا زمانہ ہے' روشنی کا زمانہ ہے' ایٹم کا زمانہ ہے آج تو ہم چاند پر جا رہے ہیں' اب ہمیں آسمانی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے نہیں خبر ہے کہ آپ نے وہ کیری کیچر دیکھا یا نہیں دیکھا' لیکن نہیں بھی دیکھا تو آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ انگلش میگزین میں۔ سب کے کیری کیچر تو بنتے ہی تھے ایک فقط اللہ ہی میاں رہ گئے تھے چنانچہ ان کا بھی کیری کیچر بنایا گیا۔ کیری کیچر کیسے بنایا گیا کہ ایک بڈھا سفید داڑھی' یہاں تک کی تہبند اس کی یہاں تک لٹک رہی ہے اور منہ سے رال ٹپک رہی ہے۔ اور اس کے لئے جو..... لکھا تھا وہ یہ کہ آج کی جوان دنیا کو ایسے بوڑھے خدا کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟

تو دنیا یہ کہتی ہے کہ اب ہم خود اپنا راستہ ڈھونڈ لیں گے' ہمیں کسی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم خود اب سولائزڈ ہیں' ہمارے پاس عقل ہے' ہمارے پاس سائنس ہے' ہمارے پاس فلاسفی ہے' ہم خود اپنا راستہ ڈھونڈ لیں گے۔ برادران عزیز۔ توجہ فرمائے گا جو بات میں آپ کے سامنے کہنا چاہتا ہوں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ یہ تو کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو پیدا کیا۔ یہ تو آپ ایکسپٹ کرتے ہیں' انکار اس سے کرتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو پیدا کیا مگر اب اس کی رہنمائی کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔ ایک سوال جو میں آپ سے

کرنا چاہتا ہوں پہلے وہ یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو اس دنیا میں بھیجا ہے کہ اپنے یہاں سے نکالا ہے؟ توجہ فرمایئے گا۔ اگر اس نے نکال دیا ہے آپ کو 'نکالا کب جاتا ہے کہ جب انسان کسی سے ناراض ہو کے اس کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس سے دور کر دے۔ یہ ہے نکال دینا۔ اور ایک ہوتا ہے بھیجنا" کہ میں نے کسی آدمی کو بھیجا کہ جایئے فلاں ترکاری لے آیئے یا فلاں دوا لے آیئے یا فلاں شئے لے آیئے۔ تو بھیجنے اور نکالنے میں فرق ہوتا ہے' انسان کسی سے ناراض ہو کر کسی کو نکال دے وہ شئے دوسری ہے اور انسان کسی مقصد کے لئے دوسرے کو بھیجے' یہ انداز دوسرا ہے' جس کو نکال دیا جاتا ہے اس کی واپسی کا انتظار نہیں کرتا' جس کو بھیجا جاتا ہے اس کی واپسی کا انتظار کرتا ہے' اب قرآن کیا کہہ رہا ہے؟ کہہ رہا ہے "کل نفس ذائقة الموت" ہر انسان کو ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے مگر موت کو فنا نہ سمجھنا "ثم الینا ترجعون" "تم پھر پلٹ کر ہمارے پاس آجاؤ گے۔ تو پلٹ کر آنا بتاتا ہے کہ اللہ نے ایک پرپز کے لئے' ایک مقصد کے لئے ایک مشن کے لئے ہم کو اس دنیا میں بھیجا ہے۔ جب یہ بات طے ہو گئی برادران عزیز کہ اللہ نے ایک مشن کو پورا کرنے کے لئے ہم کو دنیا میں بھیجا ہے تو آیئے ہم خود اور آپ بیٹھ کر یہ دیکھ لیں کہ جب ہم کسی کو کسی مشن کے لئے بھیجتے ہیں تو ہمارا کانٹریکٹ اس سے ٹوٹ جاتا ہے یا ہمارا کانٹریکٹ اس سے اسٹیبلش رہتا ہے۔ آج تو راکٹ کا دور ہے' میرے سامنے میرے ایک محترم بیٹھے ہیں جو شاید آج ہی وارد ہوئے ہیں اور جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں سے تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا ایران سے آرہے ہیں میں بھی وہاں جاتا رہتا ہوں۔ ایران وہ سنٹر ہے کہ جہاں سے.... کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ جس کو میں نے دیکھا ہے خود بھی کئی مرتبہ اور انہوں نے

بھی دیکھا ہوگا اور مجھے وہاں فلم بھی دکھائی گئی۔ اپولو مشن کی جب انسان چاند کے اوپر جارہا تھا۔ اجازت دیجئے میں آپ کے سامنے عرض کر دوں' آپ بھی چاہیں دیکھ لیں' لیکن جو بات میں پوائنٹ آؤٹ کر رہا ہوں آپ کو جس بات کی طرف میں آپ کو متوجہ کر رہا ہوں اسی زاویۂ نظر سے آپ اس فلم کو دیکھے گا۔ تو انشاء اللہ وہ فلم بھی آپ کو ایک مذہب کی حقیقت تک پہنچادے گی۔ میں نے جب فلم دیکھی تو کیا۔ اف' وہ راکٹ تین منزلہ' تقریباً تین سو فیٹ اونچا' اللہ اکبر' اس ناچیز بندے میں کتنی طاقت اللہ نے دے دی ہے کہ وہ قطب مینار سے بھی اونچا راکٹ' محض ایک بٹن کے دبا دینے کے اوپر گرجتا ہوا اور گڑگڑاتا ہوا زمین سے فضا کی طرف روانہ ہوا' پہلے چلا' بڑھا' اڑا' اور ایک منزل پر پہنچنے کے بعد اس کا ایک اسٹیج' فرسٹ اسٹیج' آپ سے آپ کٹا اور کٹ کے زمین پر گرا' اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ جب میرا فریضہ پورا ہو جائے تو چپکے رہنے سے مسائل پیدا ہوں گے' مسائل حل نہیں ہوں گے جب اس کا کام ختم ہو گیا اور اس نے خدا حافظ کہہ کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ زمین کے اوپر گر گیا' اب دوسرے اسٹیج نے اپنا کام شروع کیا' اس نے اس کی اسپیڈ کو اور بڑھایا' اس کو اور بلندیاں دیں' جب اس کا فریضہ ختم ہو گیا تو وہ بھی کٹ کے الگ ہو گیا' اب دوسرے اسٹیج نے اپنا کام شروع کیا' اس نے اس کی اسپیڈ کو اور بڑھایا' اس کو اور بلندیاں دیں' جب اس کا فریضہ ختم ہو گیا تو وہ بھی کٹ کے الگ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک منزل وہ بھی آئی کہ جب تیسرا اسٹیج' وہ بھی جدا ہو گیا۔ اب یہ سب میں اپنی نظروں سے دیکھ رہا ہوں' اب گویا روانگی کی تیاری ہو گئی چاند کی طرف جانے کے لئے۔ لیکن روانگی سے پہلے اس اسپیسو نے یہ مناسب سمجھا کہ زمین سے رخصت ہو رہا ہے کم سے کم ایک رخصتی طواف تو کر لے۔ تو اس

نے زمین کے چاروں طرف ایک چکر لگایا' خدا کی قسم جب چاہے گا آپ اس
فلم کو ملاحظہ کر لیجئے گا۔ اب اس کے بعد وہ روانہ ہوئے چاند کی طرف' کشتی
اسپیڈ؟ آپ کو معلوم ہے' چاند کا سفر' دنیا کے ذہین ترین لوگ اس اسپیس کے
اندر موجود ہیں' توجہ فرمایئے گا' اور جب فلم آئے آپ دیکھ لیجئے گا' میں نے
اپنی آنکھوں سے یہ بات دیکھی کہ دنیا کے ذہین ترین لوگ اور میں نے تماشا یہ
دیکھا کہ ہر دو تین منٹ کے بعد وہ "ناسا" سے اپنا کانٹریکٹ کرتے ہیں اور
کانٹریکٹ کرنے کے بعد اپنی پوزیشن بتاتے ہیں' اور پوزیشن بتانے کے بعد
وہاں سے ڈائرکشن لیتے ہیں کہ اب ہم کیا کریں؟ مرکز سے' جہاں سے وہ چلے
ہیں وہاں سے ان کو ڈائرکشن دیا جاتا ہے اب تم یہ کرو' اب ادھر جاؤ' اب ادھر
جاؤ' اب یہ بٹن دباؤ اب وہ بٹن دباؤ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیج دیں۔"

تو برادران عزیز آپ' پھر میں گفتگو کر رہا ہوں کہ آپ ایسی فلم
دیکھیں اور ضرور دیکھیں' تو میں نے کیا دیکھا کہ جب وہ چاند کی طرف روانہ
ہوئے تو ہر دو تین منٹ کے بعد انہوں نے ناسا سے اپنا کنٹریکٹ کیا' اپنی
پوزیشن بتائی اور وہاں سے ڈائرکشن لیا اور جو ڈائرکشن ملا اسی کے مطابق انہوں
نے عمل کیا' میرے پہلو میں مثلاً ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے' میں نے ان
سے کہا بھائی' یہ دنیا کے موسٹ انٹلی جنٹ' جو چاند کی طرف سفر کر رہے ہیں'
ان کو چاند تک جانے کے لئے اپنا راستہ خود ڈھونڈ لینا چاہئے' یہ بار بار ناسا سے
کیوں کانٹریکٹ کر رہے ہیں کہ جہاں سے یہ روانہ ہوئے ہیں' جو ان کو کنٹرول
کر رہا ہے' آپ یقین کیجئے' تو میرے اس دوست نے جواب دیا کہ جناب والا' یہ
جانتے ہیں کہ ان کا اگر اس مرکز سے رابطہ ٹوٹ گیا کہ جہاں سے ان کا سفر
شروع ہوا ہے تو یہ اس خلاء میں ایسے کھوئیں گے کہ ان کے جنازے بھی نہ

ملیں گے' اس لئے بلندی پر آنے کے باوجود ان کا دماغ صحیح ہے' یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بلندیوں پر آگئے ہیں' ہم اونچائی پر آگئے ہیں' لیکن جہاں سے ہم کو بھیجا گیا ہے اگر وہاں سے ہمارا کانٹریکٹ ٹوٹ گیا تو ہمارے لئے سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ زمین کی پستی سے آسمانوں کی بلندیوں پر جانے والے بھی یہ بات جانتے ہیں کہ جب ان کو کسی مشن کے تحت بھیجا جارہا ہے تو ان کو اس مرکز سے کانٹریکٹ و رابطہ ضروری ہے کہ جہاں سے ان کو بھیجا گیا ہے اور اگر یہ کانٹریکٹ ٹوٹ جائے گا تو ان کے لئے ہلاکت کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں' جب اس آسمان پر جانے والے زمین سے اپنا رابطہ توڑنے کے بعد ہلاکت سے نہیں بچ سکتے ہیں تو وہاں سے یہاں آنے والے اگر آسمان ہدایت سے اپنا رابطہ توڑلیں گے تو وہ ہلاکت سے کب بچ سکتے ہیں؟ صلواۃ......"

یہ آپ جو نماز پڑھتے ہیں' یہ کیا ہے؟ دنیا کی رنگینیاں ہر طرف سے بہکانے کے لئے آپ کو تیار ہیں اس لئے اسلام نے آپ کے لئے یہ اصول بنایا کہ دن میں کم سے کم پانچ مرتبہ تمہارا ہمارا کانٹریکٹ ہو جائے۔ آپ جب نماز کی نیت کرکے اللہ اکبر کرتے ہیں تو کیا ہے؟ گویا کہ اس سسٹم پر آکر بیٹھ جاتے ہیں کہ جو آپ کو آپ کے خدا سے ملادے اور اس کے بعد آپ شروع ہوتے ہیں: "بسم اللہ الرحمن الرحیم' الحمد للہ رب العالمین' الرحمن الرحیم' مالک یوم الدین" یہ گویا کہ جو سسٹم ہے کہ جو کام کررہا ہے' آپ میں اور آپ کے پیدا کرنے والے میں کانٹریکٹ پیدا کردینے کے لئے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے ہی "آپ مالک یوم الدین" پر پہنچتے ہیں' ویسے ہی آپ کا کانٹریکٹ قائم ہو جاتا ہے۔ ابھی تک

آپ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو رحمٰن ہے' جو رحیم ہے جو دین کے دن کا مالک ہے اور یہاں تک پہنچے تھے کہ اس سے اور آپ سے اسٹیبلش ہو گیا آپ کا کانٹریکٹ اور اب فوراً گفتگو شروع ہو گئی "ایاك نعبد وایاك نستعین" پالنے والے ہم تیری عبادت کرتے ہیں تجھ سے مدد چاہتے ہیں" "اهدنا الصراط المستقیم" جیسے وہ چاند پر جانے والے ہر دو تین منٹ کے بعد اپنے مرکز سے رابطہ قائم کر کے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں ڈائرکٹ کیجئے کہ ہم کدھر جائیں' ویسے ہی مسلمان کو بتایا جاتا ہے کہ دن میں دس مرتبہ تو اپنے پروردگار سے ڈائرکشن لے کہ پالنے والے تو ہمیں صحیح راستے کی ہدایت کر' اس لئے کہ اگر تو ہمیں صحیح راستے کی ہدایت نہیں کرے گا تو ہم گمراہی سے بچ نہیں سکتے۔

اب ایک ہی تقریر میں' ایک ہی گھنٹے کے اندر اندر مجھے کتنا سمیٹنا پڑتا ہے آپ کو خود اس بات کا اندازہ ہو رہا ہو گا۔ تو اب اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان بغیر مذہب 'بغیر دین' کے 'بغیر آسمانی رہنمائی کے اس دنیا میں اپنا راستہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اور پیدا کر سکتا ہوتا تو اب تک پیدا کر لیا ہوتا۔ اور پیدا کر لیا ہوتا تو آج امن کے ریزرویشن پاس نہ ہو رہے ہوتے۔ تو اب مذہب کے بغیر تو انسان کے پاس کوئی چارہ نہیں' تو اب مذہب کے بغیر کوئی چارہ نہیں' وہ ایک آدمی جو لامذہب تھا' میں نے اسے قائل کر دیا کہ مذہب کے بغیر تمہارا کوئی چارہ نہیں ہے اس نے کہا ٹھیک ہے میں مذہبی ہوا جاتا ہوں' اب یہ کہہ کے کہ میں مذہبی ہو جاتا ہوں وہ مصیبت میں پھنسا اس لئے کہ اب مذہبوں کی ریل پیل' ایک طرف ہندو مت اور مختلف مذاہب ہیں' ایک طرف اسلام ہے اور سب کہہ رہے کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ اگر ادھر گئے تو محنت پر تمہاری پانی پھر گیا' جہنم سے نہ بچ سکو گے' رضوان

تم کو نہیں ملے گا۔ ہمارے پاس آجاؤ۔ اب یہ بیچارہ مذہب سے جو وابستہ ہوا یہ کدھر جائے' ہندو کہتے ہیں ہندو ہو جاؤ' مسلمان کہتے ہیں مسلمان ہو جاؤ' کرسچن کہتے ہیں کہ کرسچن ہو جاؤ جینی کہتے ہیں جینی بن جاؤ۔ یہ بیچارہ کیا کرے؟ تو میں نے تو آپ سے وعدہ کیا ہے کہ میں کوئی بات ایسی نہیں کہوں گا کہ جس سے کسی کا دل ٹوٹے۔ بڑی خار دار وادی سے مجھے گزرنا ہے دامن بچا کے۔ اچھا۔ اب میں نے سارے مذہب والوں سے ایک سوال کیا کہ یہ بتایئے کہ آپ کے مذہب کا مقصد کیا ہے؟ تو جتنے مذہب ہیں' چاہے ہندو مذہب ہو' چاہے جین مذہب ہو' چاہے کرسچیں ہوں' چاہے بودھ ہوں' چاہے مسلمان ہوں' سب نے ایک ہی جواب دیا' یہاں پر کوئی اختلاف نہیں ہے' جب میں نے ہر مذہب والے سے پوچھا تو ان کا جواب ایک ہی ملا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم انسان کو خدا تک پہنچا دیں۔ کیوں صاحب اس سے انکار تو نہیں ہے؟ ہر مذہب کا جواب یہی ہوگا کہ ہمارا کام ہے کہ ہم انسان کو خدا تک پہنچا دیں۔ بے شک صحیح بات ہے' مجھے کسی کو رفیوز نہیں کرنا ہے' مجھے کسی کی تردید نہیں کرنا ہے' ہر مذہب کا یہ دعویٰ قابل قبول کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان کو خدا تک پہنچا دے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مذہب وہ وسیلہ ہے' وہ ذریعہ ہے' وہ سواری ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اب حضور سواریاں ہوتی الگ الگ طرح کی اگر سواریوں کی ورائٹیز آپ کو دیکھنا ہے تو آپ ہندوستان تشریف لے چلئے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مجلسیں پڑھنے والے خالی ہوائی جہازوں ہی پر اڑے اڑے پھرا کرتے ہیں۔ یہ تو یوروپ اور امریکہ میں ہے کہ جہاں بے شک ہوائی جہاز ہم لوگوں کو سفر کے لئے ملتے ہیں۔ لیکن یہ بات آپ کے سامنے اپنی طرف سے عرض نہیں کر رہا ہوں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں اب بھی یعنی دنیا کی کوئی سواری ایسی نہیں

ہے کہ جس پر اس فقیر کو بیٹھنے کا شرف حاصل نہ ہوا ہو۔ بیل گاڑی پر میں بیٹھ چکا ہوں' بھینسے پر میں سوار ہو چکا ہوں' گدھے پر بحمد للہ میں بیٹھ چکا ہوں' گھوڑے پر میں بیٹھ چکا ہوں' اب مجلسیں پڑھنے کے لئے ظاہر ہے کہ جہاں کوئی سواری نہیں ہے تو کیا کیا جائے' انکار تو نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ایک گزارش آپ سے کروں گا' بس سمجھ لیجئے بات کو۔ حضور گدھے پر بیٹھ جایئے' گھوڑے پر بیٹھ جائے' بھینسے پر بیٹھ جایئے' مگر خدا کے لئے کبھی اونٹ پر نہ بیٹھئے۔ میں ایک ہی دفعہ اونٹ پر بیٹھا ہوں۔ ایک جملہ عرض کروں گا اگر سمجھ سکیں آپ تو سمجھ لیں۔ کسی سواری پر مجھے وہ زحمت نہیں ہوئی جو اونٹ پر ہوئی' اونٹ پر بیٹھا تو "نانی" یاد آ گئی۔ کسی سواری پر بیٹھئے گا مگر بھولے سے کبھی اونٹ پر تشریف فرما ہونے کی زحمت گوارا نہ کیجئے گا۔ اچھا فرض کیجئے کہ میں ہندوستان میں تو پیدا ہی ہوا ہوں اور وہیں مجھ کو واپس جانا ہے۔ اچھا فرض کیجئے کہ میں۔ ابھی ہندوستان میں واقعی بہت سے علاقے پائے جاتے ہیں جہاں سائنس کی روشنی ذرا بھی نہیں ہے۔ یہ یقین مانئے آپ' جنہوں نے ابھی تک ہوائی جہاز دیکھا ہی نہیں کہ ہے کس چڑیا کا نام۔ اب فرض کیجئے میں ایسے علاقے کا تھا' بیک ورڈ علاقے کا' آ گیا مثلاً دہلی' اب دہلی سے جانا تھا مجھے بمبئی' لوگوں نے کہا کہاں سے آپ نکل کر آئے ہیں' ارے دنیا نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی' بجلی ہے' یہ ہے' وہ ہے' سب میرے سامنے تعریفیں ہوتی رہیں اب مجھے دہلی سے جانا پڑا فرض کیجئے بمبئی۔ مجلس میں نے پڑھی اور مجلس میں میں نے اعلان کر دیا کہ کل مجھے جانا ہے دہلی سے بمبئی' جن صاحب کے پاس جو سواری ہو وہ میرے پاس لے کر آ جائیں۔ توجہ رکھئے گا' چاہنے والے لوگ تھے' صبح کو کسی نے کنڈی ہلائی دروازے کی' میں باہر نکلا' مولانا صاحب آپ نے کل کہا تھا کہ آپ کو بمبئی جانے کے لئے سواری چاہیے ہے'

ہمارے پاس جو سواری ہے وہ ہم لے کر آگئے' میں نے پوچھا کون سی سواری ہے آپ کے پاس؟ دیکھا گدھے کا کان پکڑے کھڑے ہیں' کہنے لگے آپ اس پر بیٹھیے اور بمبئی چلے جایئے میں نے کہا' اچھی بات ہے' آپ چھوڑ دیجئے یہاں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور صاحب تشریف لائے انہوں نے کہا کل آپ نے مجلس میں اعلان کیا تھا کہ آپ کو سواری چاہئے بمبئی جانے کے لئے' یہ سواری موجود ہے' میں نے کہا کیا سواری آپ کے پاس؟ کہا' یہ بیل گاڑی موجود ہے' میں نے کہا' اس کو بھی چھوڑ دیجئے۔ ایک صاحب اور آئے' گھوڑا لئے ہوئے میں نے کہا' اس کو بھی چھوڑ دیجئے۔ ایک اور صاحب آئے فرض کیجئے موٹر سائکل لئے ہوئے' کہنے لگے اس پر آپ بیٹھ کر چلے جایئے جلدی پہنچ جایئے گا' میں نے کہا اس کو بھی چھوڑ دیجئے ایک صاحب اور آئے وہ ہندوستان میں بنی ہوئی امبیسڈر کار لئے ہوئے کہ اس پر تشریف فرما ہو کر' اس گاڑی میں ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں ہارن کبھی نہیں بولتا ہے گاڑی خود ہی بولتی ہے۔ ایک صاحب نے ٹرین کا ٹکٹ لا کر دے دیا کہ گاڑی پر سوار ہو یئے دتی اسٹیشن سے بمبئی پہنچ جایئے۔ ایک اور صاحب آئے انہوں نے کہا صاحب کہاں کی آپ باتیں کرتے ہیں آج تو ہوائی جہاز کا زمانہ ہے۔ یہ لیجئے انڈین ایرلائنس کا ٹکٹ اور گھنٹہ' سوا گھنٹہ کے اندر آپ بمبئی پہنچ جایئے۔ اچھا برادران عزیز۔ اب یہ بتایئے کہ یہ ساری سواریاں جو میرے پاس موجود ہیں گدھا' گھوڑا' بیل گاڑی' موٹر سائیکل' موٹر' ریل' ہوائی جہاز' یہ سب مجھے بمبئی تو پہنچا دیں گے' سوال خالی ٹائم کا ہے' بیل گاڑی پر بیٹھوں گا تو انشاء اللہ آٹھ' نو مہینے میں پہنچ جاؤں گا بمبئی۔ گدھے پر بیٹھوں گا' چھ سات مہینے میں پہنچ جاؤں گا گھوڑے پر بیٹھو گا مثلاً دو مہینے میں پہنچ جاؤں گا۔ موٹر سائکل سے جاؤں گا' چھ سات دن میں پہنچ جاؤں گا۔ ٹرین سے جاؤں گا' تیس بتیس گھنٹے میں پہنچ

جاؤں گا۔ اور ہوائی جہاز سے جاؤں گا تو سوا گھنٹہ میں ڈیڑھ گھنٹے میں لینڈ کر جاؤں گا بمبئی۔ تو یہ ساری سواریاں بمبئی پہنچا دینے کے لئے کافی ہیں اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر یہ بتایئے کہ ان سواریوں کا فلڈ جو میرے سامنے موجود ہے جس میں گدھا بھی ہے گھوڑا بھی ہے' بیل گاڑی بھی ہے' کار بھی ہے' موٹر سائیکل بھی ہے ٹرین بھی ہے اور پلین بھی ہے' میں کس سواری کو اختیار کروں گا؟ توجہ چاہتا ہوں؟ یہ ساری سواریاں ہم کو بمبئی تو پہنچا دیں گی۔ مگر میں کون سی سواری کو چنوں گا' سلکٹ کروں گا' تو اگر میرے سر کے اندر گدھے کا دماغ لگا ہوا ہے تو گدھے پر بیٹھ جاؤں گا' اگر بیل واقع ہوا ہوں اس زمانے میں تو بیل گاڑی کو منتخب کروں گا۔ لیکن اگر میں ذہین انسان ہوں اور میرے نزدیک وقت کی کوئی قیمت ہے' تو میں ساری سواریوں کو چھوڑوں گا' پلین کا ٹکٹ لوں گا' ہوائی جہاز پر بیٹھوں گا' ڈیڑھ گھنٹہ کے اندر بمبئی میں اتر جاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ساری سواریاں انسان کو اس کی منزل تک پہنچا دینے والی موجود ہوں تو ہمیشہ وہ اس سواری کو چنتا ہے' جو اس کو جلد سے جلد اس کی منزل تک پہنچا دے۔

برادران عزیز۔ مذہب تو سب خدا تک پہنچا دینے والے ہیں لیکن آج کے دور میں ہم کو وہ مذہب چاہئے ہے کہ جس ....

ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیج دیں آپ حضرات۔"

تو اب اس کا مطلب یہ کہ..... دشوار منزل ہے کہ کسی کا دل نہ ٹوٹنے پائے۔ اب میں لے چلا تھا دنیا کو کھینچ کر اسلام کی طرف' یہاں جو آیا تو اور مصیبت ہے' اور پریشانی میں پڑا بیچارہ وہ مذہب کو اختیار کرنے والا' توبہ کرنے والا توبہ کرنے لگا حضور' کس مصیبت میں پھنسا لیا آپ نے۔ اب میں اسلام کے دروازے پر لے کر آیا تو ایک مسجد دکھائی دی اور اس پر یہ لکھا ہوا کہ یہ بریلویوں

کی مسجد ہے' ایک مسجد دکھائی دی' یہ اہل حدیث کی مسجد ہے' ایک مسجد دکھائی دی' یہ اہل سنت والجماعت کی مسجد ہے' ایک مسجد دکھائی دی کہ یہ شیعہ حضرات کی مسجد ہے' مطلب یہ ہے کہ اب مسجدیں شیعوں کی ہیں' سنیوں کی ہیں' بریلویوں کی ہیں' دیوبندیوں کی ہیں' اہل حدیث کی ہیں مگر خدا کی مسجد اب کوئی نہیں ہے۔ پابندیاں لگی ہوئی ہیں' یہ اسلام کا حال ہے'........ اس لئے کہ اسلام کے نہ معلوم کتنے فرقے' اور ہر فرقہ کے عالم دین کو یہ فکر کہ میں جنت میں جاؤں یا نہ جاؤں لیکن دوسرا جہنم میں ضرور چلا جائے۔ جی۔ غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں آپ کے سامنے' یہ بھی بڑی مصیبت ہے' جس سے پوچھا اس نے کہا وہ جہنمی' جس سے پوچھا اس نے کہا وہ جہنمی' جس سے پوچھا' ارے کوئی جنتی بھی ہے نتیجہ تو یہی نکلتا ہے کہ سب جہنمی ہیں۔ جی۔ اب کیا ہو؟ وہی منزل پھنسی یہاں کے اوپر' یہاں تو ہر فرقے کی نمائندگی ہے۔ حسینؑ تو سب کے ہیں اور جب حسینؑ سب کے ہیں تو میں کسی کا دل نہیں توڑ سکتا۔ تو میں کیسے کہوں کہ شیعہ جائیں گے جنت میں اور سنی جائیں گے جہنم میں' وہ بھی چلیں ہمارے ساتھ ساتھ جنت کوئی چھوٹی سی جگہ تو ہے نہیں کہ جہاں ہاؤسنگ پرابلم ہو جائے وہ بھی چلیں شوق سے چلیں' میں کیسے کہوں کہ سنی جائیں گے جنت میں اور شیعہ نہیں جائیں گے جنت میں' یہ بھی چلیں' میں کون جنت میں ہوتا ہوں ڈھکیلنے والا۔ لیکن میں پھر کہتا ہوں آپ کے سامنے کہ میں ایک ایسی بات کہوں گا جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ دیکھئے جو حدیث میں نے اس وقت آپ کے سامنے پیش کی تھی' اس حدیث سے کوئی شیعہ اور سنی انکار نہیں کر سکتا۔ میری ذمہ داری ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں' ایک ہے قرآن اور ایک ہیں اہل بیت۔ جب تم ان

دونوں سے وابستہ رہو گے' ان دونوں کا دامن تمہارے ہاتھ میں رہے گا' تم بھٹکنے نہیں پاؤ گے تم جہنم میں گرنے نہیں پاؤ گے اب میں سوچا کرتا تھا کہ حضورؐ نے یہ کہا ہوتا کہ دو حبل متین ہیں جنہیں چھوڑ کے جا رہا ہوں ان کو پکڑے رہو جنت تک پہنچ جاؤ گے۔ یہ فرمایا ہوتا کہ دو چراغ ہیں جو تمہارے سامنے روشن کر کے جا رہا ہوں ان کی روشنی میں جنت میں چلے آنا۔ دو راستے ہیں ان سے گزرتے ہوئے ہم تک آجانا۔ یہ کچھ بھی نہیں کہا جا رہا ہے۔ کہا کیا جا رہا ہے؟ ثقلین۔ ثقلین کے معنی کیا ہیں؟ بھاری۔ دیکھئے یہی اسلام کی وہ چیزیں ہیں خدا کی قسم کہ جس کی وجہ سے اسلام کبھی پرانا نہیں ہو سکتا' جس کی وجہ سے اسلام پر کبھی کہنگی نہیں آسکتی۔ جناب حضورؐ کی یہ حدیث موجود ہے کہ تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں' اچھا اب نجات کون پائے گا مسلمان' کوئی مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جنت تک پہنچے گا انسان مگر ایک پُل پر سے گزر کے۔ جس کا نام ہے صراط' اور یہ پُل ہے جہنم کے اوپر' جی اب ساری دنیا کو اس پر سے گزرنا ہے تو میں سمجھا ہو گا کوئی سو میل چوڑا یہ پُل' مگر معلوم ہوا کہ پُل بال سے زیادہ باریک ہے اے بھیا تو اب ذرا انصاف سے یہ بتائیے کہ اس پُل پر سے ہم اور آپ کیسے گزریں گے' اس پر ہمارا کیسے بیلنس قائم رہے گا۔ ہم کیسے اپنا توازن اس پر برقرار رکھیں گے' ہم کیسے گزریں گے اس پُل کے اوپر سے کہ جو اتنا زیادہ باریک ہے کہ جس پر پیر کا ٹکانا ہی ممکن نہیں ہے۔ اب میں نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں' یہ مسئلہ آج حل ہوا' آج۔ میں اپنے میزبان کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا اور ان کے سامنے ایک کے اوپر ایک کھلونا رکھا ہوا تھا۔ میں نے کہا جی' آپ کے اس کھلونے کو دیکھ کر ایک مسئلہ حل ہو گیا۔ اور مجلس کے

لئے مجھے ایک نقطہ مل گیا وہاں تو میں نے ان سے بتایا نہیں اب آپ سے بتاتا ہوں اب وہ کھلونا کیا تھا؟ مجھے معلوم نہیں کوئی اسپیشل نام اس کا ہوگا لیکن مجھے معلوم نہیں' لیکن آپ سمجھ لیں گے' بہت سی جگہوں پر میں نے اس طرح کے کھلونے دیکھے ہیں۔ مثلاً ایک انسان کا مجسمہ بنا ہوا ہے چھوٹا سا' لیکن اس کے پاؤں نہیں ہیں' ہاتھ ہیں ایک طرح سے دو۔ پاؤں نہیں ہیں' پاؤں کی جگہ پر ایک پتلی سی شکل میں آخر میں ایک پوائنٹ آجاتا ہے۔ اور وہ پوائنٹ جو ہے اسی طرح سے ایک مثل کا اسٹینڈ ہے اس پر ٹکا ہوا ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک اتنا سا پوائنٹ' اتنا سا ایک باریک سوئی کی نوک کے برابر پوائنٹ' اور اس کے اوپر پورا وہ انسان کا مجسمہ' یہ ٹکا کیسے اس کے اوپر؟ اور ٹکا بھی یوں ہی ہے کہ سے آپ دھکیلئے تو وہ جھولے گا مگر گرے گا نہیں' آپ دیکھ لیجئے گا اگر آپ کے گھر میں موجود ہے یہ کھلونا کیا سسٹم ہے؟ اس میں سسٹم صرف اتنا ہے کہ اس کے دو جو ہاتھ آپ کو دکھائی دے رہے ہیں جب آپ غور کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں دو برابر کے ویٹ لگے ہوئے ہیں' اور اسی ویٹ کے ذریعہ سے اس کا بیلنس قائم ہے۔ اسی ویٹ کے ذریعہ سے اس کا توازن قائم ہے۔ اچھا آپ اس کے دونوں ہاتھوں سے یہ ویٹ ہٹا دیجئے' ایک سکنڈ وہ نہیں ٹک سکتا' ایک ہاتھ میں ویٹ دے دیجئے' نہیں ٹکے گا' دوسرے ہاتھ میں ویٹ دے دیجئے اب بھی نہیں ٹکے گا۔ جب دونوں ہاتھوں میں دو برابر کے ویٹ دیں گے تب اس میں بیلنس پیدا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باریک راستے پر بیلنس اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا ہے جب تک دونوں ہاتھوں میں دو برابر کے ویٹ اور وزن نہ ہوں۔ رسولؐ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو صراط پر سے گزرنا پڑے گا۔ اس صراط پر مسلمان کا بیلنس اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب ایک ہاتھ میں قرآن کا وزن

ہو اور دوسرے ہاتھ میں اہل بیتؑ کا دامن ہو۔ صلوٰۃ....."

بس برادران عزیز۔ یہ قرآن اور یہ اہل بیتؑ اور یہی مسلمانوں کا سرمایہ ہیں۔ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں اہل بیتؑ کا دامن۔ اور قرآن و اہل بیتؑ میں ربط کیا ہے؟ قرآن اور اہل بیتؑ میں ربط یہ ہے کہ جو اہل بیتؑ کہتے ہیں وہی الفاظ کی شکل میں ڈھلتا ہے تو قرآن کی آیت بن جاتا ہے۔ اور قرآن کی آیت کا جو مفہوم ہوتا ہے وہی جب کسی کردار کی شکل میں ڈھلتا ہے تو اہل بیتؑ کی صورتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک اہل بیتؑ کے کردار کا آیات کی شکل میں ظہور اور دوسرے کی حیثیت کہ قرآن مجید کی آیات عملی تفسیر کی شکل میں اہل بیتؑ کے کردار میں۔ نہ یہ اس سے جدا ہو سکتے ہیں اور نہ وہ ان سے جدا ہو سکتے ہیں۔ مگر رسولؐ نے کیا فرمایا ہے کہ جو اہل بیتؑ کے قصیدے پڑھے گا وہ نجات پا جائے گا۔ ٹھیک ہے وہ ضروری ہے' میں اس کے ضروری ہونے سے انکار نہیں کرتا مگر رسولؐ نے ایک جملہ فرمایا ہے کہ "ما ان تمسکتم بهما" تعریف کرنے کو نہیں کہہ رہے ہیں' حفظ قرآن کے لئے نہیں کہہ رہے ہیں' بلکہ فرما رہے ہیں کہ جب تک تم ان دونوں سے وابستہ نہ ہو جاؤ۔ اب وابستہ ہونے کی بات دوسری ہے' بس ایک مثال اور دے دوں اور بات واضح ہو جائے۔ وابستہ ہونے کی بات کیا ہے؟ جناب ایر پورٹ پر اتر' کاؤنٹر پلین میرے سامنے کھڑا ہوا تھا' میں نے اس کی خوبصورتی کی' اس کی اسپیڈ کی' اس میں انجینیرنگ کا جو کارنامہ دکھایا گیا ہے اس کی تعریف کرتا رہا' کیا پلین بنایا ہے صاحب ایسا خوبصورت پلین تو اب تک بنا ہی نہ تھا اتنا بہترین پلین تو بس تعریفیں کر رہا ہوں اور وہ جہاز میرے سامنے واشنگٹن کے لئے یا نیویارک کے لئے روانہ ہو گیا' تو کیا تعریفیں کرنے سے میں بھی واشنگٹن پہنچ جاؤں گا؟ وہ جہاز پہنچ جائے گا میں نہیں پہنچوں گا نہ واشنگٹن پہنچوں گا۔ نیویارک اور واشنگٹن

میں کب پہنچوں گا کہ جب ٹکٹ خرید کے اس پلین پر سوار ہو جاؤں' جب پلین میں میں سوار ہو گیا تو میرا وجود اب ختم ہو گیا۔ تو جہ رکھئے گا۔ اب میرا وجود ختم اب اگر وہ پلین کھڑا ہوا ہے تو میں بھی کھڑا ہوا ہوں' وہ پلین چل رہا ہے میں بھی چل رہا ہوں' وہ پلین ادھر مڑا میں بھی مڑ گیا' وہ پلین ادھر مڑا میں بھی مڑ گیا۔ وہ پلین کھڑا ہوا ہے تو میں بھی کھڑا ہوا ہوں' وہ پلین چل رہا ہے میں بھی چل رہا ہوں' وہ پلین ادھر مڑا میں بھی مڑ گیا' وہ پلین ادھر مڑا میں بھی مڑ گیا۔ وہ پلین اوپر اٹھا میں بھی اٹھ گیا' وہ پلین نیچے جھکا میں بھی جھک گیا' وہ رن وے پر دوڑا میں بھی دوڑ رہا ہوں کیا مطلب؟ پلین پر سوار ہونے کے معنی کیا ہیں؟ کہ اب ہماری حرکت و سکون اس پلین کے تابع ہو گئی۔ جدھر وہ جا رہا ہے ادھر میں جا رہا ہوں' جدھر وہ مڑ رہا ہے ادھر مڑ رہا ہوں' جہاں رک رہا ہے وہاں رک رہا ہوں' جہاں وہ بڑھ رہا ہے وہاں بڑھ رہا ہوں۔ تو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ تم قرآن اور اہل بیتؑ سے تمسک کرو' یعنی تمہاری حرکت اور سکون قرآن اور اہل بیتؑ کی تابع ہو جائے۔ جدھر جدھر قرآن چلے' جدھر جدھر اہل بیتؑ چلیں' ادھر ادھر تم چلو' جہاں یہ رک جائیں وہاں رک جاؤ' جہاں سے یہ بڑھ جائیں وہاں سے بڑھ جاؤ۔ جہاں سے مڑ جائیں وہاں سے مڑ جاؤ۔ اور بس برادران عزیز' مثال کو پورا کر دوں وقت ختم ہو رہا ہے' آپ کے یہاں تو نہیں ہو گا لیکن جو حضرات ہندوستان سے تشریف لاتے رہتے ہیں انہوں نے برابر ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ جب آپ انڈین ایرلائنس کے کسی پلین میں سوار ہوں تو آپ کو ایک آدھ مچھر سے ضرور سابقہ ہو گا۔ ایک آدھ مکھی آپ کو اڑتی ہوئی ٹہلتی ہوئی ضرور دکھائی دے گی۔ جی۔ اب میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں میں پلین میں سوار ہوا' بمبئی میں' دہلی مجھے آنا ہے' ایک مکھی موجود ہے اس کے اندر' مکھی گندی چیز ہے نا۔ بے وقعت' یہاں تو بیچاری کو جان بچانا مشکل

ہو جائے۔ یہاں اور وہاں کے ماحول میں اتنا فرق ہے کہ یہاں اگر مکھی دکھائی دے جائے تو اس مکھی کا جان بچانا مشکل ہے وہاں ہم کو مکھی سے جان بچانا مشکل ہے ہر جگہ موجود ہے۔ اچھا اب وہ مکھی آئی پلین کے اندر گندی ہے نا کوئی قیمت نہیں ہے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے مار ڈالنے کے لائق۔ لیکن آپ اتنا مجھے بتاویں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مکھی جب جہاز کے اندر آکے بیٹھ گئی۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ پلین تو بمبئی سے اڑ کر دہلی پہنچ جائے اور وہ مکھی بمبئی میں رہ جائے؟! اگر وہ پلین دہلی پہنچ گیا ہے تو مکھی بھی دہلی پہنچ جائے گی۔ جب میں نے یہ منظر دیکھا تو میری آنکھوں سے اس حدیث کے راز پر سے پردہ ہٹا کہ ہمارا وہ شیعہ کہ جو ہمارے غم میں غمزدہ رہے گا اور ہماری خوشی میں خوش رہے گا وہ جنت ہی میں نہیں ہو گا بلکہ وہ اس درجہ میں ہو گا جہاں ہم موجود ہوں گے۔

حیرت ہوتی تھی کہ ہم گندے ہیں ہم گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں ہم اس درجے میں کہاں پہنچ جائیں گے لیکن جب تمسک ہو جاتا ہے تو یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ جہاں حشر پہنچتا ہے وہیں لپٹی ہوئی چیز بھی پہنچ جایا کرتی ہے۔ صلواۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ۔"

برادران عزیز۔ ہمارے پاس اب کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ دین ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ اصول شریعت ہمارے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں اب لے دے کے ہمارے پاس صرف ایک عزاداری رہ گئی ہے۔ اس عزاداری کو مٹنے نہ دیجئے۔ کیونکہ ہماری ساری امیدیں اسی عزاداری سے وابستہ ہیں۔ ہم سے سب کچھ چھن گیا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ اللہ نے ابھی تک ہم سے غم حسینؑ کے عشق کو نہیں لیا ہے۔ اس لئے ہماری بڑی توقعات وابستہ ہیں ہم خدا سے دعا کیا کرتے ہیں کہ رب کریم منبر پر آنے والوں کو اور مجلس میں شرکت کرنے

والوں کو دونوں کو یہ توفیق عطا فرما کہ منبر پر آنے والے منبر پر آکر وہ کہیں کہ جو اہل بیتؑ چاہتے ہیں کہ ان کے بارے میں کہا جائے اور مجلس سننے والے اہل بیتؑ کا ذکر سن کر بھول نہ جائیں' بلکہ اس مشن کو پیش نظر رکھیں کہ جس مشن کے لئے اہل بیتؑ نے سب کچھ بیچ دیا۔ اور سب کچھ قربان کر دیا۔

برادران عزیز۔ معمولی معمولی لوگوں کو تاریخ اسلام میں آپ دیکھیں تو کوئی گورنر ہو رہا ہے' بڑے بڑے عہدے مل رہے ہیں لیکن اہل بیتؑ نے ہر منصب کو اور ہر عہدے کو اس لئے ٹھوکر ماری کہ ان کے نزدیک ان کا مشن تھا اور ان کا مشن تھا اسلام کے اصولوں کی حفاظت کا' دین کی حفاظت کا' شریعت کی حفاظت کا' اسی لئے انہوں نے ہر شئے کی قربانی پیش کر دی مگر دین کو مٹنے نہ دیا۔ اور خاص طور کے اوپر وہ آخری قربانی' جس سے بڑھ کر کوئی قربانی پھر تاریخ بشر میں کوئی اور نظر نہ آئی۔ وہ کون سی قربانی؟ وہ کربلا کی قربانی' جس کی یاد منانے کے لئے آپ یہاں موجود ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کا شکریہ ادا کر دوں' اس لئے کہ یہ ویسٹرن ماحول' یہ لندن کا ماحول' یہ عیاشیوں کا ماحول' یہ ماحول کہ جہاں ہر انسان ہڈی کے پیچھے دوڑ رہا ہے' آپ ہڈیوں کو چھوڑ کر آنسو بہانے کے لئے یہاں پر تشریف لائے ہیں۔

برادران عزیز۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا اور ضرور ادا کرتا' لیکن اگر مجھے اس بات کا احساس نہ ہوتا کہ یہاں شکریہ ادا کرنے کے لئے کوئی اور موجود ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا' اگر حسینؑ کی ماں شکریہ ادا کرنے کے لئے یہاں موجود نہ ہوتیں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا' جب حسینؑ کے نانا رسول کریمؐ آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے موجود نہ ہوتے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا اگر یہاں پر علیؑ ابن ابی طالبؑ آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے موجود نہیں ہوتے۔

برادران عزیز آپ یہ بات یاد رکھیں کہ اہل بیتؑ کسی محفل میں نہیں جاتے لیکن ہاں، جب حسینؑ کی یاد میں کسی مجلس کا انعقاد ہوتا ہے تو یہ ارواح طیبہ ان مجلسوں میں آکر شریک ہوتی ہیں اس لئے آپ کو ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس مجلس میں آپ تنہا نہیں ہیں بلکہ معصومینؑ بھی موجود ہیں۔ اور اسی حیثیت سے آپ حسینؑ کے غم میں آنسو بہائیں کہ جیسے فاطمہؑ نظروں کے سامنے بیٹھی ہوئی ہیں۔ اور آپ فاطمہؑ زہرا کو ان کے لعل کا پرسہ دے رہے ہیں۔ تصور میں یہ بات رہے کہ جیسے علیؑ نظروں کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ان کو ان کے لعل کا پرسہ دے رہے ہیں، تصور میں یہ بات رہے کہ جیسے رسولؐ آپ کی نظروں کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ان کو ان کے اس نواسے کا پرسہ دے رہیں کہ جو کبھی ان کے دوش پر رہا کرتا تھا، کبھی ان کی گود میں رہا کرتا تھا جس کے لئے رسولؐ اپنے سجدے کو طول دے دیا کرتے تھے۔ برادران عزیز، آپ یہ بات سمجھ لیں کہ جتنا جتنا محرم کی تاریخیں بڑھتی جائیں گی، اتنا اتنا خود بخود مصائب کا عنصر بڑھتا جائے گا۔ اس لئے کہ ہر شئے ضروری ہے کسی شئے کے ضروری ہونے سے میں انکار نہیں کر رہا ہوں لیکن یہ ساری ضروری چیزیں آپ کو کیوں مل رہی ہیں، یہ انہیں آنسوؤں کے تصدق میں مل رہی ہیں کہ جو آنسو آپ غم شہدائے کربلا میں بہایا کرتے ہیں۔

بس برادران عزیز۔ تو حسینؑ کربلا کے میدان میں آگئے۔ دوسری محرم کو حسینؑ کربلا کے میدان میں پہنچ گئے، چوتھی محرم سے لشکر ابن زیاد کی آمد آمد شروع ہوگئی۔ روایت بتاتی ہے کہ جب کوئی لشکر آتا تھا اور کربلا کی سرحد کے قریب پہنچتا تھا تو خاص طور پر اس کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ گھوڑوں کو بہت تیزی سے دوڑاتے ہوئے گزرنا اور اپنی جگہ پر پہنچنے سے پہلے خیام حسینی کے قریب سے

گزرنا۔ کیوں آپ جانتے ہیں کہ جب ہزاروں سوار' چار ہزار' پانچ ہزار' دس ہزار سوار' گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے خیموں کے قریب سے گزریں گے تو بے کس سیدانیاں دہل جائیں گی کہ اتنے قاتل اور آگئے۔ چھوٹے چھوٹے بچے سہم جائیں گے کہ اتنے خون کے پیاسے اور آگئے' یہاں تک کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ محرم کی نویں تاریخ وہ تاریخ تھی کہ جب حسینؑ چاروں طرف سے لشکر پسر سعد میں گھر چکے تھے' برادران عزیز' ساتویں محرم سے حسینؑ پر اور حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر پانی بند کر دیا گیا۔ آواز بلند ہو رہی تھی کہ ہائے پیاس' ہائے پیاس' ہمیں مارے ڈالتی ہے' یہاں تک کہ ساتویں گزر گئی' آٹھویں گزر گئی اور نویں محرم گزر گئی' ابھی مغرب کا وقت تھا' امام نماز مغرب ادا فرما کر اپنے خیمے کے سامنے تشریف فرما تھے کہ ایک مرتبہ زینبؑ دوڑتی ہوئی آئیں اور آ کے بھائی کا شانہ ہلایا۔ کہا بھیا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی آپ نے نہیں دیکھا کہ لشکر بڑھتا چلا آ رہا ہے معلوم ہوتا ہے حملہ کرنے کا ارادہ ہے امامؑ نے آنکھ کھول کے دیکھا کہ واقعی لشکر بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ حضرت عباسؑ کو بلایا' ابھی آپ آٹھویں محرم کو حضرت عباسؑ کے مصائب سنیں گے۔ لیکن اس منزل پر میں اتنا عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ خدا شاہد ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ نے عباسؑ ابن علیؑ کے لئے جو جملہ ارشاد فرمایا ہے' کسی کے لئے ارشاد نہیں فرمایا۔ عباسؑ کو بلایا۔ اور عباسؑ کو بلا کر کہتے ہیں کہ "فداك نفسي يا عباس" کہ عباسؑ تجھ پر میری جان قربان ہو جائے اگر ہو سکے تو ان لوگوں سے ایک رات کی مہلت لے لے۔ برادران عزیز۔ کسی نہ کسی طرح سے وہ رات مہلت کی شکل میں مل گئی اور حسینؑ اور اصحاب حسینؑ نے وہ رات یوں گزاری کہ تاریخ کے جملے ہیں کہ پوری رات خیام حسینی سے تسبیح و تہلیل و عبادت کی آوازیں ایسی بلند ہوتی رہیں

کہ جیسے شہد کی مکھی کے چھتے سے بھنبھناہٹ کی آواز آتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ صبح عاشور طلوع ہو گئی اور حسینؑ کا دفتر قربانی کھل گیا۔

عزاداران حسینؑ آج محرم کی چار تاریخ ہے اور آج آپ کسی نہ کسی صحابی کا حال حسینؑ کے انصار میں سے کسی نہ کسی ناصر کا حال سنا کرتے ہیں مجھے بھی آپ کے سامنے آج دو قربانیوں کا حال پیش کرنا ہے۔ دفتر قربانی حسینؑ کا کھل گیا ایک ایک مجاہد جاتا رہا اور جا کے میدان میں داد شجاعت دیتا رہا۔ اور حسینؑ اس کی لاش اٹھا کر لاتے رہے اور گنج شہیداں کی تعمیر ہوتی رہی۔ حسینؑ کا لشکر کم ہوتا چلا گیا' گنج شہیداں میں شہداء کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جب بہت سے سپاہی حسینؑ کے شہید ہو گئے تو ایک غلام جو حبش کا رہنے والا' جس کا رنگ سیاہ' جس کا نام جونؑ' یہ جون بوڑھا غلام' ضعیف' یہ امامؑ کے پاس آیا اور آنے کے بعد کہا کہ مولا مجھے بھی مرنے کی اجازت دیجئے۔ حضرت جونؑ جناب ابوذر غفاری کے غلام تھے' جب ابوذر کا انتقال ہونے لگا اور مدینے سے آپ ربذہ کی طرف جانے لگے تو یہ جون امامؑ کے دامن سے وابستہ ہو گیا تھا کہ آپ مجھے اپنی پناہ میں لے لیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جون تم تو ہمارے ساتھ آرام اٹھانے کے لئے آئے تھے' تم تو ہمارے ساتھ نعمتوں میں شریک ہونے کے لئے آئے تھے' اب اپنے کو زحمتوں میں کیوں ڈالتے ہو' چلے جاؤ۔ تم بوڑھے ہو' میں تمہاری گردن پر سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں' خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم اپنی جان بچالو۔ جب یہ مجھے پالیں گے تو جون تم سے ان سپاہیوں میں سے کوئی سپاہی نہ بولے گا۔ عزاداران حسینؑ' آپ نے سینکڑوں مجلسیں سنی ہوں گی لیکن جو گزارش ہے میری اس کی طرف آپ توجہ فرمائیں۔ روایت میں میں نے یہ دیکھا ہے کہ جس وقت مثلاً' حضرت قاسم کو امامؑ نے شہادت کی اجازت نہ دی تو روایت بتاتی ہے کہ قاسم نے بچپا

کے ہاتھوں کو چوم چوم کر مرنے کی اجازت لے لی۔ جس وقت علی اکبر کو مرنے کی اجازت نہ دے رہے تھے تو شبیہ پیغمبرؐ نے حسینؑ کے قدموں پر سر رکھ کے مرنے کی اجازت لے لی۔ جب عباسؑ ابن علیؑ کو شہادت کی اجازت نہ دے رہے تھے تو عباسؑ نے خوشامدیں کر کر کے حسینؑ سے لڑنے اور مرنے کی اجازت لے لی۔ لیکن جب جون سے کہا کہ میں تجھے اجازت دینے پر تیار نہیں ہوں تو تاریخ بتاتی ہے کہ نہ جون نے خوشامدیں کر کر کے حسینؑ کے ہاتھوں کو چوما نہ حسینؑ کے پیروں کو چوما' بلکہ ایک مرتبہ سینہ تن گیا' پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ سانس کی آمد و رفت تیز ہو گئی اور ایک مرتبہ حسینؑ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور محبت بھری اجازت کے ساتھ جون نے کہا' فاطمہؑ کے لعل' میں سمجھ گیا' میں سمجھ گیا' بات یہ ہے کہ میرے چہرے کا رنگ سیاہ ہے' بات یہ ہے کہ میں مجہول النسب ہوں' بات یہ ہے کہ میرے جسم سے بوئے بد آتی ہے' اے فاطمہؑ کے لعل' آپ نہیں چاہتے کہ آپ کے پاکیزہ خون میں میرا یہ خون ملے' مگر میں بھی آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ میں کربلا کے میدان میں یہ طے کر کے آیا ہوں کہ اپنا یہ خون آپ کے پاک و پاکیزہ خون میں ملا کے رہوں گا۔ عزاداران حسینؑ' اب حسینؑ کیا کریں' حسینؑ خاموش ہو گئے۔ سر جھکا لیا' یہ جون جوش شجاعت میں ڈوبا ہوا کربلا کے میدان میں آیا۔ اور آنے کے بعد حملہ کیا' بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا' زخموں سے چور ہوا' گھوڑے کی بلندی سے زمین کے اوپر آیا' میں آپ کے سامنے بقسم شرعی کہتا ہوں کہ حسینؑ نے جو سلوک علی اکبر کے ساتھ کیا' وہی اپنے غلام جون کے ساتھ کیا' زمین پر بیٹھ گئے جون کا سر اٹھا کے زانو پر رکھ لیا' منھ پر منھ رکھ دیا' رومال سے خس و خاشاک کو پاک کیا' جون نے آنکھ کھول کر امام کو دیکھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب امام حسینؑ نے کسی صحابی کے سر کو اٹھا کے اپنے زانو کے اوپر رکھا اس

نے کوئی وصیت کردی کوئی جملہ کہہ دیا مگر جون کے لئے تاریخ نے شہادت دی ہے کہ جون نے زبان سے کچھ نہ کہا بس ایک مرتبہ آنکھ کھول کے دیکھا کہ میرا سر لاش کی گود میں رکھا ہوا ہے مسکرایا اور مسکرا کر یہ غلام دنیا سے رخصت ہو گیا۔ میں کہتا ہوں جون یہ مسکراہٹ کربلا کے میدان میں کس بات کی؟ تو شاید جون کا جواب ہو گا کہ میرے مصائب بیان کرنے والے ذاکر میں تو سپاہی ہوں سپاہی سپاہی اس وقت مسکراتا ہے جب اسے کامیابی کا احساس ہو جاتا ہے۔ میں حسینؑ سے یہ کہہ کر چلا تھا کہ میں اپنا خون آپ کے خون میں ملا کے رہوں گا جب میں نے دیکھ لیا کہ میرے زخمی سر کا خون حسینؑ کے جسم پر بہہ رہا ہے تو مجھے اپنی کامیابی کا احساس ہوا اور میں مسکرا کے دنیا سے رخصت ہو گیا عزاداران حسینؑ جون نے آخری ہچکی لی اور حسینؑ نے جون کی لاش زمین کے اوپر رکھی سرہانے کھڑے ہونے کے بعد بارگاہ الٰہی میں دست دعا کے لئے ہاتھ بلند کر دیئے پالنے والے یہ میرا سپاہی پالنے والے یہ میرا فدائی اس کو دو باتوں کا احساس تھا پہلی بات یہ کہ اس کے چہرے کا رنگ سیاہ ہے دوسری بات یہ کہ اس کے جسم سے بوئے بد آتی ہے پالنے والے اس کے چہرے کی سیاہی کو نور سے بدل دے اور آنے والے بوئے بد کو اچھی خوشبو سے بدل دے۔ بنی اسد کا بیان ہے کہ جب دفن شہداء کے وقت ہم جون کے سرہانے پہنچے تو جون کے چہرے سے نور کی لپٹیں نکل رہی تھیں اور مشک و عنبر کی جسم سے خوشبو آرہی تھی بس عزاداران حسینؑ دو یا تین منٹ کے اندر اندر آپ کی زحمتوں کو ختم کر دینا چاہتا ہوں یہ ایک قربانی تھی کہ جس کا حال میں نے آپ کے سامنے پیش کیا اب دوسری قربانی وہ مسلم ابن عوسجہ اسدی اسی برس سے زیادہ کی عمر تاریخ نے بتایا ہے کہ اتنے بوڑھے تھے اتنے ضعیف تھے کہ بھنووں کا حصہ لٹک کر آنکھ کے اوپر آگیا تھا کھڑے نہ ہو پاتے تھے لوگوں نے گود

میں اٹھا کر گھوڑے پر سوار کیا۔ کہا کہ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ حسینؑ کا ایک سپاہی آگے بڑھا اور آگے بڑھنے کے بعد بھوؤں کو اونچا کر کے پیشانی پر رومال باندھ دیا تب ان کو کربلا کا میدان دکھائی دیا۔ عزادارو! غور کیجئے کہ جو اتنا ضعیف ہو وہ کہیں لڑ سکتا ہے مگر راوی کا بیان ہے یہ ضعف اس وقت تک تھا جب تک حسینؑ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور جب کربلا کے میدان میں آئے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ضعیفی قدموں کو چوم کے رخصت ہو گئی ہو۔ بڑھ بڑھ کے حملے کر رہے ہیں۔ لڑتے رہے، بہت سوں کو قتل کیا، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو گئے اور گھوڑے سے گرے زمین کے اوپر، امام سرہانے پہنچے، مگر ابھی امامؑ کے ساتھ ساتھ حبیب ابن مظاہر بھی ہیں، حبیب ابن مظاہر نے مسلم سے خطاب کر کے کہا کہ اے مسلم اگر یہ معلوم ہوتا کہ تمہارے بعد کچھ دن اور زندہ رہتا ہے تو میں تم سے وصیت کی فرمائش کرتا کہ وصیت کرتے جاؤ تاکہ میں اس پر عمل کروں، لیکن مسلم کیا کروں کہ وصیت کے پورا کرنے کا وقت ہی نہیں ہے، آگے آگے تم جا رہے ہو، پیچھے پیچھے میں آ رہا ہوں۔ اس عالم میں وصیت کی فرمائش کیا کروں۔ عزاداران حسینؑ معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کی سانس اکھڑ چکی تھی، آخری ہچکیاں آ رہی تھیں مگر جب حبیب کی یہ آواز مسلم کے کان میں پہنچی زبان سے کچھ نہ کہہ سکے، لب ہلا نہ سکتے تھے، حبیب نے دیکھا کہ مسلم کی انگلی اٹھی تھرتھراتی ہوئی اور اس نے حسینؑ کی طرف اشارہ کیا، گویا مطلب یہ تھا کہ اے حبیب! اس عالم میں بھی ایک وصیت ہے کہ مرتے مر جانا، مگر فاطمہؑ کے لعل کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھٹنے نہ پائے۔ بس عزاداران حسینؑ، حسینؑ کے اس بوڑھے وفادار سپاہی نے حسینؑ کے قدموں میں دم توڑ دیا۔ اور حسینؑ نے اپنے اس سپاہی کی لاش اٹھائی۔ لا کر گنج شہیداں میں رکھ دی۔ ابھی مسلم کے سرہانے سے حسینؑ اٹھنے نہ پائے تھے کہ ایک

مرتبہ خیمے کا پردہ اٹھا اور ایک بارہ تیرہ برس کا بچہ دوڑتا ہوا میدان شہادت کی طرف چلا' راوی کہتا ہے کہ عالم یہ تھا کہ اس کی تلوار زمین پر لکیر بناتی جا رہی تھی' حسینؑ نے اپنے سپاہیوں سے کہا' دیکھو اس کو روکو' یہ کہاں جا رہا ہے بچہ' میدان میں تیر چل رہے ہیں' تلواریں چل رہی ہیں اس بچے کو کوئی زخم نہ لگ جائے' حسینؑ کے سپاہی دوڑے اور دوڑ کر اس بچے کو پکڑا اور پکڑ کر لے کر امامؑ کے سامنے آئے' امامؑ نے کہا میرے لعل کہاں جا رہا ہے؟ کہا فاطمہؑ کے لعل' میدان شہادت میں' کہا میدان شہادت میں کیوں جا رہا ہے؟ تو دیکھ نہیں رہا ہے کہ وہاں تلواریں چل رہی ہیں۔ تو دیکھ نہیں رہا ہے کہ بڑے خونی ہیں وہ لوگ' بڑے ظالم ہیں وہ لوگ ان کو کسی پر ترس نہیں آتا۔ کیوں اپنی جان کو خطرے میں ڈال رہا ہے' بچے کا جواب سنیں گے عزادارو۔ بچے نے جواب دیا مولا میں جانتا ہوں کہ وہاں تلواریں چل رہی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہاں نیزے چل رہے ہیں' میں دیکھ رہا ہوں کہ وہاں تیر چل رہے ہیں۔ لیکن مولا میں جاؤں گا میدان جنگ میں' حسینؑ نے کہا کیوں؟ کہا کہ صرف اس لئے کہ مسلم کی شہادت کے بعد آپ کے دل میں یہ احساس نہ ہونے پائے کہ اب کوئی آپ کا بچانے والا نہیں رہ گیا۔ مولا جب تک خیموں میں ہم چھوٹے چھوٹے بچے موجود ہیں' ہم اپنی جانیں دے دیں گے مگر آپ کے اوپر آنچ نہ آنے دیں گے۔ روایت کہتی ہے کہ اس محبت کی بات کو سن کر حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ بچے کو سینے سے لگا لیا کہا' میرے لعل میں تجھے جہاد کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں' کہا مولا کوئی تقصیر ہو گئی' کوئی خطا ہو گئی کہا خطا کوئی نہیں مگر بات ہے یہاں شریعت کی' کہا شریعت کی بات کیا' کہا شریعت کی بات یہ ہے کہ تو ابھی کمسن ہے' تو ابھی نابالغ ہے تجھ پر سے جہاد ساقط ہے' میں تجھے کیسے لڑنے کی اجازت دے دوں۔ اللہ اکبر نابالغ ہے مگر عقل کے اعتبار سے بالغ ہے'

ایک مرتبہ امامؑ کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کہتا ہے کہ مولا مجھے معلوم ہے کہ میری عمر کم ہے میں ابھی نابالغ ہوں لیکن کل شب عاشور جب آپ خطبہ دے رہے تھے اپنے خیمے میں اور میرا ہی ہم سن قاسم میرا شاہزادہ وہ اٹھا اور اس نے کہا چچا یہ بتائے کہ فرد شہدا میں میرا نام ہے کہ نہیں تو آپ نے کہا تھا کہ ہاں قاسم تم بھی شہید ہو گے اور تمہارا چھوٹا بھائی علی اصغر بھی شہید ہو گا۔ تو مولا کربلا کا میدان تو وہ میدان ہے کہ جہاں چھ مہینے کا بچہ بھی شہید ہو گا۔ تو مجھے آپ شہادت سے کیوں روک رہے ہیں' قاسم جہاں شہید ہوں گے وہاں قاسم کے غلام کو بھی قاسم پر قربان ہو جانے کی اجازت دے دیجئے۔ یہ سننا تھا کہ امامؑ نے فرمایا نہیں میرے لال تیرا واقعہ قاسم کے واقعہ سے مختلف ہے اس لئے قاسم کو تو بحیثیت ولی شرعی میں اجازت دوں گا' تیرے لئے ضروری تھا کہ یا کم سے کم تیرا باپ تجھے اجازت دیتا' یا ماں اجازت دیتی' بس یہ سننا تھا کہ بچے نے ہاتھ جوڑ کے کہا کہ مولا آپ نے تو میرا مسئلہ حل کر دیا۔ کہا کیسے؟ کہا' جہاں تک باپ کا سوال ہے تو باپ کی لاش تو آپ کے قدموں میں پڑی ہوئی ہے اب رہ گئی ماں کی بات' تو میرے مولا میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے جسم پر لباس میری ماں نے پہنایا ہے' کمر میں تلوار میری ماں نے باندھی ہے' میری ماں ہی نے مجھ سے کہا ہے کہ میں جا کر اپنی جان آپ پر نثار کر دوں۔ ابھی بچہ یہ کہہ رہا تھا کہ خیمہ کے در سے ایک بیوہ کی آواز آئی کہ مولا ایک بیوہ کا ہدیہ قبول کر لیجئے اور اس بچے کو اپنے اوپر نثار ہو جانے دیجئے۔....."

☆☆☆

پانچویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخسرین "(آل عمران آیت ۸۵)

برادران عزیز۔ ارشاد الٰہی ہو رہا ہے قرآن مجید میں کوئی بھی انسان اگر اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرے گا تو وہ مذہب ہم اس سے قبول نہیں کریں گے۔ اور ایسا انسان جب آخرت میں داخل ہوگا تو اس بات کا احساس ہو جائے گا کہ انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر خود اپنا ہی نقصان کیا ہے۔

اسلام کی بنیاد ہے قرآن مجید پر اور قرآن ہے اللہ کا کلام اور یوں تو اللہ میں سارے صفات حسنہ پائے جاتے ہیں اور صفات کمال پائے جاتے ہیں لیکن یہ سارے صفات سمٹ کر آجاتے ہیں دو صفتوں میں' ایک علم اور ایک قدرت۔ تو اب ظاہر ہے کہ قرآن اگر اس کا کلام ہے تو اس کو بھی علم اور قدرت خدا کا مظہر ہونا چاہئے۔ یعنی جو بات قرآن کہہ دے مستقبل اور فیوچر کے بارے میں' مثال کے طور پر عرض کر رہا ہوں۔ اس میں پھر کوئی تبدیلی نہیں ہونا چاہئے۔

ایک چھوٹا سا سورہ قرآن مجید میں ہے اس کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں "بسم الله الرحمن الرحیم. تبت یدی ابی لهب وتب ما اغنی عنه ماله وما کسب سیصلی نارا ذات لهب وامراته حمالة الحطب فی جیدها حبل من

مسد" اس سورہ نے جو پیش گوئی کی ہے وہ یہ ہے کہ ابو لہب اور ابو لہب کی بیوی جس کا نام ہے ام جمیل۔ اے حضورؐ ساری دنیا آپ پر ایمان لے آئے مگر یہ جوڑا اور یہ پیر آپ پر ایمان لانے والا نہیں ہے۔ یہ دنیا سے لے کر جہنم کی وادی تک ساتھ ساتھ رہنے والے ہیں' ابو لہب کو آپ معمولی انسان نہ سمجھیں' بہت چالاک اور عیار اور مکار انسان تھا۔ میں کہتا ہوں کہ جس وقت قرآن مجید میں یہ پیشن گوئی کی گئی تھی کہ ابو لہب اور ابو لہب کی بیوی لا الہ الا اللہ نہیں کہیں گے۔ ان کی زبان پر کلمہ طیبہ نہیں آئے گا۔ اگر خدانہ خواستہ یہ صورت ہوتی کہ ایک پلان کے تحت' یہ پیر ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے رسولؐ کے سامنے آتا اور نفاق کے طور پر ہی' کہہ دیتا "اشھد ان لا الہ الا اللہ " تو مسلمان' جو تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے یہ سوچنے کے لئے مجبور ہو جاتے کہ قرآن نے تو کہا تھا کہ یہ مسلمان نہ ہوں گے' مگر ان کی زبان پر تو لا الہ الا اللہ آگیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قرآن نے کہا تھا وہ نہیں ہوا اور جب جو قرآن نے کہا تھا وہ نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے۔ مسلمان الٹے پیروں پرانی جاہلیت کی طرف پلٹ جاتے۔ اور جب رسول کا مشن فیل ہو جاتا تو یہ مسکراتے ہوئے آکر اپنے گروہ میں پھر شامل ہو جاتے کہ یہ تو تم کو راہ حق دکھانے کے لئے اللہ نے یا "لات وھبل" نے ہم کو ایک طریقہ بتایا تھا ورنہ ہم بھی وہیں ہیں کہ جہاں تم ہو۔

لیکن آپ ملاحظہ فرمائیں کہ خود رسول کو قرآن مجید کی حقانیت پر اتنا ایمان تھا کہ جب یہ سورہ نازل ہوا تو آپ نے کوئی پردہ داری نہیں کی۔ بلکہ اس سورہ کو گویا ابو لہب کے منھ پر سنا دیا۔ اور گویا اس کو چیلنج کیا کہ نفاق کے طور پر ہی اگر تجھ میں دم ہے تو لا الہ الا اللہ کہہ کے دکھادے۔ اور پھر بھی

تاریخی حقیقت ہے کہ ابولہب اور ابولہب کی بیوی مرتے مر گئے مگر ان کی زبان پر از راہ نفاق بھی لا الہ الا اللہ نہیں آیا۔

برادران عزیز۔ اس سورہ کی تفسیر اور اس سورہ کی شان نزول بڑی دلچسپ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے سامنے عرض کر دوں اور پھر ایک بات عرض کر دوں کہ یہاں اس مجمع میں کوئی روایت ایسی نہیں پیش کر رہا ہوں بہ حد امکان کہ جس کو ایک فرقہ مانتا ہو اور دوسرا فرقہ نہ مانتا ہو' تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ جو روایت کی شان نزول میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اس کو تفہیم القرآن میں مولانا مودودی نے بھی تحریر فرمایا ہے' ترجمۃ القرآن کا اردو ایڈیشن بھی موجود ہے اور انگلش ایڈیشن بھی موجود ہے جو صاحب چاہیں وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اسلامی تفسیر ہم کو یہ بتاتی ہے کہ ابولہب پیغمبر کا چچا تھا' اور پیغمبر سے محبت کرتا تھا مگر یہ محبت اس وقت تک تھی جب تک ام جمیل سے اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ام جمیل کا تعلق اسی قبیلے سے تھا کہ جس قبیلے سے یزید اور اس کے آباء و اجداد کا تعلق تھا۔ اور یہ تھا قبیلہ وہ کہ جس کی گھٹی میں' یعنی ضمیر و خمیر میں عداوت محمدی رچی بسی تھی۔ چنانچہ جب ام جمیل ابولہب کی بیوی بن کر آئی اور پیغمبر نے دعوائے رسالت فرمایا تو ام جمیل نے اپنے شوہر کو حضورؐ کے خلاف 'اتنا بھرا' اتنا بھرا کہ آخر چچا اپنے بھتیجے کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے' اس منزل پر ایک بات عرض کر دوں کسی کو برا تو نہیں لگ جائے گا۔ حضورؐ والا صورت حال یہی ہے آج ہمارے یہاں بھی' مجھے نہیں معلوم ہے کہ پنجاب میں کیا دستور ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ لندن میں کیا دستور ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ حیدر آباد میں کیا دستور ہے لیکن لکھنؤ میں جو دستور ہے وہ آپ کو میں بتا رہا

ہوں۔ ظاہر ہے کہ میرا کام ہے نکاح پڑھنا اور خود میرا بھی نکاح ہو چکا ہے اس تجربے سے میں خود بھی گزر چکا ہوں' ہمارے یہاں لکھنؤ میں دستور یہ ہے کہ جب دولھا' دلہن کے سامنے جاتا ہے اور "آرسی مصحف" ایک رسم ہوتی ہے جس کو بعض جگہ "جلوہ' یا جلوہ" بھی کہا جاتا ہے اس رسم کا موقع آتا ہے تو سامنے دلہن بیٹھتی ہے آنکھیں بند کئے ہوئے اور اس کے سامنے دولھا بیٹھتا ہے آنکھیں کھولے ہوئے۔ اور دونوں کے سر کے اوپر ایک لال ڈوپٹہ ڈال دیا جاتا ہے' یہ خود مجھ پر گزر چکی ہے۔ تو سالیاں بعد میں کہنیاں مارتی ہیں کہ کہئے بیوی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام ہوں۔ مجھے پتہ نہیں کہ یہ دستور یہاں ہے کہ نہیں ہے۔ بہر حال اقرار غلامی لیا جاتا ہو یا نہ لیا جاتا ہو' عملاً سب بیوی کے غلام ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ تو اب یہ ابولہب بھی اپنی بیوی کا ایسا غلام ہوا کہ بیوی کے کہنے سے محمدؐ کے ایسے بھتیجے کا دشمن بن گیا۔ عورتیں اپنے شوہروں کو غلام بنائیں اور ضرور بنائیں اور شوق سے بنائیں' اس لئے کہ وہ لائق ہی اس لئے ہیں کہ ان کو غلام بنایا جائے مگر اس کے ساتھ ساتھ باادب التماس ہے کہ وہ غلام بنالیں مگر غلام بنانے کے بعد ام جمیل کی سیرت پر چلنے کی کوشش نہ کریں کہ خاندان میں نفاق پڑ جائے۔ برادران عزیز۔ ام جمیل نے اتنا بہکایا ابولہب کو کہ یہ پیغمبر کی جان کا دشمن ہو گیا۔ اب آپ تفہیم القرآن کو جو مولانا مودودی کی لکھی ہوئی ہے اس کو ملاحظہ کرلیں یا جس اسلامی تفسیر کو چاہیں آپ ملاحظہ فرمالیں کہ ابولہب اور ام جمیل اور پیغمبر کا مکان یہ گویا دیوار بیچ تھا۔ تو مفسرین لکھتے ہیں کہ ابولہب کی بیوی کو پیغمبر کو ستانے کا زیادہ موقع اس لئے بھی ملتا تھا کہ بالکل ان کے پڑوس میں تھے۔ ام جمیل پیغمبر کی دشمنی میں اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ سفیدۂ سحر طلوع ہونے سے پہلے یہ عورت جنگل میں چلی

جاتی تھی اور جانے کے بعد جھاڑیاں کانٹے دار درخت اٹھا کر لاتی تھی اور پیغمبر کے دروازے کے سامنے بچھا دیتی تھی کہ جب پیغمبر نماز صبح کے لئے اپنے گھر کے باہر تشریف لائیں تو پہلی اذیت تو یہ ہو کہ کانٹوں میں پاؤں الجھے اور پیغمبر کے پاؤں زخمی ہو جائیں۔ آپ ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ جو پیغمبر کو زخمی کرنے کے لئے اور اذیت پہنچانے کے لئے اتنی کوشش کرتی ہو صبح سویرے دن بھر وہ پیغمبر کو کیا کچھ اذیت نہ دیتی ہو گی۔

برادران عزیز۔ ایک اہم بات عرض کر رہا ہوں آپ کے سامنے توجہ رکھیں۔ مولانا مودودی بھی لکھتے ہیں اور دوسری تفسیریں بھی لکھتی ہیں شیعہ اور سنی سب کہ جب سورہ "تبت یدی" نازل ہوا جس کی ابھی میں آپ کے سامنے تلاوت کی اور جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کا مذاق اڑایا گیا تو اب ظاہر ہے کہ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہ سورہ نازل ہو چکا ہے اور نازل ہونے کے دوسرے دن پیغمبر مسجد الحرام میں یعنی جہاں کعبہ بنا ہوا ہے وہاں تشریف فرما ہیں۔ مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھ پیغمبر کے رفیق اور پیغمبر کے محترم صحابی حضرت ابوبکر بھی تشریف فرما ہیں دونوں پہلو سے پہلو ملائے ہوئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور پیغمبر کے یہ مقدس صحابی حضورؐ سے یہ ارشاد فرما رہے ہے کہ حضورؐ وہ تو بڑا غضب ہو گیا ہے جب یہ سورہ نازل ہوا ہے کہ جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کا مذاق اڑایا گیا ہے اس وقت سے ام جمیل ابولہب کی بیوی حضورؐ آپ کو ڈھونڈتی پھر رہی ہے اور یہ کہتی پھر رہی ہے کہ کہیں مجھے محمدؐ دکھائی دے جائیں تو بتاؤں اور اگر کہیں محمدؐ نظر آجائیں معاذ اللہ تو ان کو مزہ چکھاؤں۔ تو حضورؐ تو مجھ کو بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ کہ وہ تو سورہ کے نازل ہونے کے پہلے ہی قہر خدا تھی اور اب یہ سورہ نازل ہونے کے بعد اس نے آپ

کو دیکھ لیا تو پتہ نہیں آپ کے لئے کیا گستاخی کرے اور آپ کو کس طرح سے اذیت دے اور آپ کو کس طرح سے ستائے' ابھی یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ دیکھا کہ مسجد الحرام کے مین گیٹ سے وہ دندناتی ہوئی چلی آرہی ہے ان کی نظر پڑی اور نظر پڑنے کے بعد انہیں نے حضورؐ سے کہا کہ حضورؐ وہ آگئی۔ وہ آگئی۔ اور اب مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے کہ پتہ نہیں وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا کہ وہ آگئی تو آنے دو جب وہ یہاں تک آجائے گی تو اسے صرف تم دکھائی دو گے' میں دکھائی نہیں دوں گا۔ انہیں نے فرمایا کہ حضورؐ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب کہ ہم دونوں پہلو سے پہلو ملائے بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ فقط مجھے دیکھے اور آپ نہ دکھائی دیں۔ کیسے ہوگا؟ یہ بیان کرنے کا وقت نہیں ہے مگر ہوگا وہی جو میں کہہ رہا ہوں' اس لئے کہ میں خدا کا رسولؐ ہوں۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ جو اس نے دور سے دیکھا کہ یہ تشریف فرما ہیں تو وہ تیر کی طرح سے لپکتی ہوئی آئی۔ اور آنے کے بعد اب انہیں کی طرف رخ کر کے اس نے کہنا شروع کیا کہ وہ تمہارے ساتھی نے میرا مذاق اڑایا ہے' مجھے محمدؐ کہیں دکھائی دے جائیں تو بتاؤں اور مجھ کو محمدؐ کہیں نظر آجائیں تو مزہ چکھاؤں۔ محمدؐ بیٹھے ہیں اور وہ کہہ رہی ہے کہ کہیں دکھائی دے جائیں تو بتاؤں' کہیں نظر آجائیں تو مزہ چکھاؤں۔ مختصر یہ کہ مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ جب وہ گرج برس کر چلی گئی تو انہیں نے فرمایا کہ وہ تو واقعی حضورؐ وہی ہوا کہ جو آپ نے فرمایا تھا۔ ہم دونوں پہلو سے پہلو ملائے بیٹھے تھے مگر اس کو فقط میں دکھائی دیا۔ آپ دکھائی نہیں دیئے۔ میں مسلمانوں سے ایک سوال کر سکتا ہوں' برادران اسلامی یہ بتایئے۔ قرآن رٹنے کی کتاب ہے یا سمجھنے کی کتاب ہے۔ اگر رٹنے کی کتاب ہے تو مجھے کچھ نہیں کہنا اور اگر سمجھنے کی کتاب ہے تو جب قرآن

کو سمجھیں گے تو اصول بنیں گے۔ تو آپ نے کوئی اصول بنایا یا نہیں بنایا تو میں بنا کر آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس واقعہ نے بتادیا' رسالت کی ابتداہی میں کہ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اس کے ہادی پر کبھی خطرات کا سایہ ہو جایا کرتا ہے تو وہ اپنے ہادی کو غیبت کے پردے میں چھپادیا کرتا ہے۔ اب ممکن ہے کہ بہت سے مسلمانوں کو غیبت پر ایمان نہ ہو' مسلمانوں کا ایمان ممکن ہے کہ غیبت پر نہ ہو لیکن مسلمانوں کے جس رہنما نے غیبت کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا' وہ غیبت کا انکار کیسے کرسکتا ہے' اس نے تو خود ہی یہ فرمایا کہ حضور وہ تو واقعی وہی ہوا کہ آپ بیٹھے رہے اور دکھائی نہ دیے۔ یہ پہلا منظر ہے کہ جب اللہ اپنے ہادی کو غیبت کے پردے میں چھپارہا ہے اور گواہی ہے اس کی کہ جسے مسلمان صدیق کہتے ہیں۔ اب آگے بڑھئے۔ اب آگئی شب ہجرت' اور رسولؐ کے چاروں طرف مشرکین کا مجمع' تلواریں کھنچی ہوئیں' آنکھیں گڑی ہوئی۔ کہ کوئی اس دروازے سے نکل کر جانے نہ پائے شیعہ اور سنی سارے محدثین ومورخین ومفسرین لکھتے ہیں کہ پیغمبر نے اپنی جگہ علیؑ کو سلایا کہ تم میرے بستر پر سوجاؤ اور یہ فرمایا کہ جب تم میرے بستر پہ سوجاؤ گے تو اللہ تم کو میری تصویر بنادے گا۔ جی۔ یہ تصویر کون بنارہا ہے اللہ۔ یہ تصویر اس لئے بنارہا ہے کہ کوئی اگر اوپر سے دیکھے بھی تو یہی سمجھے کہ رسولؐ سورہے ہیں' یعنی تصویر بننا فضیلت کی بات تو ہے مگر خطرے کی علامت بھی ہے' اس لئے کہ اب قتل کرنے والے جب گھر میں آئیں گے تو اگر علیؑ علیؑ دکھائی دے رہے ہوتے تو شاید چھوٹ بھی جاتے' وہ تو رسول کی تصویر ایسی ہے' رسولؐ کے دھوکے میں قتل کردیے جائیں گے۔ ملاحظہ کیا آپ نے' پیغمبرؐ نے علیؑ کو اپنے بستر پر لٹایا اور خود چلے گھر کے باہر اور انہیں مشرکین کے درمیان سے چلے کہ جو پیغمبرؐ کے دروازے تلواریں کھینچے

بھیڑ لگائے ہوئے کھڑے تھے، مگر کیا کہتے ہوئے چلے سورۂ یٰسین کی آیت "وجعلنا من بین ایدیھم سد ومن خلفھم سد فاغشینھم فھم لا یبصرون" "ہم نے ان کے سامنے بھی دیواریں بنادیں ان کی پشت پر بھی دیواریں بنادیں' کن کی؟ مشرکین کی' ہم نے مشرکین کو چاروں طرف سے گھیر لیا' ان کی آنکھیں تو تھیں مگر انہیں کچھ دکھائی نہ دیتا تھا'۔ توجہ فرمائی آپ نے؟ اس کا مطلب یہ کہ ایک وہ شہادت' گواہی اور چالیس مشرکین کی شہادت و گواہی کہ رسول کو اگر اللہ بچانا چاہے تو غیبت کے پردوں میں بچا سکتا ہے مگر یہاں پر ایک باریک سی بات آپ کے سامنے عرض کردوں' ارشاد کیا ہوتا ہے؟ ارشاد یہ نہیں ہو رہا ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو چاروں طرف سے کور کر لیا' بلکہ ہر جگہ مشرکین کا ذکر ہو رہا ہے کہ ہم نے مشرکین کو چاروں طرف سے کور کر لیا۔ اس کا مطلب یہ کہ اللہ جب اپنے رہنما کو چھپاتا ہے تو رہنما کو نہیں چھپایا جاتا ہے' دشمنوں کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے جاتے ہیں۔ برادران عزیز ایک منزل تک مجھے پہنچنا ہے' اب کون ہے جو غیبت سے انکار کر سکے' نہ مسلمان انکار کر سکتے ہیں' اس لئے کہ ان کی گواہی موجود' نہ کافر انکار کر سکتے ہیں اس لئے کہ چالیس کافروں کی گواہی موجود کہ حضورؐ ہمارے درمیان سے نکل گئے مگر ہم کو دکھائی نہ دیا۔ لیکن یہ مسئلہ بہت ذیلی کیفیۃ ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں اس پر تازہ بہ تازہ گواہیاں بھی پیش کردوں' اسی دور کی گواہیاں پیش کردوں' آپ کے زمانے کی گواہیاں پیش کردوں' ابھی چند برس پہلے کی بات ہے' برادران عزیز۔ آج ہماری سب سے بڑی مشکل جو ہے وہ یہ ہے کہ آج ایسا اتفاق کا دور ہے کہ الفاظ اچھے اچھے ہیں اور لفظوں کی تہ میں چھپے ہوئے معنی اور مفہوم بہت ذلیل ہیں۔ نام ہے فنون لطیفہ اور فائن آرٹ۔ اور

فائن آرٹ کی تہوں میں کیا کیا کثافتیں چھپی ہوئی ہیں وہ لندن والوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ایک اور لفظ ہے' یہ لفظ جاسوسی' اور آپس میں ایسی انڈر اسٹینڈنگ ہے کہ یہ جاسوسی گویا کہ ایجاد ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ تم ہماری جاسوسی کرتے رہو' مشن بنائے ہوئے ہم تمہاری جاسوسی کرتے رہیں' چوروں اور چوروں میں معاہدہ ہو چکا ہے۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ لیکن چوروں اور چوروں میں معاہدہ ہو سکتا ہے' چوروں اور ایمانداروں میں معاہدہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جب ایران میں بھی یہ حرکت شروع ہوئی تو ایران کے نوجوانوں نے سپر پاور کے ان نمائندوں کو پکڑ کر بند کر دیا۔ دیکھئے نظریات سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں واقعات سے اختلاف نہیں کر سکتے۔ میں آپ کے سامنے نظریہ نہیں پیش کر رہا ہوں' میں آپ کے سامنے واقعہ پیش کر رہا ہوں۔ برادران عزیز۔ امریکہ نے پلان بنایا' میں بارہ سال سے امریکہ جا رہا ہوں' برادران عزیز۔ چھ مہینے تک نوادا کے ریگستان میں لینڈنگ کی ریہرسل ہوتی رہی' کیسے اتریں گے' کیسے اپنے ساتھیوں کو چھڑائیں گے کیسے لے کر اڑ جائیں گے۔ پھر خدا کے فضل و کرم سے وہ ہوا کہ جو اسلام کی تاریخ ہے' اسلام کو کبھی نقصان نہیں پہنچا' جب تک کچھ غدار مسلمان ساتھ نہیں مل گئے ہیں' امریکہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تھا مگر کچھ غدار مسلمانوں نے بیٹیاں فراہم کر دیں' واقعہ آپ کا سنا ہوا ہے مختصر یہ ہے کہ ریگستان میں دنیا کے جو سب سے بڑے پلین تھے وہ پہنچے اور جو اہم ہیلی کاپٹر تھے وہ پہنچے اور ارادہ یہ تھا کہ ہم ریگستان میں اتر کر اور یہاں سے آگے بڑھ کر اپنے قیدیوں کو چھڑا کر اپنے ملک میں حفاظت کے ساتھ پہنچا دیں۔ ملاحظہ کیا آپ نے' مگر ہوا کیا؟ انجام آپ کو معلوم ہے کہ وہ ہیلی کاپٹر آپس ہی میں ٹکرا ٹکرا کر زمین کے اوپر گر گئے۔ میں تو اکثر امریکہ جاتا رہتا ہوں۔ مسٹر

کارٹر اپنے زرد چہرے کے ساتھ ٹیلی ویژن پر تشریف لائے اور آنے کے بعد جو جملے انہوں نے فرمائے ہیں وہ آپ یاد رکھئے اور سن لیجئے۔ اور دل پر اپنے نقش کر لیجئے مسٹر کاٹر نے آنے کے بعد ٹیلی ویژن پر جو بات کہی وہ یہ کہ ہمارے پلان میں کوئی کمی نہ تھی' ہمارے پائیلٹ موسٹ انٹلی جنٹ اور بے انتہا ماہر فن تھے لیکن ہم کیا کریں کہ جب ہمارے ہیلی کاپٹر لینڈنگ گیر لگاتے ہوئے طبق کے میدان میں اتر رہے تھے تو ان کو زمین نہیں دکھائی دی۔ وہ سمجھے کہ ابھی ہم فضا میں ہیں' وہ سمجھے کہ ابھی ہم ہوا میں ہیں اور وہاں زمین آگئی' زمین سے ٹکرائے چور چور ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ کہ آج کے دور میں بھی اللہ نے بتا دیا کہ تمہارے یہاں لوگ ریٹائرڈ ہوتے ہیں مگر ہم کبھی ریٹائرڈ نہیں ہوتے۔ ہماری قدرت ایک رہتی ہے' ہماری طاقت ایک رہتی ہے۔ ہم کل اگر اپنے رسول کو غائب کر سکتے تھے تو آج امریکن پائیلٹ کی ہی نظروں سے نہیں' آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں برادران عزیز' آج کل لینڈنگ مینول نہیں ہوتی ہے آج کل انسٹرومینٹل لینڈنگ ہوتی ہے اس کا مطلب یہ کہ اللہ نے ایک مرتبہ پھر دکھا دیا کہ ہم اگر چاہیں تو زمین کو فقط انسان کی نظروں سے ہی نہیں چھپا سکتے ہیں۔ راڈر کے اسکرین سے بھی چھپا سکتے ہیں۔ اب کسی کو زمین نظر نہیں آسکتی یہ آج کے زمانے کی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اب میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ جب اللہ نے آج کے دور میں اس بات کو دکھا دیا کہ ہم چاہیں تو زمین کو دنیا والوں کی نظروں سے چھپا سکتے ہیں تو جو زمین کو چھپانے پر قدرت رکھتا ہے اگر اس نے وارث زمین کو چھپا دیا ہو تو کون سی حیرت کی بات ہے۔ ایک مرتبہ صلواۃ بھیج دیں آپ حضرات۔"

اور حضور اس سلسلے میں تو خود حقیر بھی اک تجربے سے گزرا ہے'

غیبت کا مشاہدہ اس حقیر نے بھی اپنی آنکھ سے کیا ہے۔ اور اس کو بھی آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔ چند سال پہلے کی بات ہے' میں نے ابھی عرض کیا آپ کے سامنے کہ میں امریکہ جا رہا ہوں بارہ سال سے عشرۂ محرم کے سلسلے میں' اور پہنچ گیا میں ۲۹ رذی الحجہ کو نیویارک کے ایرپورٹ کے اوپر۔ اب آپ یقین مانئے کہ اس سے پہلے میں کوئی آٹھ دس مرتبہ' چھ سات مرتبہ جا چکا تھا امریکہ' لیکن کبھی میرے سوٹ کیس' یا بریف کیس پر کسی نے ہاتھ نہیں رکھا تھا۔ اب مجھے یہ اکسپیرینس کہ میرے بریف کیس یا سوٹ کیس کو تو کوئی چھوتا نہیں' ریولیشن کے بعد جب میں گیا تو میرا جو بریف کیس تھا اس میں آیت اللہ خمینی کی تصویر بھی رکھی ہوئی تھی' کچھ اور ضروری کاغذات بھی رکھے ہوئے تھے' میں اس اطمینان میں تھا کہ میرے سوٹ کیس اور بریف کیس کو تو کوئی چھوتا نہیں ہے' لیکن صاحب وہاں کی انٹلی جنس کی داد دینا پڑے گی کہ میں اسی خیال میں۔ اب وہ اس ایرپورٹ کی عظمت و جلالت جہاں لاکھوں آدمی وہاں سیلاب کی طرح جمع ہو جاتے ہیں' آتے ہیں اور جاتے ہیں' اور اسی سیلاب میں تنکے کی طرح بہتا ہوا' ...... کے ٹرمنل میں داخل ہوا اور کیو میں اور لائن میں کھڑا ہو گیا' اور جب میرا ٹرن آیا اور میرا نمبر آیا تو میں آگے بڑھا اور آگے بڑھنے کے بعد' میں...... کاؤنٹر پر گیا۔ وہاں ایک لڑکی کھڑی ہوئی تھی' اس لڑکی نے میری صورت دیکھی اور صورت دیکھنے کے بعد اس نے جو سوال مجھ سے کیا وہ یہ کہ...... جی...... اب ظاہر ہے کہ وہاں تقیہ کا محل نہیں تھا۔ اب سمجھئے کہ آر یو مجھ سے وہ اس لئے کہہ رہی ہے کہ وہ مجھ سے قبولوانا چاہتی ہے۔ باقی مجھ ہی سے اس نے کیوں کہا؟ سوائے یس کہنے کے وہاں چارہ ہی کیا تھا...... ذرا ملاحظہ کیجئے گا۔ ابھی ذرا آپ غور کیجئے کہ آج کے زمانے میں اگر

کفر کی دنیا میں لڑکیاں اتنی انٹلی جنس ہو سکتی ہیں کہ صورت دیکھ کر بتا دیں کہ انسان کیا ہے تو کیا امام وقت اپنے مومن بھائی کو نہ پہچان سکے گا۔ اس کی نظر میں اگر یہ تیزی ہو۔ ملاحظہ کیا آپ نے۔ اب میں نے کہا کہ آج بھیا پوچھو تم۔ اب مجھے تو خبر ہی تھی کہ بریف کیس میں کیا کیا رکھا ہوا ہے.... جیسے ہی میں نے کہا یس' اس نے کہا کہ "تاؤ اوپن یور بریف کیس" اب بریف کیس نہ کھولوں تو کیا کروں۔ کھولوں تو مصیبت' نہ کھولوں تو پھنسا تھا۔ یقین کیجئے کہ اس وقت چند سیکنڈ کی بات ہے۔ اب بریف کیس اٹھا کے میں نے کاؤنٹر پر رکھا اور بریف کیس کھولنا شروع کیا۔ اب میں نے کہا یا اللہ ہو گا کیا اس کے بعد' یہ جو اس میں رکھا ہوا ہے مال مصالحہ' اسے دیکھ کر کہہ دے کہ واپس جاؤ اپنے ملک۔ تو ٹھیک ہے میں تو واپس ہو جاؤں گا مگر مجلسوں کا کیا ہو گا؟ یہ مجلسیں کون پڑھے گا؟ پریشان ہوا۔ یا اللہ تو مدد کر' مصیبت سے نجات دے' فوراً آٹو میٹکلی ایک سکنڈ کے اندر اندر ذہن میں یہ خیال آیا کہ جب حضورؐ اپنے گھر سے نکل کر مدینے تشریف لئے جا رہے تھے تو حضورؐ نے ایک آیت پڑھی تھی جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پیش کی کہ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہو' اس بھوتنی کی دو آنکھوں پر پردہ ڈال دے۔ چنانچہ جناب والا میں نے سوٹ کیس کو دھیرے دھیرے کھولنا شروع کیا اور زیر لب بڑبڑاتا جاتا ہوں کہ "وجعلنا من بین ایدیھم سد ومن خلفھم سد فاغشینھم فھم لا یبصرون" یہ زیر لب بڑبڑاتا جاتا ہوں اور بریف کیس۔ بس خدا کی قسم کھا کر آپ کے سامنے کہتا ہوں کہ اس عورت نے صاحب جو پرائیوٹ خطوط تک تھے وہ تک پھاڑ پھاڑ کے دیکھے کہ کیا ہے اور وہ تصویر نظروں کے سامنے رکھی ہے مگر وہ نہیں دکھائی دیتی۔ اسی مجلس کی قسم کھا کے آپ کے سامنے کہتا ہوں'

اب جب میں نے یہ دیکھا کہ جتنی تیز اس کے ہاتھ چلنے لگے اتنی اتنی تیز میری زبان چلنے لگی' اس لئے کہ میں نے دیکھا کہ منتر تو کام کر رہا ہے۔ آپ یقین مانئے کہ بیس منٹ تک ایک ایک چیز وہ ٹٹولتی رہی اور وہ ڈھونڈ رہی تھی لیکن وہ تصویر اس کی نظروں کے سامنے رکھی ہوئی تھی اور اسے نہ دکھائی دی۔ بیس منٹ کے بعد اس نے مجبور ہو کر بریف کیس بند کر دیا اور مجھے اشارہ کیا کہ آگے بڑھ جایئے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اب میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس غیبت کا مشاہدہ تو میں نے خود کیا کہ اللہ نے اپنی قدرت کا مظاہرہ کرا دیا کہ ہم چاہیں تو نائب امام کی تصویر کو دشمن کی نظر سے چھپا سکتے ہیں۔ تو جو نائب امام کی تصویر کو چھپا سکتا ہے اس نے اگر امام کو چھپا دیا ہو تو کون سی حیرت کی بات ہے۔ صلوٰۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ۔"

اور اب آپ میرے بھائی ہیں' میں چپکے سے یہ بات بتائے دیتا ہوں۔ میں نے تو بار بار آزمایا ہے۔ آپ بھی اس آیت کو یاد رکھئے کبھی چکر میں پھنسیے گا تو پڑھ کر آزما لیجئے گا۔ میں یہی آیت پڑھ کر نکل جاتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے بھائی صاحب میری بھی عزت آبرو بچایئے گا۔ ایسی چیزیں کبھی نہ لے جایئے گا اس آیت کے زور پر۔ مطلب یہ کہ افیم اور ہیروئین کو چھپانے کی کوشش نہ کیجئے گا ورنہ وہاں پر یہ آیت کام نہیں کرے گی۔ ہاں کوئی جائز چیز آپ لے کر جا رہے ہیں اور ہندوستان و پاکستان کے کسٹم کے اصولوں کو آپ جانتے ہیں اور وہاں پر آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ خوامخواہ ہم کو پریشان کر سکتے ہیں تو آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ جب چاہیں اس آیت کو آزما کر دیکھ لیں۔ بریف کیس کھولئے اور زبان چلے۔ اور پھر اس آیت کے اثرات کو آپ دیکھئے کہ کسٹم آفسر کی آنکھ پر پردے نہ پڑ جائیں تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

تو برادران عزیز۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ آج بھی موجود ہے اپنی طاقت کے ساتھ موجود ہے اپنی قوت کے ساتھ موجود ہے۔ ایک صلوٰۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ ....

اور آج مجھے یہی بات آپ کے سامنے عرض کرنا تھی۔ اسلام کی بنیاد کس بات پر ہے؟ اسلام کی بنیاد دو چیزوں کے اوپر' یہ کائنات خود بخود نہیں بن گئی ہے' کسی پیدا کرنے والے نے بنایا ہے۔ یعنی اللہ اور آخرت کا دن' یہ چاروں اسلامی عقائد کی بنیاد ہیں۔ اسی کے اوپر نبوت اور امامت کی دیواریں اٹھی ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے زمانے میں ہے کوئی انسان کہ جو یہ کہہ سکے کہ اللہ کو ہم نہیں مانتے۔ جی بہت سے ہیں ایسے..... دیکھئے اس میں اللہ کا انکار کرنے والوں کی بہت زیادہ غلطی بھی نہیں ہے۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تو دیکھئے آپ کہ مختلف مذاہب نے خدا کا تصور کیا پیش کیا ہے؟ اب سارے مذہبوں کو جانے دیجئے...... نے توحید کی کیا گت بنائی ہندو مت نے اللہ کو اور اس کے تصور کو کیا برباد کیا۔ ان کی اس کو جانے دیجئے' اس کو تو ہونا ہی تھا۔ رہا اسلام' تو اس کی بنیاد ہے خالص توحید کے اوپر کاش ہم اور آپ اپنی کتابوں کو دیکھیں تو ملاحظہ فرمائیں کہ یہاں بھی اللہ ہمیں کس شکل میں دکھائی دے رہے ہیں تو ایسے اللہ کا تو میں خود ہی انکار کر دوں گا' سب سے پہلے۔ یعنی وہ اللہ جو مجھے آیات میں نہیں دکھائی دے رہا ہے بلکہ روایات میں دکھائی دے رہا ہے اس اللہ کو ماننے کو تیار ہوں جو آیات میں ہے روایات کے اللہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں' بتاؤں آپ کو روایات میں کیا کیا ہے' جو معتبر ترین کتابیں ہیں صحاح ستہ کے نام سے ان کے حوالے سے یہ معتبر ترین حدیث آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ کہ دیکھئے ہم نے اور

آپ نے کیا گت بنادی اللہ کی۔ کہ ایسے اللہ کو مانا جائے قرآن مجید نے کہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ جہنم میں 'جب جہنم میں لاکھوں کروروں انسان جھونکے جاچکے ہوں گے تو کہے گا اور چاہئے ہیں یا بس 'تو جہنم سے جواب آئے گا کہ اور کچھ ہیں تو بھیج دے 'میرا پیٹ اپنی جگہ موجود ہے 'اب مسلمان مفسرین نے یہاں پر یہ لکھ دیا کہ جب جہنم کہے گا کہ نہیں ابھی تو میرا پیٹ نہیں بھرا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی ٹانگ جہنم کے اندر رکھ دیں گے اور ایک ٹانگ اتنی بھاری ہو گی کہ جہنم کہے کہ بس 'بس 'بس 'بس کافی ہے۔ جی۔ اب بھیا مجھے مسلمان سے کوئی شکوہ نہیں رہ گیا 'کل یا پرسوں کی مجلس میں میں نے آپ کے سامنے شکوہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو چین نہیں ہے 'جب تک دوسرے مسلمان کو جہنم میں ڈھکیل نہ دیں۔ میں کیا شکوہ کروں؟ بھئی جب مسلمانوں نے اللہ میاں تک کو جہنم میں پہنچادیا 'وہ اگر اس ناچیز کو جہنم میں پہنچادیں تو ان سے شکوہ ہی بے کار ہے۔ دیکھا آپ نے کیا گت بنی اللہ کی؟

اب اس کے بعد ایک اور روایت آپ دیکھیں۔ تفسیر ہے قرآن مجید کی کہ قیامت کے دن پنڈلی کھول جائے گی۔ میں اس وقت کسی کی تفسیر نہیں پیش کر رہا ہوں" تفسیریں اپنی جگہ پر ہیں 'اس وقت میں یہ دکھا رہا ہوں کہ لوگ یہ دیکھیں 'او 'ہو' قیامت میں پاؤں کھولا جائے گا۔ پنڈلی یہ حصہ لکھنو میں کہتے ہیں' پتہ نہیں آپ لوگ کیا کہتے ہیں ہمارے یہاں یہ حصہ جو ہے اسے پنڈلی کہا جاتا ہے 'ٹانگ کھولی جائے گی۔ تو اب انہوں نے ایک روایت.... وہی ہوا کہ تفسیر کو پیش کرنے کے لئے۔ ورنہ انہیں کیا پتہ کس کی ٹانگ کھولی جائے گی۔ انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ عربی زبان کا یہ محاورہ ہے کہ جب مصیبت زیادہ ہوتی ہے تو محاورتاً یہ کہا کرتے ہیں کہ ٹانگ کھول دی گئی۔ جیسے مصیبت آتی ہے تو پائنچے

اٹھا کے بھاگتا ہے نہ؟ ملاحظہ کیا آپ نے؟ تو یہ عربی زبان کا محاورہ ہے کہ سخت مصیبت کا دن ہو گا مگر مسلمانوں نے نفس کو دیکھا محاورے کو نہ دیکھا' کہا' قیامت کے دن تو پاؤں کھولا جائے گا۔ انہوں نے کہا اب کیا ہو؟ کس کا پاؤں کھولا جائے گا' انہوں نے کہا کہ قیامت کے دن جب مسلمان کہیں گے کہ اللہ میاں! زندگی بھر آپ کو سجدے کرتے رہے' آپ کے سامنے رکوع کرتے رہے' آپ کی حمد و ثنا بجا لاتے رہے' آپ کا دیدار تو ہم کو ہوا ہی نہیں' کیا قیامت کے دن ہم کو دیدار نصیب نہ ہو گا؟ تو مسلمان علماء کے حسب ذوق اللہ ایک خوبصورت جوان کی شکل میں نظروں کے سامنے آئے گا۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟

تو اب اللہ کو دیکھنے کے بعد ہی مسلمان کہیں گے کہ ہم نے تو آپ کو نہیں پہچانا' کیا ثبوت کیا ہے کہ آپ اللہ ہی ہیں۔ ذرا دیکھئے کیا کیا مضحکات ہیں اس روایت میں' یہ قیامت میں کہہ رہے ہیں کھڑے۔ قیامت میں اک اور قیامت کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوا ہے' وہ کہہ رہا ہے کہ میں تمہارا خدا' یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کیسے مانیں کہ آپ ہمارے خدا ہیں۔ کیسے پہچانیں؟ اس وقت روایت بتاتی ہے کہ جب مسلمان کہیں گے کہ ہم نے نہیں پہچانا آپ کو' تو اللہ جلدی سے اپنا پاؤں جو ہے وہ کھول دے گا۔ اور بس اللہ پاؤں کھولے گا' مسلمان سجدے میں گر پڑیں گے کہ اب پہچان لیا اللہ کو۔ چہرہ دیکھ کے نہیں پہچانا' ٹانگ دیکھ کے پہچان لیا۔ یہ منطق بھیا میری سمجھ میں نہیں آتی اور اگر یہ منطق صحیح ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ جو لات کا آدمی ہوتا ہے وہ بات سے نہیں مانتا۔

تو اب جب ایسے ایسے تصورات' اسلامی روایت میں موجود ہیں تو آپ اندازہ کر لیجئے کہ دوسروں کے مذہبوں میں کیا گت بنی ہو گی؟ تو ایسے اللہ کو ان سے میں کیا کہوں' میں خود ہی نہیں مانتا۔ میں کسی ایسے اللہ کا قائل نہیں ہوں'

جو نظروں میں سما جائے۔ میں اس اللہ کا قائل ہوں کہ جس کے لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ لا تدرکہ الابصار .... نگاہیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں وہ سب کو دیکھتا ہے۔ میں اس اللہ کا قائل ہوں جس کو پہچنوایا ہے رسولؐ نے' میں اس اللہ کا قائل ہوں جس کو پہچنوایا ہے مولائے کائنات نے 'نہج البلاغہ' نے۔"

اب جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ اللہ ہے یا نہیں؟ اب جس سرزمین پر آپ بیٹھے ہیں' بس یں ایک انسان کی بات کہہ دوں' بس منزل صاحب سامنے آ جائے گی اگر موقع ہوا تو باقی باتیں انشاء اللہ عرض کروں گا۔ جس سرزمین پر آپ بیٹھے ہیں' یہاں ایک بہت بڑا فلسفی گزرا ہے۔ بہترین لکھنے والا' میں بھی اس کا کلمہ پڑھتا ہوں' میرے یہاں عصبیت نہیں ہے۔ اس کا نام ہے...... یہ سب آپ کو معلوم ہے کہ وہ اللہ کو نہیں مانتا تھا' لیکن میں نے آپ کے سامنے بغیر کسی جھجک کے کہہ دیا کہ میں اس کی عظمت کا قائل ہوں' واقعی اس کو میں بڑا انسان سمجھتا ہوں' اس نے لکھا ہے کہ میں اللہ کو مانتا تھا' خالق کو مانتا تھا' لیکن میرے سامنے ایک ایسا سوال آ گیا کہ اس کا جواب مجھ کو کہیں نہ ملا اس لئے میں نے اس کے وجود سے انکار کر دیا۔ کہا' بھائی آپ کے سامنے کیا سوال آ گیا؟ تو اس نے کہا' میرے سامنے یہ سوال آ گیا کہ درختوں کا پیدا کرنے والا اللہ' جانوروں کا پیدا کرنے والا اللہ' زمین کا پیدا کرنے والا اللہ' چاند کا پیدا کرنے والا اللہ' میرا پیدا کرنے والا اللہ' تو اب اس سے یہ نظریہ بنا کہ ہر شئے کے لئے پیدا کرنے والا ہونا ضروری ہے' ہر مخلوق کے لئے خالق کا ہونا ضروری ہے۔ تو اب اسی سے میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا کہ جب ہر شئے کا پیدا کرنے والا وہ ہے تو اس کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اس سوال کا مجھے کہیں جواب نہ ملا اس لئے میں نے اللہ کے وجود سے انکار کر دیا۔ اللہ اکبر' اتنا

بڑا فلسفی اتنا بڑا تھنکر'........ کاش وہ یہاں پر ہوتے تو میں ان سے سوال کرتا کہ میرے محترم' آپ نے یہ فرمایا کہ چونکہ آپ کو اللہ کا پیدا کرنے والا نہ ملا' اس لئے آپ نے اللہ کے وجود سے انکار کر دیا' کیونکہ آپ کو خالق نہ ملا' اس لئے آپ نے اور اور بیجل خالق کے وجود سے انکار کر دیا' تو اب نتیجہ کیا نکلا؟ اک نتیجہ آپ نے نکالا تھا' اک نتیجہ میں نکالتا ہوں۔ اب میں جو نتیجہ نکالتا ہوں آپ کے اس فارمولے کے حساب سے کہ جب کسی شئے کا پیدا کرنے والا نہ ملے تو خود اس شئے کے وجود سے انکار کر دیا جائے۔ مسٹر رسل نے خالق کے وجود سے اس لئے انکار کر دیا کہ ان کو خالق کا خالق نہ ملا' کریٹر کا کریٹر نہ ملا' اس لئے انہوں نے اس کریٹر کے وجود سے انکار کر دیا۔ تو نتیجہ تو یہی نکالتا کہ جس شئے کا خالق نہ ملے' کریٹر نہ ملے تو اس کے وجود سے انکار کر دیا جائے۔ تو میں کہتا ہوں کہ مسٹر رسل' وہ خالق تو گیا۔ اب یہ فرمایئے کہ اس کائنات کا خالق کون؟ ارے یہ بتائے کہ خود آپ کا پیدا کرنے والا کون؟ کہ جو فلاسفی آپ نے پیش کی ہے اس کے تحت خود آپ کو اس میں یونیورس کے وجود سے انکار کرنا پڑیگا' اس لئے کہ اس کا خالق نہیں ہے' خود آپ کو اپنے وجود سے انکار کرنا پڑے گا' اس لئے کہ اس کا کوئی کریٹر نہیں ہے۔ یہ جھول کیوں پیدا ہوا؟ یہ صرف اس لئے کہ منطق کے ایک معمولی اصول کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ مثال دے دوں تو بات آپ سمجھ لیں گے۔ میں نے آپ سے پوچھا' آپ کاہے پر بیٹھے ہوئے ہیں؟ آپ نے کہا' زمین پر۔ میں نے کہا' کرسیاں کاہے پر رکھی ہیں؟ آپ نے کہا زمین پر' میں نام لیتا چلا گیا اور آپ نے کہا زمین پر' زمین پر' زمین پر۔ اور جب ہزاروں چیزوں کے بارے میں آپ سے جواب لے چکا کہ ہر شئے ٹکی ہے زمین پر۔ تو میں نے کہا ذرا یہ بتایئے کہ زمین کاہے پر ٹکی ہے؟ تو

آپ کہئے یہ تو کہہ دوں کہ زمین ٹکی ہے گیا کی سینگوں پر اور گائے جب اپنے سر کو ہلاتی ہے تو زمین میں زلزلہ آجاتا ہے۔ جی۔ کہئے تو یہ کہہ دوں' مگر آپ خود بتائیے انصاف سے کوئی ماننے پر تیار ہوگا؟ آپ کا سوال ہی ایسا کر رہے ہیں۔ تو آپ کہیں گے کہ منطق کا اصول یہ ہے کہ زمین اصل اور فرع کو ایک لیبل پر رکھ کر سوال نہیں کیا جاسکتا۔ زمین اصل ہے' زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں اس کی شاخ ہیں۔ ان دونوں کو ایک لیبل پر رکھ کر کو تخمین نہیں کیا جاسکتا ہے لاجیکلی۔ تو برادران عزیز۔ جب زمین اور زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کو ایک لیبل پر رکھ کر کو تخمین نہیں کیا جاسکتا ہے' تو خالق اور مخلوق کو ایک لیبل پر رکھ کر کیسے سوال کیا جاسکتا ہے؟ کہ جب مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے تو خالق کا پیدا کرنے والا کیا ہوگا۔ برادران عزیز' بچے میرے سامنے بیٹھے ہیں' اس لئے مزید وضاحت کردوں کہ دنیا کا اصول ہی یہ ہے کہ یہاں ہر شئے کہیں نہ کہیں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ اب سامنے کی مثال میں آپ کے سامنے پیش کردوں۔ یہ ہال موجود ہے۔ اچھا اس ہال میں' کم از کم میرے پورشن جو ہے اتنا روشن ہے کہ نہیں؟ میں نے آپ سے پوچھا اس کو کس نے روشن کیا؟ تو آپ نے کہا کہ نور نے' اب اگر پوچھوں کہ نور کو کس نے روشن کیا؟ اب آپ اس سوال کا جواب تو نہیں دے سکتے۔ یہاں پر ختم ہوگئی بات' ملاحظہ فرمایا آپ نے کوئی بھی شئے دنیا کی ہو' ہمیشہ وہ جا کر کسی نہ کسی نقطے پر تھک جایا کرتی ہے۔ تو جب ہر شئے کسی نہ کسی نقطے پر جا کر تھک جایا کرتی ہے تو مخلوق کا سلسلہ بھی تھک جاتا ہے جا کر خالق کے نقطے کے اوپر۔ صلوٰۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ.....''

دوسری بات جو آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ یہ دیکھئے کہ خالق کے اور خدا کے ماننے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اور خدا کے نہ ماننے سے

کیا نقصان ہوتا ہے۔ مگر میں سچے عقیدے کی بات کر رہا ہوں' برادران عزیز۔ ہماری سولائزیشن' اور ہماری تہذیب کی ایک تاریخ ہے۔ آپ دیکھ لیں وہ سولائزیشن کو' وہ تہذیب' وہ تمدن کہ جہاں یااللہ کو نہیں مانا جاتا' یااللہ کو برائے نام مانا جاتا ہے۔تبی وہاں آپ کو دو چیزیں ملیں گی' یا سوسائڈ ملے گی یعنی یا جان دے دینا' یا دوسرے کی جان لے لینا' یہاں کیا ہوتا ہے اس کی مجھے خبر نہیں لیکن امریکہ جہاں میں جاتا رہتا ہوں وہاں اچھی طرح جانتا ہوں۔ دنیا میں سب سے زیادہ سوسائڈی ریشیو اگر ہے تو امریکہ میں' اور دنیا میں جو سب سے زیادہ کرائم ہوتی ہے اور قتل و غارت گری ہوتی ہے تو امریکہ میں۔ بلکہ وہاں پر ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم کو کسی لاش کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر مزہ آتا ہے۔ سنا صاحب آپ نے' اب یہ نیا مزہ پیدا ہو گیا ہے کہ کوئی تڑپ رہا ہے' کوئی جان دے رہا ہے۔ شوٹ کر دیا اور وہ تڑپ رہا ہے لیکن دیکھنے میں ہم کو مزہ آتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں خدا کا تصور کمزور پڑ جاتا ہے یا نہیں ہوتا ہے وہاں دو رجحان آگے چلتے ہیں۔ یا جان دے دینا خود کشی کے ذریعہ یا دوسرے کی جان لے لینا۔ اور جہاں خدا کا صحیح تصور ہوتا ہے وہاں بھی دو جذبے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ جان دوسرے کی بخش دینا' دوسرے یہ کہ حق پر وقت پڑے تو اپنی جان دے دینا۔ یہ مذہبوں کی تاریخ ہے اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے یہ دنیا کی تاریخ ہے اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔ جان بخشنا اور دوسرے کی جان لینا نہیں بلکہ وقت پڑے تو اپنی جان دے دینا۔"

آپ حسینؑ کا ذکر سننے کے لئے آئے ہیں نا؟ بتائیں آپ کو حسینؑ نے کس کس کی جان بخشی تھی؟ بتاؤں؟ جنگ صفین اور شمر' جو حسینؑ کا قاتل' وہ آج علیؑ کے مقابلے میں تھا' گرفتار ہو گیا' گرفتار ہو کر علیؑ کے سامنے آیا' علی

ایسے کریم نے حکم دیا کہ اسے قتل کردو' یہ بڑا ظالم اور خونی ہے' اسے قتل کردو۔ بہت اس نے جرائم کئے ہیں' علی کے سپاہیوں نے رسیوں میں جکڑا اس کو' لے کر جا رہے تھے قتل گاہ کی طرف قتل کرنے کے لئے۔ کہ اس کا گزر ہوا حسینؑ کی طرف سے۔ اس نے حسینؑ کو دیکھا' چہرہ زرد' آنکھوں میں آنسو' جسم میں تھرتھری' کہا' فاطمہؑ کے لال! میرے بچوں کو یتیم ہونے سے بچالو' میری عورت کو بیوہ ہونے سے بچالو' حسینؑ! میں جانتا ہوں کہ اگر تم میری سفارش کردو گے تو تمہارے بابا تمہاری سفارش کو رد نہیں کریں گے' میری جان بچالو حسینؑ! حسینؑ کو ترس آگیا' شمر کا بازو پکڑا' لے کر علیؑ کے سامنے آئے' کہا بابا! مجھ سے اس کے جسم کی تھرتھری دیکھی نہیں جاتی۔ اس کی آنکھوں کے آنسو دیکھ کر مجھے ترس آ رہا ہے' میرے بابا' اس کا چہرہ زرد ہے' مجھے ترس آ رہا ہے اسے معاف کر دیجئے' اسے چھوڑ دیجئے' اسے آزاد کر دیجئے' تاریخ بتاتی ہے کہ علیؑ نے حسینؑ کے چہرے کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد کہا' حسینؑ! تم سفارش کر رہے ہو۔ تمہاری سفارش تو کبھی رسولؐ نے بھی نہیں ٹالی تو میں تمہاری سفارش کیسے ٹال سکتا ہوں' اچھا جاؤ' اسے آزاد کر دو۔ اور اس سے کہہ دو کہ یہ اپنے کیمپ میں واپس ہو جائے مگر راوی کہتا ہے کہ یہ کہتے کہتے میں نے علیؑ کے چہرے کو دیکھا' تو یہ دیکھا کہ علیؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ گویا علیؑ مستقبل کے آئینے میں دیکھ رہے تھے کہ حسینؑ کس کی جان بخشوا رہے ہیں' ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ یہ ہے کردار حسینؑ کا' اللہ اکبر۔ یہ کردار ہے حسینؑ کا اور وہ کردار ہے شمر کا کہ جس حسینؑ نے شمر کے گلے سے تلوار کی دھار کو ہٹایا تھا وہی شمر اب خنجر بکف اب حسینؑ کے سینے کے اوپر سوار ہے۔

اسی لئے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ کربلا کے میدان میں انسانیت جتنی

اونچی ہوئی تھی اس سے پہلے کبھی اونچی نہیں ہوئی تھی اور جتنی پست ہو گئی تھی' اس سے پہلے کبھی پست نہیں ہوئی تھی۔

بس عزادارانِ حسینؑ! منزل مصائب نظروں کے سامنے ہے۔ آج محرم کی پانچ تاریخ ہو چکی ہے۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کل میں لندن میں آیا تھا' اور آج پانچ محرم ہو گئی۔ اتنی تیزی سے یہ وقت گزر رہا ہے' کل چھ محرم اور پرسوں سات محرم اور اس کے بعد آٹھ محرم' اور پھر شب عاشور اور پھر حسینؑ آپ سے رخصت' ختم ہو گیا۔ چھ محرم کو آپ شبیہ پیغمبر کے مصائب آپ سنیں گے یعنی کل سات محرم کو یتیم حسنؑ کا حال عرض کیا جائے گا۔ آٹھ محرم کو قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباس کے مسائل آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اور نو محرم کو' نو محرم کی مناسبت سے جو مصائب پیش کئے جاتے ہیں وہ بھی آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ آج پانچ محرم کو میں حسینؑ کے ایک صحابی کا' اور حسینؑ کے بچوں میں سے دو بچوں کا حال عرض کرنا چاہتا ہوں اور اسی کے ساتھ آپ کی زحمت کو ختم کر دینے کا ارادہ ہے۔

حسینؑ کا کون سا صحابی؟ تاریخ کربلا بتاتی ہے کہ حسینؑ کربلا کے میدان میں پہنچ چکے ہیں۔ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر چکے ہیں کہ ایک دولہا' جس کی شادی کو ابھی چند دن ہوئے تھے' اپنی دلہن کو رخصت کر کے اپنے گھر کوفے کی طرف جا رہا تھا' راستے میں کربلا پڑی' تو لشکروں کا ہجوم دیکھ کر' ماں نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا ذرا دیکھو' یہ کس کا لشکر ہے' کسے گھیرے ہوئے ہے' بیٹا گیا خبر لینے کے لئے' واپس آیا تو تھر تھراتا ہوا' کانپتا ہوا' کہا' ماں بڑا غضب ہو گیا۔ کہا کیسا غضب؟ کہا کہ یہ بنی امیہ کا لشکر ہے اور گھیرے ہوئے ہے فاطمہؑ کے لال کو۔ بس یہ سننا تھا کہ ماں نے کہا' بیٹا! کیا واقعی ایسا ہے جو تو کہتا ہے؟

کہا کہ ہاں! حسینؑ کے مٹھی بھر ساتھی ہیں اور ہزاروں کا لشکر ہے کہ جو حسینؑ اور حسینؑ کے ساتھیوں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اے مادر گرامی! اب کیسی شادی اور کیسی رخصتی' اور کیسی بیوی اور کیسی دلہن؟ اب تو فاطمہؑ کا چاند نرغے میں گھرا ہوا ہے۔ اب تو میں گھر نہیں جاؤں گا۔ اب تو مجھے حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ ماں نے دعائے خیر دی' اور دلہن بجائے رخصت ہو کر کوفے جانے کے حسینؑ کے خیموں میں پہنچا دی گئی۔ تین آدمی حسینؑ کے کارواں میں اور بڑھ گئے۔ ایک وہب ابن عبداللہ دولھا جو تھا' ایک اس کی دلہن اور ایک وہب کی ماں۔

برادران عزیز۔ یہ کارواں چھوٹا سا آگے حسینؑ کے قافلے میں مل گیا۔ صبح عاشور نمودار ہوئی' دفتر قربانی حسینؑ کا کھل گیا' ایک کے بعد دوسرا مجاہد کربلا کے میدان میں جاتا رہا' اور اپنی جان کی قربانیاں پیش کرتا رہا۔ جب بہت سے انصار شہید ہو گئے تو ایک مرتبہ وہب آیا' اور آنے کے بعد چاہا کہ مولا سے اجازت لے لے۔ مگر جب وہب اجازت لینے کے لئے آئے تو نئی دلہن نے گوشۂ چشم کے اشارے سے اپنے دولہا کو قریب بلایا' ماں خیمے سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی' ایک مرتبہ ماں نے کہا' کہیں ایسا نہ ہو کہ بیوی روک دے کہ میرا سہاگ اجڑ جائے گا۔ تو کہا کہ بیٹا! ٹھیک ہے' تجھ پر تیری بیوی کا حق ہے لیکن میرا ابھی تجھ پر حق ہے۔ اگر تو نے بیوی کے کہنے میں آکر فرزند رسولؐ کے اوپر سے جان قربان کرنے سے انکار کیا تو میں تیرا دودھ نہ بخشوں گی۔ میں تجھ سے راضی نہ ہوں گی۔ بس یہ سننا تھا کہ دلہن نے جواب دیا کہ مادر گرامی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں' میں حسینؑ پر جان فدا کرنے سے اپنے شوہر کو کبھی روک سکتی ہوں' کہا کہ پھر کیا بات ہے؟ کہا کہ جائیں اور شوق سے جائیں

مگر چل کر حسینؑ کے سامنے دو شرطیں کرلیں۔ کہا کیا شرطیں؟ کہا کہ مولا کے سامنے بیان کروں گی۔ چنانچہ آگے آگے وہب اور ان کے پیچھے وہب کی نئی دلہن۔ آئے دونوں امامؑ کے سامنے "کہا مولا میرا وارث آپ پر قربان ہونے کے لئے جارہا ہے۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ وہب آپ کے سامنے دو وعدے کرلیں' امامؑ نے پوچھا کیا وعدے؟ کہا کہ پہلا وعدہ تو یہ ہے کہ وہب مجھے یہ اطمینان دلادیں اور آپ بھی اس بات کی ضمانت لے لیں کہ جب میرا شوہر شہید ہو جائے گا تو آپ مجھے زینبؑ کے ساتھ کردیں گے۔ حسینؑ نے پوچھ لیا کہ کیوں؟ جواب سنیں گے "کہا مولا اس لئے کہ میں تو ایک مسافر ایک غریب عورت ہوں۔ میری عزت و حرمت کا کون خیال رکھے گا۔ لیکن ہاں 'اتنا مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں کو اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ زینبؑ کی چادر پر ہاتھ ڈالیں' اس لئے میں اگر زینبؑ کے ساتھ ساتھ رہوں گی تو جہاں زینبؑ کا پردہ رہ جائے گا اور جہاں زینب کی عزت محفوظ ہو جائے گی وہیں میری بھی عزت محفوظ ہو جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ وہب کی بیوی تجھے خبر نہیں ہے کہ عصر عاشور کے بعد خیموں میں آگ لگی ہوگی' شہزادیوں کے سروں سے چادریں چھن رہی ہوں گی۔ یہی علی کی بیٹی وا محمدا' وا علیا کے نعرے بلند کرتی ہوئی خیموں کے باہر نکل رہی ہوگی۔

امامؑ نے پوچھا دوسری شرط کیا ہے؟ کہا مولا دوسری شرط یہ ہے کہ وہب میرے سامنے اس بات کا اقرار کریں کہ جب تک میں نہ جاؤں گی اس وقت تک یہ جنت میں قدم نہ رکھیں گے۔ وہب نے کہا' جنت کے شاہزادے حسینؑ ابن علیؑ! آپ کے سامنے اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک یہ مومنہ عورت نہ آجائے گی' جنت میرے سامنے ہوگی مگر میں اس میں قدم نہ رکھوں گا۔

بس یہ کہہ کر اجازت لے لی امام سے۔ جوان اور بہادر وہب کربلا کے میدان میں آئے اور بہت بہادری اور شجاعت کے ساتھ جنگ کی۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہم تنہا وہب کو قتل نہیں کر سکتے۔ میں نے تاریخ میں دیکھا ہے کہ پسر سعد کے حکم سے ایک سپاہی کے اوپر لشکر ابن زیاد کے ایک ہزار سپاہیوں نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ ایک کے اوپر ایک ہزار کا حملہ۔ بس جب یہ منظر بیوی نے دیکھا تو تڑپ کر خیمے کے باہر آ گئی اور اپنے شوہر کو آواز دینے لگی کہ شوہر گھبراتا نہیں' لشکر کا ہجوم دیکھ کر پریشان نہ ہو جانا۔ مولا کی نصرت میں کمی نہ کرنا۔ عزاداران حسینؑ! یہاں تک کہ اس لشکر کو احساس ہو گیا کہ ہم یوں وہب پر قابو نہیں پا سکتے ہیں اس لئے وہب کے دونوں ہاتھ یکے بعد دیگرے کاٹ دئے۔ اب جب زوجہ نے یہ منظر دیکھا تو محبت نے جوش کیا' دوڑتی ہوئی آ گئی۔ اب جب وہب نے یہ دیکھا کہ زوجہ آ گئی میدان میں ایک مرتبہ تڑپ کر نظر کی حسینؑ کی طرف' اب ہاتھ کٹ گئے تھے کچھ کر نہیں سکتے تھے' کہا مولا' بڑا غضب ہو گیا' یہ ناموس اور عزت کا معاملہ ہے' میری بیوی میدان کے اندر آ گئی ہے۔ اب اسے واپس بلا لیں۔ حسینؑ آئے' اور وہب کی زوجہ کو سمجھا بجھا کر لے گئے اور خیمے کے اندر پہنچا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ وہب! تم سے اپنی زوجہ کا خیمہ کے باہر آنا دیکھا نہ گیا۔ ارے کاش تم اس وقت ہوتے جب زینبؑ و ام کلثومؑ خیموں کے باہر نکل رہی تھی۔ بس عزاداران حسینؑ! روایت آخری منزل پر پہنچ رہی ہے۔ یہاں تک کہ وہب شہید ہو گئے اور روایت بتاتی ہے کہ لشکر والوں نے وہب کا سر کاٹ کر زوجہؑ وہب کی طرف اچھال دیا۔ وہب کی بیوی کے پاس جب سر آیا عزادارو' تو روایت بتاتی ہے کہ زوجہ نے سر اٹھایا' سینے سے لگایا' منھ پر منھ رکھا اور اس کے

بعد سر زمین پر رکھا اب برداشت نہ ہوا' ہاتھ میں تلوار نہ تھی تو خیمے کا عصاء لے کر لشکر ابن زیاد پر حملہ آور ہو گئی۔ اب اس کے بعد لشکر والوں نے آگے بڑھ کر اس مؤمنہ کو قتل کر دیا۔ اگر آپ کہیں تو میں کہوں کہ وہب کی زوجہ تو مؤمنہ کاملہ ہے اس میں کوئی شک نہیں' مگر بس یہ تیرے صبر کی منزل ہے کہ تیرے سامنے ایک سر آیا تو تو اس کو برداشت نہ کر سکی اور لشکر پر حملہ کر دیا۔ لیکن ذرا آ کر بازار کوفہ و شام میں زینبؑ کے دل کی خبر لے کہ جس کے چاروں طرف سروں کا ہجوم ہے۔ ادھر عباسؑ کا سر ہے' ادھر علیؑ اکبر کا سر ہے' ادھر قاسمؑ کا سر ہے' ادھر عون و محمد کا سر ہے۔

بس عزادارانِ حسینؑ! یہ حسینؑ کا ایک صحابی۔ اور اس کے بعد دو بچوں کا حال عرض کر دوں' اور آپ کی زحمت ختم کر دوں۔ یہ دو بچے کون؟ یہ زینبؑ کے لاڈلے۔ ایک کا نام عون اور دوسرے کا نام محمد۔ شب عاشور امام اس خیمہ میں داخل ہوئے کہ جہاں زینبؑ کبریٰ کا قیام تھا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شہزادی اپنے دونوں بچوں کو سینے سے لگائے کچھ کہہ رہی ہیں۔ کچھ سمجھا رہی ہیں۔ حسینؑ نے پوچھا بہن زینبؑ! اپنے بچوں کو کیا سمجھا رہی ہو؟ زینبؑ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ٹال گئیں شاہزادی۔ بات ختم ہو گئی۔ صبح عاشور نمودار ہوئی۔ جب اصحاب ختم ہو گئے' انصار ختم ہو گئے' بنی ہاشم کی باری آئی۔ عزادارانِ حسینؑ! آخر وہ منزل بھی آ گئی کہ جب دونوں بھانجوں نے ماموں کے سامنے آ کر ہاتھ جوڑ کے کہا کہ ماموں جان! اب ہم کو بھی مرنے کی اجازت دیجئے۔ حسینؑ نے اجازت دی' دونوں بچوں نے آ کر لشکر ابن زیاد کے اوپر حملہ کیا۔ اور ایسا حملہ کیا کہ لوگوں کو علیؑ کی شجاعت یاد آ گئی۔ یہاں تک کہ دونوں بچے زخموں سے چور ہو کر گھوڑوں سے گرے۔ حسینؑ نے دونوں بچوں کی لاشیں

اٹھائیں۔ لا کر خیمہ میں زینبؑ کے سامنے رکھ دیں۔ زینبؑ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ کہ معبود کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجا لائیں۔ پالنے والے تیرا شکر یہ کہ میری قربانی قبول ہو گئی۔ میرے بچے میرے بھائی کے اوپر سے نثار ہو گئے۔ سجدے سے سر اٹھایا تو حسینؑ نے کہا کہ بہن زینبؑ! تمہیں یاد ہے کہ جب کل رات میں تمہارے پاس خیمے میں آیا تھا تو میں نے یہ منظر دیکھا تھا کہ تم اپنے بچوں کو سینے سے لگائے ہوئے کچھ سمجھا رہی ہو اور جب میں نے تم سے پوچھا کیا سمجھا رہی ہو تو تم نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن میں سمجھ گیا کہ تم کیا سمجھا رہی ہو۔ زینبؑ نے فرمایا کہ بھیا کیا سمجھے آپ؟ کہا کہ میں یہ سمجھا کہ تم رخصت ہونے کے بعد اور میری اجازت کے بعد جب یہ دونوں بچے لشکر پسر سعد کے سامنے آئے اور لشکر پسر سعد کے سپاہیوں نے ان دونوں بچوں سے دستور عرب کے مطابق پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارا باپ کون ہے؟ تمہاری ماں کون ہے؟ تمہارا کس خاندان سے تعلق ہے؟ تو ان بچوں نے جواب دیا کہ حسینؑ کی ایک کنیز ہے ہم اس کے فرزند ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ زینب کل یہی بچوں کو سمجھا رہی تھیں کہ اگر تم سے لشکر پسر سعد کے سپاہی پوچھیں تو یہ نہ کہنا کہ ہم زینبؑ کے بیٹے ہیں۔ یہ نہ کہنا کہ ہم جعفر کی اولاد ہیں۔ یہ نہ کہنا کہ ہم حسینؑ کے بھانجے ہیں بلکہ یہ کہنا کہ حسینؑ کی ایک کنیز ہے ہم اس کے فرزند ہیں۔ لیکن میری بہن جب ان بچوں نے حملہ کیا تو لشکر والے خود پکار اٹھے کہ تمہارا انداز جنگ بتا رہا ہے کہ تم زینبؑ کے بیٹے ہو تمہاری رگوں میں علیؑ کا خون دوڑ رہا ہے"۔

☆☆☆

چھٹی مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخسرین "(آل عمران آیت ۸۵)

برادران عزیز۔ اس آیت کریمہ میں ارشاد اقدس الٰہی ہو رہا ہے کہ کوئی بھی انسان اگر اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کرے گا تو وہ دین اس سے اکسپٹ نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسا انسان جب آخرت کی زندگی میں داخل ہو گا تو اسے خود اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ اس نے اسلام کو چھوڑ کر اپنا ہی نقصان کیا تھا۔

کل بات کو جہاں میں نے چھوڑا تھا وہیں سے اٹھانا چاہتا ہوں۔ برٹن رسل نے حضور الٰہی کے سلسلے میں اور خدا کے ڈشمن کے سلسلے میں جو شبہ پیش کیا تھا اس کا تجزیہ میں آپ کے سامنے کر چکا۔ ایک دور ایسا ضرور آیا ہے کہ جب دنیا کے سائنٹسٹ کی مجارٹی اور اکثریت خام نالج کی وجہ سے زیادہ تر خدا کے وجود کی انکار کرنے والی تھی۔ لیکن جتنا جتنا زمانہ آگے بڑھتا جاتا ہے اور ہماری نظر گہرائیوں تک پہنچتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہم اس پورے یونیورس میں اور پوری کائنات میں جو عجیب و غریب و بے مثال نظم و ضبط، ڈسپلن دیکھتے ہیں کہ جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا تو آج کا انسان یہ ماننے کے لئے مجبور ہو رہا ہے اور یہ جملہ میرا نہیں ہے۔ یہ اس صدی کے مشہور ترین سائنٹسٹ اور مفکر آئن اسٹائن کا جملہ ہے کہ جب ہم اس یونیورس کے نظام کو دیکھتے ہیں اور

یہاں کی تنظیم کو دیکھتے ہیں تو ہماری عقل یہ ماننے کے لئے مجبور ہو جاتی ہے کہ کوئی ایبسلوٹ سسٹم ہے جو اس کارخانے کی نگرانی کر رہا ہے۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے امریکہ کی سائنٹفک سوسائٹی کے پریسیڈنٹ کا ایک آرٹیکل ایڈرس ڈائجسٹ میں چھپا تھا جس کی ہیڈنگ تھی کہ Seven Reasons یعنی وہ سات اسباب کہ جن کی وجہ سے ہم سائنٹسٹ خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ وہ آرٹیکل مجھے آپ کے سامنے دھرانا نہیں ہے۔ صرف پہلی بات جو اس میں بیان کی گئی ہے وہ لا آف چانس ہے اور اس کی مثال مضمون لکھنے والے نے یہ دی ہے کہ اگر آپ دس پوائنٹ لے لیں ایک ہی قیمت کے اور اس کے اوپر نمبر ڈال دیں۔ 10 -9 -8 -7 -6 -5 -4 -3 -2 -1 اب اس کے بعد ان دسوں پوائنٹ کو اپنی جیب میں آپ ڈال لیں اور نیت سے اور ارادے سے آپ جیب کے اندر ہاتھ ڈالیں اور نکالیں کہ پہلی مرتبہ جو سکہ ہاتھ میں آئے وہ نمبر 1 ہو' دوبارہ جو آئے وہ 2 ہو' تیسری مرتبہ جو آئے وہ 3 ہو' آخر تک' وہ یہ کہتا ہے کہ دس میں ایک مرتبہ چانس ہے کہ اسی ترتیب سے یہ پوائنٹ نکل آئے۔ اور جب ایک مرتبہ وہ نکل آئے اتفاقاً اور دوبارہ آپ نے اس کو جیب میں ڈال دیا اور پھر آپ نے اسی ترتیب سے نکالنا چاہا تو اب سو میں ایک چانس ہے۔ اور تیسری مرتبہ آپ نے ڈال دیا اور اب پھر اسی کونس سے نکالنا چاہا تو ہزار میں ایک چانس ہے۔ اور پھر آپ نے ڈال دیا اور پھر نکالنا چاہا اسی ترتیب سے تو اب لاکھ میں ایک چانس ہے۔ یہاں تک کہ اگر دسویں مرتبہ آپ نکالنا چاہیں گے تو بلینس تک کی نوبت پہنچے گی کہ بلینس میں ایک کا چانس ہے۔ کہ وہ وہ پوائنٹ اسی ترتیب سے نکل آئیں ایک' دو' تین' چار' پانچ' چھ' سات' آٹھ' نو' دس۔

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ صرف دس سکوں میں اگر ہم دس مرتبہ ترتیب

اور سیکوئنس اور نظم برقرار رکھنا چاہیں تو اس میں بیلنس میں ایک چانس آکر بیٹھتا ہے۔ اس دنیا میں کتنی چیزیں پائی جاتی ہیں 'اتنے آبجکٹ ہیں کہ جن کو کاؤنٹ نہیں کیا جاتا مگر ہر شئے اک نظام کے اندر ہے اک سیکوئنس کے اندر ہے اک لا کے اندر ہے 'تو اس پوری کائنات کے اک اک شئے کا اک نظام وڈسپلن کے اندر ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نظام اندھی قوت سے نہیں چل رہا ہے بلکہ اک نظر ہے کہ جو اس کے ایک ایک کل پرزے پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اور وہ نظر رکھنے والی ذات سوائے پروردگار کے اور کچھ نہیں ہو سکتی۔

برادران عزیز۔ اگر 'جیسا کہ قرآن مجید نے کہا ہے کہ انسان خود اپنے آپ میں غور کرے۔ اور مولائے کائنات نے بھی اس کو ارشاد فرمایا ہے۔ تو خود انسان کا اپنا وجود اک کائنات کے اور انسان کے پیدا کرنے والے کے ثابت کرنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہے۔ یہاں پر کوئی ڈاکٹر صاحب بھی تشریف فرما ہوں گے 'میڈیکل کے ڈاکٹرز' ان سے آپ تصدیق فرمالیں' میڈیکل سائنس میری لائن نہیں ہے۔ لیکن میں نے ایک میگزین میں جو بات دیکھی تھی وہ آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں کہ یہ اتنی..... جو ہماری آنکھ کے حلقے کے اندر موجود ہے۔ ڈاکٹرز کو چھوڑ کر جو اور بچے اور نوجوان یہاں تشریف فرما ہیں۔ میں ان سے اک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بتایئے کہ آئی بال کے اندر جو وین ہیں ان کی لمبائی زیادہ سے زیادہ کتنی ہو گی؟ وہ وینس جو آئی بال سے لپٹی ہوئی ہیں یا لپٹے ہوئے ہیں' جن سے لپٹ کر یہ آئی بال بنتا ہے' ان کی لمبائی کتنی ہو گی؟ میں سمجھتا ہوں کہ بہت زیادہ کوئی صاحب اندازہ کریں گے تو کہہ دیں گے کہ سو فیٹ ہو گی' دو سو فیٹ ہو گی' ہزار فیٹ ہو گی' لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ ایک ایورج آئی بال میں جو وینس لپٹی

ہوئی ہیں ان کی لمبائی تقریباً تین سو میل ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ یہ کون سا کاریگر ہے کہ جو ایک آنکھ کے ڈھیلے میں تین سو میل لمبی وینس کو لپیٹے ہوئے ہے۔ بس یاد رکھئے کہ جو اللہ اس بات پہ قدرت رکھتا ہے وہ تین سو میل لمبی وینس کو ایک آئی بال میں لپیٹ دے' وہی خدا اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ پورے قرآن کو ایک نقطے میں سمیٹ دے"۔

تو ہم جب عالم کے نظم و ضبط اور ان باریکیوں پر نظر کرتے ہیں تو ہماری عقل یہ ماننے کے لئے مجبور ہو جاتی ہے کہ یہ کارخانہ یوں ہی نہیں چل رہا ہے۔ یہ دلیلیں تو آپ نے برابر سماعت فرمائیں' یا اسی سے ملتے جلتے آر گومینٹ آپ نے سنے ہوں گے' لیکن جو بارگاہ اہل بیتؑ کے فقیر ہوتے ہیں' ان کو اہل بیتؑ کے در سے کچھ بھیک مل جایا کرتی ہے۔ آج میں آپ کے سامنے اس مجلس میں دو باتیں جو کہہ رہا ہوں وہ شاید بالکل الگ سے باتیں ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہر انصاف پسند انسان' جو بات میں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں' اس پر غور کرنے کے لئے مجبور ہو جائے گا۔

برادران عزیز۔ پہلے میں آپ کو ایک حقیقت بتا دوں' پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جیسا کہ ان مجلسوں میں آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں کہ غیر مسلم حضرات کو اسلام کے بارے میں کیا صحیح بات معلومات ہوں گے' خود مسلمانوں کو صحیح معلومات نہیں ہے۔ اور جب ان کے سامنے کوئی صحیح بات پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے نیا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ بات نئی نہیں ہے' وہ بات پرانی ہے' مسلمانوں کی جہالت نئی ہے۔ ہماری جہالت نئی ہے' وہ بات پرانی ہے۔ اور چلتے چلتے اسی میں عرض کر دوں آپ کے سامنے کہ یہ دین اتنا جہالتوں میں ڈوب جائے گا کہ جب وہ امام دنیا میں ظہور کرے گا کہ جس کا ہم اور آپ

انتظار کر رہے ہیں تو معصوم نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ جملہ یہ ہے کہ یہ اسلام اپنی اصلیت سے اتنا دور ہو چکا ہو گا کہ جب وہ امام دنیا میں ظہور کرے گا تو لوگ کہیں کہ یہ تو ایک نیا دین لے کر آ گئے۔ تو اب اگر ان کا دین نیا معلوم ہو تو میری بات اگر نئی معلوم ہو تو کچھ اس میں حیرت کی بات نہیں ہے۔ یہ تمہید ضروری تھی' اس لئے کہ جو بات میں آپ کے سامنے کہنے جا رہا ہوں وہ ایک زبردست مس انڈر اسٹینڈنگ ہے' غلط فہمی کا مسئلہ ہے' جو ہمارے درمیان پھیلی ہوئی ہے۔ ہمارے درمیان جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ صرف ہمارے رسولؐ ایسے تھے کہ جن کو کسی نے پڑھایا لکھایا نہیں تھا۔ اصطلاحی طور پر امی جن کو کہا جاتا ہے۔ یہ خالی ہمارے رسول کی خصوصیت نہیں تھی' یہ مسلمات اسلامی میں سے یہ بات ہے اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا ہے کہ جتنے بھی رسولؐ ادھر سے آئے ان سب کی شان یہی تھی' یہ خالی ہمارے رسول کی خصوصیت نہیں ہے' حضرت موسیٰ کی بھی کیفیت یہی تھی' حضرت عیسیٰ کی بھی کیفیت یہی تھی' حضرت ابراہیمؑ بھی اسی صورت سے تھے' حضرت نوحؑ بھی اسی صورت سے تھے' ادھر سے آنے والا کوئی رسولؐ ایسا نہ تھا کہ جس کو کسی نے پڑھایا ہو۔ آپ سمجھے اس میں کیا مصلحت ہے؟ اپنی مصلحت کو اللہ ہی بہتر سمجھ سکتا ہے۔

برادران عزیز۔ یہ کتاب جو ابھی مجھے دی ہے' کمانڈر قاسم حسین صاحب نے اور یہ واقعہ کربلا پر اہم ترین ڈاکومنٹ ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ کتاب ہر گھر میں رہے۔ لیکن اس کتاب کو اگر میں پڑھوں گا تو وہی پڑھوں گا جو اس میں لکھا ہوا ہے۔ میرے بھائی عاشور کاظمی صاحب تشریف فرما ہیں' وہ اگر پڑھیں گے تو وہ بھی وہی پڑھیں گے جو میں پڑھوں گا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اگر دس لاکھ آدمی اس کتاب کو پڑھیں گے دیانت داری کے ساتھ تو ان سب کے الفاظ ایک

ہوں گے ان سب کے جملے ایک ہوں گے' ان سب کی عبارتیں ایک ہوں گی'
کیونکہ جو لکھا ہوا ہے وہ پڑھ رہے ہیں۔ توجہ فرمایئے گا جو بات آپ کے سامنے
کہہ رہا ہوں اب فرض کیجئے کہ جاہل انسان جس کو کچھ بھی پڑھنا نہیں آتا اور اس
نے بھی اس کتاب سے وہی پڑھا' مثلاً کہ جو اس میں لکھا ہوا ہے۔ ایک دوسرا
انسان کہ جس نے کسی سے کچھ نہیں پڑھا لکھا' وہ بھی وہی پڑھ رہا ہے کہ جو اس
میں لکھا ہوا ہے۔ تو اب حیرت کی بات ہے۔ اس لئے کہ جو انگریزی جانتا ہے' وہ اگر
وہ پڑھ رہا ہے کہ جو اس میں لکھا ہوا ہے تو حیرت کی بات نہیں ہے' لیکن جس نے
کسی سے انگریزی نہیں پڑھی وہ کیسے پڑھ سکتا ہے۔ تو آج کے زمانے میں یہ بات
سمجھا دینا آسان ہے۔ آپ نے جب غور کیا تو آپ نے یہ دیکھا کہ جو آدمی
انگریزی نہ جاننے کے باوجود عبارت اس کی صحیح صحیح پڑھتا چلا جا رہا ہے۔ آپ نے
دیکھا کہ اس کے کان میں ہیڈ فون لگا ہوا ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ پڑھنے والا کوئی اور
ہے۔ اب آپ نے یقین فرمایا کہ پڑھنے والا کوئی اور ہے' کتاب اس کے سامنے
کھلی ہوئی ہے مگر وہاں سے سنتا جاتا ہے' زبان سے دھراتا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ
کوئی صورت اور ممکن نہیں ہے کہ جسے آپ پیش کر سکیں' تو ہر نبی کا' اور انبیاء
کتنے آئے وہ آپ کے پیش نظر ہے' ہزاروں برس کے پیریڈ میں مختلف انبیاء کا آنا
اور ان سب کا ظاہری اعتبار سے بے پڑھا لکھا ہونا اور کسی کا کسی ایریا میں آنا اور کسی
کا کسی علاقے میں آنا اور ان انبیاء کا آپس میں خود ظاہری کوئی کانٹیکٹ نہ ہونا اور
اس کے بعد ان سب کا ایک ہی بات کہتے رہنا' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قیاس
سے کام نہیں لے رہے تھے' ان کا پرماننٹ کوئی سورس آف نالج تھا کہ جہاں سے
ان کو براہ راست نالج مل رہی تھی۔ ان کو علم ملتا جاتا تھا اور یہ زبان سے دھراتے
جاتے تھے۔ صلوٰۃ بر محمد و آل محمد......"

ورنہ ہزاروں پیغمبروں میں بیان کی یکسانیت ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اس کے بعد ایک بات اور عرض کر دوں۔ برادران عزیز۔ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیج دیں آپ حضرات۔

توجہ فرمائیں جو بات عرض کر رہا ہوں آپ کی خدمت میں۔ آپ تو یورپ کی سرزمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور اسی یورپ کی سرزمین سے ایک شخص، اب سے سینکڑوں برس پہلے 'واقعہ آپ نے سنا ہوگا' سفر کرتا ہوا چین کی سرزمین تک پہنچ گیا تھا' جس کا نام تھا "مارکو پولو"۔ تب مارکو پولو پلٹ کر جب یورپ آیا اور اس نے چین کی تہذیب و تمدن اور وہاں کی دولت و سیولائزیشن کا خاص طور پر ذکر کیا تو لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا' کیوں نہیں یقین آتا تھا؟ یقین نہ آنے کا سبب وہی ہے کہ جو آج کے بعض لوگوں کو ہے کہ ہم کو خدا دکھائی نہیں دیتا تو ان کو خدا نہیں دکھائی دے رہا تھا' یا دکھائی نہیں دے رہا ہے ان کو چین نہیں دکھائی دیتا تھا' چائنا نہیں دکھائی دے رہا تھا اس لئے وہ یقین کرنے پر تیار نہیں تھے' جب مارکو پولو عاجز ہو گیا اور کسی صورت سے لوگوں کو یقین نہ دلا سکا تو اس نے ایک دعوت کی۔ جب کسی مشن کے سلسلے میں یقین دہانی کی صورت ہوتی ہے تو دعوت کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس نے دعوت کی۔ لوگ آکر ٹیبل کے چاروں طرف بیٹھے۔ اور اس نے واقعات بیان کرنا شروع کئے کہ وہاں اتنی دولت ہے، اتنی دولت ہے اتنی دولت ہے۔ لوگوں نے ہنسنا شروع کیا' مگر آج یہ ثبوت لے کر گیا تھا' ثبوت کیا لے کر گیا تھا؟ کہ جیسے ہی لوگوں نے ہنسنا شروع کیا' ویسے ہی اس نے اپنی جیب کو بلیڈ سے کاٹا اور جب بلیڈ سے کاٹا تو..... اسٹونس ایک بہت بڑی تعداد میں تڑاتڑ' تڑاتڑ' میز پر گرنا شروع ہو گئے۔ انتہائی قیمتی پتھر۔ اس نے کہا' بتاؤ جو میں کہہ رہا ہوں اگر وہ صحیح نہیں ہے تو اتنے قیمتی ہیرے اور جواہرات کہاں

سے آئے؟ اور جب وہ اسٹونس لوگوں نے اپنی نظروں سے دیکھ لئے تو یقین کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اب نتیجہ کیا نکلا؟ اگرچہ جاپان ہماری نظروں کے سامنے نہ تھا اور ہم یقین کرنے پر تیار نہ تھے تو وہ چیزیں کہ جو جاپان کے بارے میں بتائی جا رہی تھیں اور جو یہاں دستیاب نہیں تھیں' وہ جب نظروں کے سامنے آگئیں تو ہم یقین کرنے کے لئے مجبور ہو گئے کہ یقیناً ایک طرح کا ملک پایا جاتا ہے کہ جہاں اتنی دولت ہے۔

اب میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں توجہ فرمایئے ایک مجلس میں میں نے آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ اللہ میں یوں تو سارے صفات و کمال پائے جاتے ہیں لیکن سارے صفات و کمال سمٹ کر آگئے ہیں دو چیزوں میں۔ ایک ہے علم اور ایک ہے قدرت۔ انہیں دو صفتوں میں سارے صفات و کمال سمٹ کر آگئے ہیں۔ علم اور قدرت میں۔ اب کچھ ہستیاں ہمارے سامنے آئیں۔ مجلس ہو رہی ہے' اس لئے اہل بیتؑ کا ذکر کر رہا ہوں۔ ائمہ طاہرینؑ کی شکل میں۔ حضورؐ کی شکل میں سرور کائنات کی شکل میں اور انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے نمائندے بن کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ اور جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ اللہ کہ جس کے نمائندے بن کر آپ آئے ہیں اس کی خاص صفات کیا ہیں؟ تو انہوں نے کہا علم اور قدرت۔ تو اب اگر مارکوپولو کا فریضہ تھا کہ وہ وہاں کے جواہرات ان کے سامنے پیش کر دے تو رسولؐ اور اہل بیت رسول کا بھی فریضہ ہے کہ جہاں سے یہ آرہے ہیں وہاں کے جواہرات پیش کر دیں۔ یہ کہہ کہہ کے کہ ہم اس خدا کے نمائندے ہیں کہ جس سے بڑھ کر عالم نہیں اور جس سے بڑھ کر قوی نہیں۔ جس سے بڑھ کر کوئی صاحب طاقت و جبروت نہیں' تو اب ان کا بھی فریضہ' تبلیغ کے اعتبار سے لازمہ ہے کہ یہ لوگوں کے سامنے

اپنے علم اور قبضۂ قدرت کے اعتبار سے معجزے پیش کر دیں۔ اگر یہ ایسے معجزے پیش کرتے ہیں کہ جن کو کوئی نہیں جانتا تو سمجھ لیجئے کہ ان کا بھی کوئی سورس ہے کہ جہاں سے ان کو یہ علم مل رہا ہے۔ اب یہ خود ایک بہت لمبا موضوع ہے۔ بطور مثال آپ کے سامنے ایک آدھ بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ برادران عزیز۔ میں بغیر دیکھے بھالے کوئی شئے آپ کے سامنے نہیں پیش کرتا' چاہے ریفرنس دوں اور چاہے ریفرنس نہ دوں۔

عزیزو! علی ابن ابی طالب مسجد کوفہ میں خطبہ دے رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ جو پوچھنا چاہو مجھ سے پوچھ لو اور کوئی زمین کے راستوں سے اتنا واقف نہ ہوگا کہ جتنا میں آسمانوں کی راہوں سے واقفیت رکھتا ہوں۔ ایک شخص اٹھا' اور اٹھنے کے بعد اس نے سوال کیا کہ یا علیؑ بتایئے' زمین اور آفتاب' زمین اور سورج کا ڈسٹنس کتنا ہے؟ یہاں ایک عالم جلیل القدر بھی تشریف فرما ہیں کہ جن کی مادری زبان ہے عربی۔ یہ تو آپ سوچ ہی نہیں سکتے کہ میں تو آپ سے الٹی سیدھی بات کہوں گا۔ یہ عربی زبان' جس زمانے میں یہ سوال کیا جا رہا ہے حضور' اس زمانے میں عربی زبان میں ہزار کے آگے گنتی کا وجود ہی نہیں تھا' میرے عزیزو آپ اتنا بتایئے کہ جس زبان میں ہزار اور تھاؤزنڈ کے آگے گنتی کا وجود ہی نہ ہو' وہاں کروروں میل کا فاصلہ کیسے سمجھایا جائے؟ اب اگر علیؑ خاموش ہو جائیں تو لوگوں کو شبہ ہو معاذ اللہ کہ علیؑ کو معلوم نہ تھا' اور اگر بتائیں تو برین میں اتنی کیپسٹی نہیں ہے کہ اس فاصلے کا اندازہ کر سکے۔

توجہ فرمائی آپ نے؟ تو اب علیؑ نے جواب دیا وہ ایسا کہ ان کی تو کچھ سمجھ ہی میں نہ آئے۔ کیونکہ وہ اپنے زمانے کی پیداوار ہیں' تو وہ تو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ تو علیؑ نے جو جواب دیا وہ ایسا ہے کہ یہ تو..... بن کے بیٹھ گئے۔ مگر ہاں جو

جملہ میں کہہ رہا ہوں' یہ آئندہ آنے والی جنریشن کے لئے با آسان ہو جائے اور بعد میں آنے والی جنریشن جب غور کرے تو اس کو معلوم ہو کہ میں نے کیا بات کہی تھی۔ چنانچہ علیؑ نے کہا کہ یہ بتایئے کہ سورج اور زمین کا ڈسٹنس کیا ہے؟ تو علیؑ نے فرمایا' کہ تمہاری سمجھ میں یہ حساب نہیں آسکتا' مگر ہاں بس یہ سمجھ لو کہ اگر عرب کا ایک تیز رفتار گھوڑا زمین سے سورج کی طرف چلنا شروع کرے اپنی پوری اسپیڈ سے تو اس کو زمین سے سورج تک پہنچنے میں پانچ سو برس لگ جائیں گے۔ یہ تو بیٹھ گئے چپکے۔ بہت اچھا ہوا کہ بیٹھ گئے۔ مگر یہ جملہ ہمارے لئے پاس آن ہو گیا اب میں آپ کے سامنے کہتا ہوں' آج کل حساب کرنا کون مشکل ہے؟ آپ کسی کتاب میں اٹھا کر دیکھ لیں جس میں عربی گھوڑوں کی اسپیڈ لکھی ہو' آج کل کون مشکل بات ہے' تو آپ دیکھیں گے کہ ایورج اسپیڈ گھوڑوں کی' عربی گھوڑوں کی ایورج اسپیڈ ۲۱' اور ۲۲ میل ایک گھنٹہ کے درمیان ہوتی ہے' ملاحظہ کیا آپ نے؟ آپ گھر تشریف لے جائیں' کیلکولیٹر اٹھالیں' اور اس حساب سے آپ پانچ سو برس کے ڈسٹنس جب کیلکولیٹر پر دیکھیں گے تو آپ کو وہی فاصلہ دکھائی دے گا کہ جو ماڈرن سائنس بتاتی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سورج کا فاصلہ کبھی گھٹتا ہے' کبھی بڑھتا ہے' نو کروڑ چوالیس میل میکسیمم ڈسٹنس ہوتا ہے۔ اور نو کروڑ چودہ لاکھ میل مینیمم ڈسٹنس ہوتا ہے' مین ڈسٹنس ہوتا ہے نو کروڑ تیس لاکھ میل' آپ گھر تشریف لے جائیں اور جو حساب میں نے بتایا ہے کیلکولیٹ کر کے ملاحظہ فرمالیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اب سے پانچ سو برس پہلے علیؑ نے جو بات کہی تھی' وہ بات وہی ہے کہ جس کو آج کی ایڈوانس سائنس ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ علیؑ کو کہاں سے معلوم ہوا؟ کون

سائٹیلی اسکوپ تھا علیؑ کے پاس؟ کون سی دور بین تھی علیؑ کے پاس کہ جس کے ذریعہ علیؑ نے اتنا ایکوریٹ ڈسٹنس زمین اور سورج کا بتا دیا؟ توجہ فرمائی آپ نے؟ علی ابن ابی طالب اب زمین اور سورج کا ڈسٹنس نہیں بتا رہے تھے اس روڈ کا پتہ بتا رہے تھے کہ جس کے نمائندے بن کر آئے ہیں۔ میں دنیائے سائنس سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ بتائے مجھے دنیائے سائنس کہ علیؑ نے کہاں سے بتایا؟ جو ڈسکوری سینکڑوں برس کے بعد ہوئی ہے اس کو علیؑ ابن ابی طالب نے بغیر ظاہری کسی سورس کے کیسے بتا دیا؟ تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ علیؑ اپنے علم کا اظہار کر کے بتا رہے تھے کہ جس طرح مارکوپولو وہاں سے کچھ اسٹونس لے کر آیا تھا جہاں وہ گیا تھا اسی طرح سے جس سے میرا رابطہ ہے، جس کا میں نمائندہ بن کر آیا ہوں اس کا علم اس کے نمائندے کی حیثیت سے اس کی اجازت سے میرے سینے میں موجزن ہے۔

یہ تو علیؑ ابن ابی طالب کی بات تھی، میں ذرا بات کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں، امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں آجائیے، میں آپ سے التجا کروں گا کہ اگر ائمہ طاہرینؑ کے بارے میں آپ اپنے معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو اور اپنی عقیدتوں میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں، تو ان کو خاص طور کے اوپر وہ گفتگوئیں دیکھئے، وہ ڈسکشنس دیکھئے کہ جو ملحدین سے ہوئے ہیں۔ جو خدا کو نہیں مانتے ان سے جو گفتگوئیں ہوئی ہیں اور خدا کے ثبوت کے دلیل میں سائنس کے جو دھارے بہے ہیں اس کو آپ دیکھیں تو آپ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ جائیں گی کہ یہ کیسے انسان تھے؟

بس بطور مثال ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ایک ملحد آگیا امام جعفر صادقؑ کے پاس، دیکھئے یہ ملحد بھی بڑے غضب کا ہے اس لئے کہ

یہ وہ بات کہہ رہا ہے کہ جس کو ہم موسٹ ماڈرن سمجھتے ہیں' آج کا سلوگن یہ ہے کہ خدا نے انسان کو نہیں بنایا بلکہ انسان نے خدا کو بنایا ہے۔ اور آپ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ ملحد جب امام جعفر صادق کے پاس آتا ہے۔ یہ امام سے کہتا ہے' یہی جملہ کہتا ہے کہ جعفر صادق! کیا باتیں آپ کر رہے ہیں؟ خدا نے آپ کو نہیں بنایا ہے۔ اس نے بڑی جسارت سے کام لیا' کہتا ہے کہ خدا نے آپ کو نہیں بنایا ہے' آپ نے اپنی روٹی روزی کے لئے خدا کو بنالیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو بے وقوف بنائیں۔ بس یہ بات آپ یاد رکھئے میں کسی مسلک پر کبھی کوئی تنقید نہیں کرتا لیکن اپنے مسلک کو بیان کرنے کا تو حق ہے ہی مجھے۔ اسلام کے جتنے مسلک ہیں اس میں' اس مسلک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہمیشہ ان ڈپنڈنٹ تھنکنگ ہے' کبھی اس کو دبایا نہیں گیا۔ امام کے سامنے اتنی بڑی بات اس نے کہہ دی۔ امام نے یہ نہیں کہا کہ مرتد ہو جا اور گردن اڑا دی۔ اس لئے کہ مرتد ہو جا' گردن اڑا دی تو ایک گردن اڑ جاتی' سینکڑوں مرتد پیدا ہو جاتے۔ یہ اہل بیت کا دربار وہ ہے کہ جہاں مرتدین کی گردن تلوار کی دھار سے نہیں اڑائی جاتی ہے بلکہ ان کے شبہے کی گردن علم کی تلوار سے کاٹ دی جاتی ہے۔

اس نے کہا' آپ تو جس کو خدا مانتے ہیں' نہ وہ دکھائی دیتا ہے' نہ اسے چھوا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجیں آپ حضرات....... آپ حضرات تھوڑا تھوڑا آگے تشریف لے آئیے۔

تو اس نے کہا کہ آپ کا خدا وہ ہے کہ جس کو نہ چھوا جا سکتا ہے نہ محسوس کیا جا سکتا ہے' نہ کسی سنس سے اس کا احساس ہو سکتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ اس سے بہتر تو خدا ان بت پرستوں کا ہے کہ جو اپنے ہاتھ سے پتھر کے بت بنایا کرتے

ہیں۔ سنا صاحب آپ نے؟ سنئے' بس اس کا یہ کہنا تھا کہ اس سے تو وہ خدا اچھا ہے
کہ جو ہم لوگ پتھر کا بنا لیتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں' کم سے کم اس کو چھو تو
سکتے ہیں' کم سے کم اس کو دیکھ تو سکتے ہیں' کم سے کم اس کے سامنے بیٹھ تو سکتے ہیں'
تو حاضر خدا بہتر ہے یا غائب خدا بہتر ہے؟ وہ خدا بہتر ہے کہ جو چھوا جا سکے' یا وہ خدا
بہتر ہے کہ جو چھوا نہ جا سکے' امامؑ نے ایک رگ پکڑی اس کی۔ سنئے' اب یہاں یہ
باتیں نہ پیش کروں تو کہاں پیش کروں' امامؑ نے کہا کہ وہ باتیں تو سب بعد میں
ہوں گی۔ پہلے یہ بتا کہ تو نے جو یہ بات کہی ہے کہ اس خدا سے یہ پتھر کا خدا
اچھا ہے۔ تو یہ بتا کہ یہ پتھر کا بت جو تو بناتا ہے' اس پتھر کے بارے میں کچھ جانتا
بھی ہے سنئے گا۔ آپ کی راتوں کی نیند اڑ جائے گی آج۔ اگر آپ غور کریں گے۔
اب سے سینکڑوں برس پہلے کا زمانہ ہے۔ امامؑ نے کہا کہ یہ پتھر کا بت جو بنایا جاتا
ہے' اس پتھر کے بارے میں کچھ جانتا بھی ہے؟ کہا کیا؟ کہا پہلی بات تو یہ بتا کہ یہ
پتھر جس کا تو بت بناتا ہے' یہ لیکوئڈ ہے یا سالڈ ہے؟ اس کی اصلیت سیال ہے یا جلد
ہے؟ مسکرایا اس لئے کہ یہ اکثر ہوتا ہے کہ جہاں جہالت عالم کے سامنے آجاتی
ہے تو مسکراتی ہوئی آتی ہے' طنزیہ انداز میں' چنانچہ مسکرایا انہوں نے کہا تا' کہا
آپ کیسی بات کہہ رہے ہیں سالڈ ہے' جلد ہے' کہا بس تیری معلومات یہی ہیں؟
یہ پتھر' یہ اسٹون جو تجھ کو آج سالڈ نظر آرہا ہے' میں تجھے بتاتا ہوں کہ یہ سالڈ
ایک وقت وہ تھا کہ جب لیکوئڈ تھا۔ جب اس زمین کا فارمیشن ہو رہا تھا تو لیکوئڈ کی
شکل میں تھا' سیال کی شکل میں تھا بعد میں جب یہ زمین ٹھنڈی ہوئی ہے تو یہ جما
ہے۔ سن رہے ہیں آپ؟ اس نے کہا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہا اس کا ثبوت یہ
ہے کل شئی .... ہر شئے اپنے اصل کی طرف پلٹ جاتی ہے اگر تو پھر ویسی ہی
ہیٹ پیدا کر دے گا تو یہ پتھر پھر لیکوئڈ ہو جائے گا اس نے کہا' بہتر ہے میں جاتا

ہوں اور جا کر اپنے تنور میں اس پتھر کو ڈالتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ لیکوئڈ ہوتا ہے کہ نہیں؟ امامؑ نے فرمایا کہ ابھی تیرے بس میں اتنی ہیٹ پیدا کرنا نہیں ہے کہ یہ پتھر لیکوئڈ ہو جائے۔ لیکن ہاں! میں دیکھ رہا ہوں کہ آئندہ آنے والا زمانہ وہ ہے کہ جب انسان ایسی ہیٹ پیدا کرنے پر قادر ہو جائے گا کہ پتھر لیکوئڈ کی شکل اختیار کرے۔ سنا آپ نے؟ اس کے بعد امامؑ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتا کہ یہ پتھر کہ جس کا تو بت بناتا ہے' یہ پتھر قریب سے آیا ہے کہ دور سے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ قریب اور دور کا کیا سوال ہے' یہیں سے اٹھایا' پڑوس سے مثلاً اور پتھر کا ہم نے بت بنایا کہا بس' امامؑ نے جو فرمایا وہ یہ کہ افسوس! کہ جس کو تو خدا سمجھتا ہے' تیرے معلومات اس خدا کے بارے میں بھی زیرو ہیں۔ اب ذرا غور کیجیے۔ امامؑ نے کہا کہ تو سمجھتا ہے کہ کیا یہ پتھر' یہ استون یہیں سے آیا ہے؟ تجھے نہیں معلوم کہ اب سے بہت پہلے' زمین کے مختلف حصے آپس میں جڑے ہوئے تھے' اور پھر دھیرے دھیرے مختلف براعظموں کی شکل میں الگ ہوئے ہیں تو تجھے کیا خبر کہ جو پتھر آج تجھے یہاں دکھائی دے رہا ہے۔ یہ ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے آیا ہو۔ ملاحظہ فرما رہے ہیں' اب آپ تو پڑھے لکھے لوگ ہیں' آپ کو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ یہ امام اب سے بارہ سو برس پہلے جن باتوں کی خبر دے رہے ہیں یہ وہ ہیں کہ آج' آج ٹھوکریں کھاتی ہوئی سائنس نصف منزل تک پہنچی ہے۔ اس کے بعد امامؑ نے پوچھا کہ یہ بتا کہ یہ پتھر جو سامنے تیرے پڑا ہوا ہے' یہ پتھر ساکن ہے یا متحرک؟ اس نے کہا کیسی باتیں کر رہے ہیں' ساکن ہے' پتھر پڑا ہوا ہے۔ کہا' تجھے خبر نہیں ہے مگر میری نظر دیکھ رہی ہے کہ ان میں سے ہر پتھر کے اندر ان گنت ایسے ذرے ہیں کہ جن میں کا ہر ذرہ مستقل حرکت میں ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ افسوس یہ ہے کہ وقت میرے پاس نہیں ہے۔ ابھی کچھ اور

باتیں بھی آپ کے سامنے عرض کرنی ہیں۔

اب میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ علیؑ ہوں یا جعفر صادقؑ۔ سینکڑوں اس طرح کی باتیں میرے پیش نظر ہیں' آپ اطمینان رکھیے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ ان کو کہاں سے معلوم ہوا؟ سورس آف نالج کیا تھا؟ یا تو آپ مجھے سورس آف نالج بتائیں' اور اگر آپ سورس آف نالج نہیں بتاتے تو یہ جو کہہ رہے ہیں اس پر اعتبار کریں کہ ہم عالم و حکیم خدا کے نمائندے ہیں اور اس نے اپنی نمائندگی کے ثبوت کے طور کے اوپر اپنے علم میں سے کچھ علم ہم کو دے دیا ہے۔ تاکہ وہ علم اس کے وجود کے ثبوت کے اوپر ہم دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔

بس یاد رکھیے حکومت چاہے جہاں رہی ہو' مگر علم اہل بیتؑ کے دروازے پر تھا۔ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور کبھی علم کی قدر ہوئی اور کبھی علم کی قدر نہیں ہوئی۔ یہ امام جعفر صادقؑ کا دور۔ ایک طرف امام وقتؑ کہ جو علم کے دریا بہا رہا ہے' اور دوسری طرف ایک ظالم بادشاہ کہ جو تخت حکومت پر بیٹھا ہوا ہے مگر یادی المنظر میں کہ دولت کے پرستار میری طرف ہیں' علم کے طلب گار ادھر ہیں' چنانچہ اس امامؑ کے مقابلے میں ایک نقلی امام بنا کر اور بٹھا دیا گیا' مگر جناب والا' اب میں تو ہندوستان سے آ رہا ہوں' ہندوستان میں تو اصلی گھی ملتا ہی نہیں۔ تو جہاں اصلی گھی نہیں ملتا وہاں آدمی ڈالڈانہ کھائے تو کیا کھائے گا؟ لیکن اگر میرے سامنے اصلی گھی بھی رکھا ہو' نقلی گھی بھی رکھا ہو تو کون بے وقوف ہے جو نقلی گھی پر ہاتھ بڑھائے گا۔ تو وہاں صورت حال یہ تھی کہ اصلی امام کے ہوتے ہوئے نقلی امام جب بنا کر بٹھا دیا گیا تو اس نقلی امام کے پاس کون جائے گا اپنا مقدر پھوڑنے کے لیے؟ امام بیٹھا رہا نقلی مگر مجمع اسی طرف رہا۔ آخر

حکومت نے ایک دوسری ترکیب چلی' انہوں نے کہا دیکھو! جو ہمارے بنائے ہوئے امام کے پاس جو مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے گا۔ اس کو ایک دینار ملے گا' انعام ملے گا۔ اور جو وہاں جائے گا مسئلہ پوچھنے کے لئے' اس کو ایک دینار جرمانہ دینا پڑے گا۔ بھائی لوگوں نے اس کی بھی ترکیب نکال لی۔ پہلے شاہی امام کے پاس آئے۔ یہاں آ کے مسئلہ پوچھا' یہاں سے ایک دینار انعام میں ملا' بعد میں اپنی امام کے پاس گئے اور وہی دینار جو انعام میں ملا تھا جرمانے میں دے کر مسئلہ پوچھ کر اپنے گھر چلے آئے۔ توجہ فرمائی آپ نے؟ تو یہ علم ہمیشہ آپ یاد رکھیں کہ اہل بیتؑ کے پاس تھا۔ دولت دوسروں کے پاس رہی' حکومت دوسروں کے پاس رہی' مگر اللہ کا شکر ہے کہ علم اہل بیت کے پاس رہا۔ اور جب ہمارا امام غیبت کے پردے میں جانے لگا تو اس نے بتا دیا کہ ہم جا رہے ہیں مگر علم کی وراثت چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب ہم جا رہے ہیں اور وہ مسائل جو تمہارے سامنے آتے رہیں' ان مسائل میں تمہارا فرض ہے کہ تم علماء کی تقلید کرو۔ مجھ سے فرمائش کر دی گئی تھی اس لئے میں مختصراً اس موضوع کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ تقلید کرو۔

تقلید کے معنی کیا ہیں؟ تقلید کے معنی پیری مریدی کے نہیں ہیں۔ تقلید کسی قسم کی بیعت کا نام نہیں ہے۔ تقلید کسی رجسٹر میں نام لکھوانے کے طریقے کا نام نہیں ہے۔ تقلید نام ہے کہ جو اعلم وقت ہو۔ بس اتنی باتیں عرض کروں گا آپ کے سامنے مجمل طور پر کہ جس کو عام ذہن سمجھ سکے۔ زیادہ گہرائی میں نہیں جاؤں گا۔ ورنہ میں سمجھانے کے لئے آیا ہوں آپ کو الجھانے کے لئے تھوڑی آیا ہوں۔

تو نہ پیری مریدی ہے۔ نہ بیعت ہے۔ نہ رجسٹر میں نام لکھانے کی

ضرورت ہے۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ تمہارے زمانے کا جو مجتہد وقت ہو' جو اعلم وقت ہو' اس کے فتاویٰ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لو۔ دیکھئے بالکل یہ ایک سائنٹفک اور لاجیکل چیز ہے۔ اسلام کیا کہتا ہے؟ اسلام کہتا ہے کہ تین طرح کی چیزیں ہیں۔ کچھ چیزیں دین کی اصول دین اصول دین کیا؟ اللہ ایک ہے' حضور اس کے رسولؐ ہیں۔ ائمہ طاہرینؑ کی امامت' قیامت' معصمت یہ ساری چیزیں اصل دین میں ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اس میں تقلید کا کوئی سوال نہیں اپنی عقل سے سمجھو۔ ایک مجلس میں عرض کر چکا ہوں کہ اگر تم مسلمان ہو تو اس لئے کہ تم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے تو یہاں مسلمان ہو' وہاں خیریت تمہاری نہیں ہے۔ اپنی عقل سے سمجھ کر دین کو اختیار کرو اور اسی لئے اسلام نے جتنا زور دیا ہے فکر کے اوپر اتنا زور کسی بات پر نہیں دیا۔ اب اصول دین۔ اس میں تقلید ہے حرام۔ کچھ باتیں ہیں ضروریات دین: جیسے رمضان کے روزے واجب' جیسے صبح کی دو رکعت نماز واجب جیسے حج واجب ضروریات۔ دین میں بھی کوئی تقلید نہیں ہے۔ اب اس کے بعد فروعی مسائل ہیں' جن کا تعلق ہماری عملی زندگی سے ہے۔ صرف ان میں تقلید ہے۔ یعنی دین کے ۲/۳ حصے میں تقلید نہیں ہے۔ ۱/۳ حصہ میں ہماری فروعی زندگی جو ہے اور اعمال' اس میں تقلید ہے مگر یہاں بھی تھوڑا تجزیہ چاہئے ہے۔ برادران عزیز۔ اسلام کہتا ہے کہ تین کیٹگری ہو سکتی ہیں۔ یا تو تم خود مجتہد ہو' یعنی خود اپنی ریسرچ کے ذریعہ سے تم مسائل شرعیہ کی تہ تک پہنچ سکتے ہو۔ تو اگر تم میں اتنی صلاحیت ہے تو تقلید تمہارے لئے حرام ہے۔ جس مسئلے میں تم کو اتنی صلاحیت ہے کم از کم اس مسئلے میں تمہارے لئے تقلید حرام ہے۔ اگر تم میں اتنی صلاحیت نہیں ہے مگر پھر بھی اتنی کم سے کم صلاحیت ہے کہ تم احتیاط پر عمل کر سکتے ہو تو تمہارے لئے بھی تقلید کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر تم میں

اتنی بھی صلاحیت نہیں ہے کہ احتیاط پر عمل کر سکو تو سوائے تقلید کے تمہارے لئے چارہ کیا ہے؟ آپ بتائیں کیا چارہ ہے؟ مجھ میں اتنی بھی صلاحیت نہیں ہے کہ میں احتیاط پر عمل کر سکوں تو میں تقلید نہیں کروں گا تو کیا کروں گا۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ مگر یہ بات آپ سمجھ لیں کہ نماز اپنی جگہ اہم ہے' روزہ اپنی جگہ اہم ہے' حج اپنی جگہ اہم ہے مگر جو اہمیت تقلید کی ہے وہ کسی مسئلے کی نہیں ہے۔ مثال دے دوں تو بات واضح ہو جائے گی۔ محرم میں تو میں دعوتیں وعوتیں کھاتا نہیں۔ اچھا فرض کیجئے' امریکہ سے پلٹنے میں ربیع الاول آگیا' اور آپ نے میری پر تکلف دعوت کی۔ ٹیبل کے اوپر ۵۰ طرح کے کھانے سجے ہوئے ہیں۔ یہاں کے بچے تو تیز ہوتے ہی ہیں ایک چھوٹا سا بچہ پھدکتا ہوا آیا اور اس نے ایک ڈش کے اوپر کہنی ماری اور وہ ڈش نیچے گر گئی ٹھیک ہے ایک سالن کا نقصان ہوا۔ میں بھوکا تو نہیں رہ جاؤں گا' ابھی ۴۹ چیزیں اور موجود ہیں ایک اور بچہ آیا اس نے ایک اور ڈش پر ٹھوکر ماری وہ بھی چھن سے گری اور پلیٹ ٹوٹی مگر میں بھوکا تو نہیں رہ جاؤں گا۔ ایک بچہ ایسا قہر خدا تھا جناب کہ کسی نے دیکھا ہی نہیں وہ چپکے سے گردن جھکائے جھکائے رکوع کی حالت میں میز کے نیچے آگیا اور جب بیچوں بیچ میز کے پہنچ گیا تو کھڑا ہو گیا' میز الٹ گئی۔ اب کیا ہوا؟ جتنی پلیٹیں تھیں میز پر رکھی وہ سب زمین پر آ گئیں۔ اب میں بھوکا رہ جاؤں گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ میز الٹ گئی کہ جس پر یہ سارے کھانے سجے ہوئے تھے۔ بس یاد رکھئے کہ کھانے کی دعوت میں جو حیثیت ہے میز کی دین کے میدان میں وہی حیثیت ہے تقلید کی۔ یہ تقلید کی ٹیبل ہے کہ جس پر ساری عبادتیں سجی ہوئی ہیں۔ اگر یہ تقلید ہے تو ہر عبادت بجا ہے اور اگر یہ تقلید نہیں ہے تو کوئی عبادت قابل قبول نہیں ہے۔ وقت کم ہو رہا ہے اس لئے میں سمیٹ کر بات آپ کے سامنے عرض کرنا چاہ رہا ہوں۔

اور تقلید کا ہماری عملی زندگی میں کیا فائدہ ہے؟ اللہ اکبر۔ آپ اگر تقلید کی گہرائی کو سمجھ لیں اور اس کے فلسفے کو سمجھ لیں تو آپ کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ یاد رکھئے برادران عزیز۔ اسلام نماز پڑھ لینے کا نام نہیں ہے فقط۔ اسلام فقط عبادتوں کو بجالانے کا نام نہیں ہے اسلام کرسچنٹی نہیں ہے کہ انسان ہفتہ میں ایک دن کرسچین ہو اور چھ دن جو چاہے وہ ہو۔ اسلام ایسا دین ہے کہ جو ہماری زندگی کے ایک ایک شعبے کو کور کئے ہوئے ہے۔ کوئی شئے اسلام سے باہر ہے ہی نہیں۔ نماز و روزوں و عبادات کو جانے دیجئے۔ اسلام نے تجارت کے اصول بتائے ہیں' اسلام نے زراعت کے اصول بتائے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ زندگی کا کوئی شعبہ نہیں ہے کہ جو اسلام سے خارج ہو۔ تجارت اسلامی اصولوں کے تحت' زراعت اسلامی اصولوں کے تحت' تہذیب اسلامی اصولوں کے تحت' تمدن اسلامی اصولوں کے تحت' دوستوں سے برتاؤ اسلامی اصولوں کے تحت' یہاں تک کہ سیاست' یہ بھی اسلام کے اندر ہے۔ مگر میں جب سیاست کا لفظ آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں تو وہ سیاست میرے ذہن میں نہیں ہے جو آج کی دنیا میں ہے۔ چار سو بیس کے مرادف' ابن الوقتی کے مرادف' یاد رکھئے کہ جب سیاست کسی اسلامی رہنما کے ہاتھ میں آتی ہے تو سیاست کی خباثت دور ہو جاتی ہے اور سیاست بھی ایک عبادت کی طرح مقدس بن جاتی ہے۔ اور پاک و پاکیزہ بن جاتی ہے' جہاں اصول پرستی ہوتی ہے' یہاں ابن الوقتی نہیں ہوتی۔ تو جب ساری ہماری لائف کور ہے اسلام سے تو اب تقلید کے معنی کیا ہیں؟ کہ ہم مستعدی سے تقلید کریں گے زندگی کے ہر موڑ کے اوپر۔ اور اس کا میں ایک عملی ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں آپ کے سامنے۔ اور پھر میں ایک بات عرض کردوں آپ کے سامنے کہ نظریات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے واقعات سے اختلاف

نہیں کیا جا سکتا۔ میں آپ کے سامنے خالی واقعات پیش کرتا ہوں اس سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا۔ جی۔ ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء۔ اور تہران کے گورنر جنرل کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ آج اگر کوئی شخص تہران کی سڑکوں پر چار بجے کے بعد دکھائی دے گا تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ کمپلیٹ مارشل لا اور کمپلیٹ کرفیو۔ اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ اعلان اس گورنر کی طرف سے ہوا تھا ملٹری گورنر کی طرف سے کہ جو خالی دھمکی نہیں دے رہا تھا بلکہ ہزاروں لوگوں کو بھون چکا تھا۔ اس کی طرف سے یہ اعلان کہ اگر ایک آدمی بھی سڑک پر دکھائی دیا تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ ادھر اس کا یہ آرڈر گھوما۔ ادھر ایک مجتہد وقت کا فتویٰ چلا اس نے کہا کہ اگر آج چار بجے کے بعد ایک بھی انسان دکھائی دیا تو گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ اور مجتہد وقت کا فتویٰ سرکولیٹ کر گیا کہ آج کے دن تہران کے ہر شہری پر ٹھیک چار بجے سڑک پر آ جانا واجب۔ دیکھئے تقلید کا زور۔ جی۔ اب وہاں کسی نے نہیں کہا حضور کوئی نماز پڑھنا تھوڑی ہے کہ آپ کا حکم مانیں۔ روزہ رکھنا تھوڑی ہے' کہتے تو کہہ سکتے تھے' مگر نہیں وہ جانتے تھے کہ تقلید کی گہرائیاں کہاں تک ہیں؟ اس کا آرڈر یہ کہ آج چار بجے کوئی بھی آدمی سڑک پر دکھائی نہ دے ورنہ گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ ان کا فتویٰ یہ کہ آج چار بجے ہر بالغ و عاقل کا گھر میں بیٹھنا حرام اس کے لئے واجب کہ وہ سڑک کے اوپر آ جائے۔ برادران عزیز۔ چار بجے اور چالیس لاکھ تہران کی آبادی سڑکوں پر امنڈ کر آ گئی۔ آپ انصاف سے بتائیں اگر دس نکلتے' بیس نکلتے' ہزار نکلتے' دس ہزار نکلتے' بیس ہزار نکلتے بھون دیئے جاتے۔ لیکن چالیس لاکھ آدمیوں کو کون بھونے گا؟ چالیس لاکھ آدمیوں کو مشین گنوں کی زد پر کون رکھ لے گا؟ اس ایک فتوے کا کارنامہ یہ تھا کہ ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو طاغوت کی حکومت تھی اور ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو

اسلامی انقلاب آچکا فقط ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ یہ ہے تقلید کا دور۔ اور بس آخری جملہ عرض کر رہا ہوں۔ اگر چالیس لاکھ آدمی تقلید کے فلسفے کو سمجھ کر ایک ظالم کا تختہ الٹ سکتے ہیں تو اگر دس کروڑ شیعہ تقلید کے فلسفے کو سمجھ لیں تو کیا دنیا کا تختہ نہ الٹ جائے گا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ ایک مرکز پر اگر دس کروڑ آدمی جمع ہو جائیں تو ساری سپر پاور دھری رہ جائیں گی۔ سب سے بڑی سپر پاور ہم خود بن جائیں گے۔ مگر مسئلہ یہ ہے وا ایک مرکز پر اگر دس کروڑ آدمی جمع ہو جائیں تو ساری سپر پاور دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ سب سے بڑی سپر پاور ہم خود بن جائیں گے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرکز پر ہم جمع ہو جائیں۔ خیر فی الحال نہ بھی ہوں انشاء اللہ اگر اللہ توفیق عطا کرے گا تو ہم اس مرکز پر جمع ہو جائیں گے جو اہل بیت نے ہمارے لئے پسند کیا ہے۔ لیکن غنیمت سمجھئے اس محرم کو۔ کہ فی الحال کم سے کم اتنا ضرور ہے کہ ہر اختلاف کو ختم کر کے ہمارا ہر بھائی کم سے کم یہ دس دن عزاداری مظلوم کربلا کے لئے وقف کر دیتا۔

اس مجمع میں ہر خیالات کے لوگ ہوں گے' ہر نظریات کے لوگ ہوں گے۔ سب میرے بھائی ہیں اس لئے کہ میں ایک مجلس میں عرض کر چکا کہ اس مجلس میں جو آتا ہے وہ نہ کمانڈر قاسم کا مہمان ہے نہ میرا مہمان ہوتا ہے وہ براہ راست اہل بیتؑ کا مہمان ہوتا ہے۔ اہل بیتؑ اس کی پذیرائی کرتے ہیں' اہل بیت اس کے میزبان ہوتے ہیں۔

عزاداران حسینؑ! آج محرم کی چھ تاریخ ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ آج کی تاریخ آپ کس کا حال سنتے ہیں' آج کی تاریخ آپ شبیہ پیغمبر' حسینؑ کے کڑیل جوان فرزند علی اکبر کے مصائب سننے کے عادی ہیں۔ اور میں بھی اسی شاہزادے کے مصائب اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں آپ کے سامنے پیش

کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ عزاداران حسینؑ! اگر آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس بچے کی حیثیت کیا تھی نگاہ حسینؑ میں؟ تو آپ یہ سمجھ لیں اور تاریخ میں دیکھ لیں کہ جس وقت یہ شاہزادہ اپنے بابا سے رخصت ہو کر چلا ہے تو امامؑ نے فرمایا تھا کہ پالنے والے گواہ رہنا کہ وہ بچہ مرنے کے لئے جاتا ہے کہ جو صورت و سیرت، رفتار و گفتار میں میرے نانا کی شبیہ اور تصویر تھا۔ اے میرے پالنے والے! جب مجھے نانا کی زیارت کا اشتیاق ہوتا تھا تو میں اپنے بچے کو نظر بھر کر دیکھ لیتا تھا۔

عزادارو! وہ بچہ کہ جو حسینؑ کے نانا کی تصویر۔ جب حسینؑ کا لشکر ختم ہو گیا۔ اور بنی ہاشم بھی ختم ہو گئے تو اب یہ اٹھارہ برس کا نوجوان حسینؑ کے سامنے دست ادب باندھ کر آیا۔ اور اس نے کہا کہ بابا مجھے بھی آپ مرنے کی اجازت دے دیں۔ عزادارو! آپ میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے کہ جو صاحب اولاد ہیں۔ اب میں آپ سے آپ کی محبت پدری کے ناطے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا بچہ آپ کے پاس آ کر جب سلام کرتا ہے تو آپ کیا جواب دیتے ہیں؟ یہی جواب تو دیتے ہیں کہ بیٹا زندہ رہو۔ سلامت رہو۔ سلامت رہو، جیتے رہو۔ اللہ رے حسینؑ کی بے کسی کہ ہم اپنے بچوں سے کہیں کہ جیتے رہو۔ اور سلامت رہو۔ اور حسینؑ کا بیٹا آیا ہے حسینؑ سے مرنے کی اجازت مانگنے کے لئے۔ اور میرا حسین کبھی زمین کو دیکھتا ہے، کبھی آسمان کو دیکھتا ہے۔ فرمایا کہ بیٹا، مجھ سے کیوں اجازت لیتے ہو، جاؤ اور جا کے اپنی ماں سے اجازت لے لو اور جاؤ جا کے اپنی پھوپھی زینبؑ سے اجازت لے لو کہ جس نے تم کو ماں سے بڑھ کر محنتوں اور مشقتوں سے پالا ہے۔

عزاداران حسینؑ! علی اکبر خیمہ کے اندر آئے، ماں کو سمجھا لیا، پھر ایک

مرتبہ عرض کردوں کہ میں کوئی روایت بغیر دیکھے ہوئے نہیں پڑھتا آپ کے سامنے۔ اب راوی نے وہ روایت صحیح بیان کی ہے یا نہیں؟ اس کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ لیکن میں روایت کو بغیر دیکھے آپ کے سامنے کبھی پیش نہیں کرتا۔ میں نے یہ روایت دیکھی ہے کہ ماں کو سمجھانے کے بعد' یہ شاہزادہ پھوپھی کے پاس آیا اور آنے کے بعد پھوپھی کو سلام کیا' زینبؑ نے پوچھا کہ بیٹا کیوں آئے ہو؟ تو علی اکبر نے جواب دیا کہ اس لئے آیا ہوں کہ آپ نے مجھے ماں سے بڑھ کر پیار دیا تھا' ماں سے بڑھ کر محبت دی تھی' آج میں آپ سے کچھ مانگنے کے لئے آیا ہوں۔ اور جب زینبؑ نے پوچھا کیا مانگنے آئے ہو؟ کہا کہ پھوپھی مجھے مرنے کی اجازت دے دیجئے۔ تو زینبؑ نے جو جواب دیا وہ یہ کہ اچھا بیٹا علی اکبر' دیکھو میں نے اپنے بچوں عون محمد کو اسی لئے فدا کر دیا تھا کہ میرے بچے قتل ہو جائیں گے مگر تم بچ جاؤ۔ میں نے تمہارے لئے اپنے بچوں کو نثار کیا تھا۔ تو مرنے کے لئے جا رہے ہو تو پہلے میرے بچوں کو زندہ کرتے جاؤ۔ اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا تھا اس منطق کا۔ مگر علی اکبر نے جو جواب دیا تو زینبؑ خاموش ہو گئیں۔ شاہزادے نے فرمایا کہ پھوپھی میں جانتا ہوں اور آپ کی محبت سے واقفیت رکھتا ہوں۔ میری پھوپھی بس اتنا بتا دیجئے کہ آپ کو اپنا بیٹا پیارا ہے' یا فاطمہ کا بیٹا پیارا ہے؟ جس طرح کہ آپ نے عون محمد کو میرے اوپر قربان کیا۔ اسی طرح سے مجھے حسینؑ پر قربان کر دیجئے۔ اس لئے کہ اگر آپ نے مجھے قربان نہیں کیا تو اب حسینؑ کی جان خطرے میں ہے۔

بس عزادارانِ حسینؑ! حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ علی اکبر کو گئے ہوئے خیمے میں بہت دیر ہو چکی تھی اور میں غور سے خیمے کے در کو دیکھ رہا تھا کہ خیمے کے اندر کیا ہو رہا ہے اس کا پتہ نہ تھا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں نے یہ دیکھا

کہ خیمے کا پردہ اٹھتا ہے اور گرتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں نے جب غور سے دیکھا تو یہ دیکھا کہ جب علی اکبر خیمہ سے باہر نکلنا چاہتے ہیں' سیدانیاں دوڑ کر کرے لپٹ جاتی ہیں۔ اور علی اکبر کو کھینچ کر خیمہ کے اندر لے جاتی ہیں۔ عزاداران حسینؑ' اب یہ تو کوئی علی اکبر سے پوچھے' آپ کی غیرت کے ناطے میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تو کوئی علی اکبر سے پوچھے کہ یزیدی لشکر کی صفوں کو توڑنا مشکل تھا کہ ان سیدانیوں کے گھیرے کو توڑنا مشکل تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے علی اکبر کے دامن سے لپٹے ہوئے ہیں' کوئی کمر سے لپٹا ہوا ہے' کوئی پیروں سے لپٹا ہوا ہے۔ نہ معلوم کس طرح سے سمجھا کر اور تسلی دے کر حسینؑ کی خدمت میں آئے۔ اور آکر کہا کہ بابا میں نے پھوپھی سے بھی اجازت لے لی' بابا میں نے ماں سے بھی اجازت لے لی۔ حسینؑ نے گھوڑے پر سوار کیا اور روایت بتاتی ہے کہ علی اکبر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اپنے ہاتھ سے حسینؑ نے سجایا اپنے سپاہی کو۔ اور علی اکبر نے نظر اٹھا کر لشکر پسر سعد کے آخر پر جب نظر کی تو یہ دیکھا کہ پسر سعد دھوپ میں ہے مگر اک چتر زریں کے سائے میں کھڑا ہوا ہے۔ روایت بتاتی ہے کہ دور سے یہ منظر علی اکبر نے دیکھا کہ پسر سعد دشمن دیں چتر زریں کے سائے میں ہے اور جب پلٹ کر حسینؑ کو دیکھا کہ تین دن کی بھوک اور پیاس میں امام وقت دھوپ میں کھڑا ہوا ہے۔ بس زبان سے اتنا کہا کہ بابا میں نے دیکھا گھوڑے پر سوار ہو کر' بابا پسر سعد سائے میں ہے اور میرا بابا دھوپ میں ہے۔ بس یہ کہہ کے گویا پسر سعد کو نظر میں رکھ کے گھوڑے کو ایڑ دی اور بچہ چلا اور حسینؑ سمجھ گئے کہ علی اکبر کا ارادہ خطرناک ہے۔ علی اکبر پوری تیزی سے اپنے گھوڑے کو اڑائے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک مرتبہ محسوس ہوا کہ کوئی پیچھے دوڑتا چلا آرہا ہے۔ اب جو پلٹ کر دیکھا تو دیکھا کہ

ضعیف باپ کمر تھامے ہوئے۔ پیچھے پیچھے دوڑا چلا آرہا ہے اے بیٹا علی اکبر جب تک میرا اتنا سہارا ہے پلٹ پلٹ کر مجھے دیکھتے جانا۔

بس عزادارانِ حسینؑ۔ یہ حسینؑ کا کڑیل جوان بچہ، تین دن کا بھوکا اور پیاسا آیا اور آنے کے بعد لشکرِ پسرِ سعد پر حملہ کیا اور ایک سو بیس آدمیوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ اور پلٹ کر اب بابا کے پاس آئے۔ مگر عالم یہ ہے کہ زرہ کی کڑیوں سے خون ابل رہا ہے۔ آئے اور آنے کے بعد کہا کہ بابا اگر مجھے تھوڑا سا پانی مل جائے تو میں دکھادوں کہ بنی ہاشم کے شیر کیونکر جنگ کرتے ہیں۔

عزادارانِ حسینؑ۔ میں دو منٹ کی اس منزل پر آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ روایت بتاتی ہے کہ جس وقت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہاں پہلا فرزند زین العابدین کی شکل میں پیدا ہوا تو امام نے ایک سفید پارچے میں لپٹ کر اس بچے کو لے جا کر محرابِ مسجدِ نبوی میں رکھ دیا اور کہا کہ پالنے والے یہ بچہ میں تیری نذر کرتا ہوں۔ اور حسینؑ پیچھے ہٹے تو علیؑ نے اپنی گود میں اٹھالیا، کہا کہ پالنے والے اس بچے کو تیرے دربار سے میں لیتا ہوں۔ اور اس کے بعد جب علی اکبر پیدا ہوئے تو حسینؑ نے اس بچے کو بھی غسل کے بعد پارچے میں لپیٹ کر سفید محرابِ مسجدِ نبوی میں لے جا کر رکھ دیا۔ اور اب کی علیؑ آگے نہیں بڑھے بلکہ اب کی زینبؑ آگے بڑھیں۔ اور زینبؑ نے بچے کو اٹھالیا اور کہا کہ پالنے والے، تیرے دربار سے اس بچے کو میں لے جاتی ہوں اور آج سے یہ بچہ میرا بچہ ہے۔ روایت بتاتی ہے کہ زینبؑ نے علی اکبر کی پرورش اس طرح سے کی کہ دنیا میں کوئی ماں اپنے بچے کو اس طرح سے نہیں پال سکتی کہ جیسے پھوپھی نے علی اکبر کو پالا۔ یہاں تک کہ روایت بتاتی ہے کہ شاہزادی اپنے بچوں کا اتنا خیال نہ کرتی تھیں، جتنا خیال رکھتی تھیں علی اکبر کا۔ اور عالم یہ تھا کہ ہر وہ شے یعنی بچپنے سے لے کر اٹھارہ برس

کی عمر ہو گئی علی اکبر کی مگر جب بھی علی اکبر نے مانگی کوئی شئے' ہمیشہ اپنی پھوپھی سے مانگی۔ یہاں تک میں نے روایت میں دیکھا ہے کہ ایک آدھ مرتبہ امام حسینؑ نے شکوہ بھی کیا کہ بیٹا میں بھی تمہارا باپ ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کبھی کوئی چیز تم مجھ سے مانگو۔ یہ کیا بات ہے کہ تم کو جو شئے مانگنا ہوتی ہے زینبؑ سے جا کر مانگتے ہو۔ کبھی تو مجھ سے مانگ لو۔ اس لئے کہ باپ کا دل چاہتا ہے کہ بیٹا باپ سے کوئی شئے مانگے اور باپ اس کو دے۔ تو علی اکبر نے ہر منزل پر جواب دیا کہ بابا' میں آپ سے اس وقت مانگوں جب پھوپھی میری ہر تمنا کو پورا نہ کریں۔ جو شئے مجھے چاہئے ہوتی ہے وہ تو میں اپنی پھوپھی سے جا کر مانگ لیتا ہوں اور میری پھوپھی میری تمنا کو پوری کر دیتی ہے۔ بابا اگر کوئی شئے مجھے در پیش ہوئی کہ جو میری پھوپھی مجھے نہ دے سکتی ہو گی تو میرے بابا' آپ سے میں اسے مانگوں گا۔ اس میں کوئی تکلف کا سوال نہیں ہے۔ یہ ایک کشمکش تھی جو حسینؑ و علی اکبر کے درمیان چل رہی تھی۔ حسینؑ کی تمنا کہ مجھ سے علی اکبر کبھی کچھ مانگیں' اور علی اکبر کی یہ سیرت کہ کبھی بابا سے کوئی شئے نہ مانگی۔

عزادارو۔ آج ایک سو بیس دشمنوں کو قتل کرنے کے بعد جب علی اکبر پلٹ کر آئے تو کہا کہ بابا آپ ہمیشہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ بیٹا مجھ سے کچھ مانگو آج میں آپ سے سوال کرنے کے لئے آیا ہوں کہ بابا اگر تھوڑا سا پانی ممکن ہو تو مجھے دے دیجئے تاکہ میں وہ پانی پی کر ان لوگوں کو دکھاؤں کہ بنی ہاشم کے بہادر کیونکر جنگ کیا کرتے ہیں۔ اور اللہ رے حسینؑ کی بے کسی و بے بسی کہ اٹھارہ برس کا بچہ پہلی مرتبہ زندگی میں سوال کر رہا ہے اور وہ سوال بھی ہے پانی ایسی معمولی شئے کا مگر حسینؑ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ بیٹا تم جانتے ہو کہ پانی خیموں میں کہاں موجود ہے۔ لاؤ اپنی زبان میرے دہن میں دے دو۔ علی اکبر نے زبان حسینؑ

کے دہن میں دی اور پھر گھبرا کر فوراً نکال لی کہا کہ بابا! آپ کی زبان میں تو میری زبان سے زیادہ کانٹے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد امام نے ایک انگوٹھی بچے کو دی اور کہا کہ بیٹا اسے دہن میں رکھ لو اور جاؤ پلٹ جاؤ میدان جنگ میں اور تمہارے نانا تم کو یوں سیراب کریں گے آب کوثر سے کہ پھر تمہیں کبھی پیاس و تشنگی محسوس نہ ہو گی۔ بیٹا سمجھ گیا کہ میری شہادت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آئے اور آ کر پھر حملہ کیا اور اسی دشمنوں کو پھر قتل کر دیا۔ یہاں تک کہ سنان ابن انس کا نیزہ سینے کے اوپر پڑا۔ عزادارو! حسینؑ کے کسی سپاہی نے وہ نہیں کیا جو علی اکبر نے کیا' حسینؑ کے کسی سپاہی نے چاہے وہ بنی ہاشم میں ہو یا غیر بنی ہاشم میں' جب اس سے سنبھلا نہ گیا تو وہ گھوڑے سے زمین پر گر گیا۔ مگر علی اکبر کی بہادری اور شجاعت کا عالم یہ تھا کہ جب گھوڑے پر سنبھلا نہ گیا تو گھوڑے کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔ عزادارو گھوڑا لے کر لشکر میں چلا' روایت بتاتی ہے کہ جدھر سے یہ بچہ گزرا' جس سپاہی کے ہاتھ میں جو حربہ تھا اس نے علی اکبر پر استعمال کر لیا' یہاں تک کہ علی اکبر کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ بس جب یوں بھی نہ سنبھلا گیا' عزادارانِ حسینؑ! میں پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ کے سامنے یہ بات عرض کر رہا ہوں کہ حسینؑ کا جو ناصر گھوڑے سے گرنے لگا اس نے حسینؑ کو آواز دی کہ مولا میری مدد کے لیے آیئے' آقا میری مدد کے لئے آیئے' ماموں میری مدد کے لئے آیئے' بھائی میری مدد کے لئے آیئے' چچا میری مدد کے لئے آیئے' لیکن بس علی اکبر کی خصوصیت یہ ہے کہ جب گھوڑے سے گرنے لگے تو یہ نہیں کہا کہ بابا میری مدد کو آ جایئے' بلکہ فرماتے ہیں کہ "یا ابتاہ وعلیک منی السلام" "اے بابا! اپنے بیٹے کا سلام قبول کیجیے۔ بس عزادارانِ حسینؑ مجلس آپ نے سینکڑوں' ہزاروں سنی ہوئی ہیں مگر ایک نتیجہ نکالا ہے جو آپ کے

سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، باتیں آپ کی سب سنی ہوئی ہیں میں خالی کڑیاں ملا رہا ہوں۔ تاکہ نتیجہ آپ کے سامنے آجائے۔

برادران عزیز۔ آپ نے برابر سماعت فرمایا ہوگا کہ جب قاسم نے آواز دی ہے کہ "یا عماہ وادرکنی" "اے چچا میری مدد کے لئے آیئے" اور حسینؑ پہنچے تو حسینؑ کو قاتل قاسم پر غصہ آگیا تھا، اور حسینؑ نے قاتل قاسم پر اپنا وار کیا اس نے اپنا ہاتھ اٹھادیا، ہاتھ کٹا اور اس نے کہا کہ مجھے حسینؑ سے بچاؤ، لشکر والے دوڑ پڑے، تو قاسم کا صدمہ اٹھانے کے بعد بھی حسینؑ میں استادم ختم تھا اور اتنی قوت تھی کہ پوری فوج پر تنہا حملہ کر دیا، حضرت عباسؑ نے جب آواز دی ہے کہ آیئے غلام کی مدد کے لئے، تو حسینؑ نے یہ ضرور فرمایا کہ میری کمر ٹوٹ گئی، لیکن تاریخ میں پڑھ لیجئے کہ یہ کہنے کو تو کہہ دیا مگر اس کے بعد جھپٹ کر جب فرات کے کنارے کھڑے ہوئے لشکر پسر سعد پر حملہ کیا ہے تو یہ کہتے جاتے تھے کہ تم مجھ سے بھاگ کے کہاں جاؤ گے؟ تم نے میرے بھائی کو تو قتل کر دیا، اب مجھ سے کہاں بھاگ کے جاؤ گے، تم نے میرا بازو تو توڑ دیا۔ سینکڑوں آدمیوں کو کاٹ کر حسینؑ نے ڈال دیا فرات کے کنارے، عباسؑ کی شہادت کے انتقام میں، سنا آپ نے؟ قاسم نے پکارا تو حسینؑ نے حملہ کر دیا اتنی قوت موجود ہے، عباسؑ نے پکارا تو حسینؑ نے حملہ کر دیا اتنی قوت موجود ہے، مگر جب علی اکبرؑ کی آواز سنی عزادارو، تو اب روایت یہ بتاتی ہے کہ حملہ کیا کرنا، اب تو حسینؑ کو راستہ بھی نہیں دکھائی دیتا۔ کبھی گرتے ہیں، کبھی اٹھتے ہیں، کہتے جاتے ہیں، یا علیؑ، یا علیؑ، یا علیؑ، اب مجھے پتہ نہیں کہ اپنے بیٹے کو آواز دے رہے تھے کہ بیٹا آواز دو کہ آواز کے سہارے آجاؤں یا اپنے بابا کو پکار رہے تھے کہ بابا آپ تو ہر شیعہ کی مدد کے لئے آتے ہیں، آپ کے بیٹے

پر وقت پڑ گیا ہے' آیئے اور بازو تھام کر علی اکبر کی لاش تک مجھے پہنچا دیجئے۔

بس عزادارانِ حسینؑ! کسی نہ کسی طرح سے علی اکبر کے سرہانے پہنچے حسینؑ' اور اس وقت پہنچے کہ جب جوان بیٹا خاک کے اوپر ایڑیاں رگڑ رہا تھا' بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھنے کے بعد سر اٹھا کر زانو پر رکھ لیا' فرمایا: اے بیٹا تیرے بعد اس زندگانیٔ دنیا پر خاک ہے' بعض روایات بتاتے ہیں کہ حسینؑ نے دیکھا کہ علی اکبر اپنے سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں' کہا بیٹا سینے پر کیوں ہاتھ رکھے ہو؟ کہا کہ بابا' آپ سے زخم جگر چھپا رہا ہوں' سنان ابن انس کے نیزے کی انی' پھل اس کا ٹوٹ کر کلیجے میں رہ گیا ہے' اے بابا اگر ہو سکے تو اس پھل کو کھینچ دیجئے۔ خدا نہ کرے کہ کسی بوڑھے باپ پر یہ وقت پڑے جو حسینؑ پر کربلا کے میدان میں پڑ گیا تھا' کہا' بیٹا' تم کہتے ہو تو یہ کام بھی انجام دیتا ہوں' عزادارو یہ کہہ کے حسینؑ نے ہاتھ علی اکبر کے زخم پر سے ہٹایا' برچھی کی انی دکھائی دی' برچھی کی انی کے اوپر حسینؑ نے ہاتھ رکھا اور کھینچنا شروع کیا' میں فریاد کرنا چاہتا ہوں علی مرتضیٰ سے' اے میرے مولا' آپ ہی انصاف کیجئے کہ خیبر کا در اکھاڑنا مشکل ہے یا علی اکبر کے سینے سے برچھی کھینچنا مشکل ہے؟ یا علی کہہ کے جب جھٹکا دیا تو نیزے کا پھل تو باہر آیا مگر اس میں علی اکبر کا کلیجا بھی الجھا ہوا نکل آیا۔

☆☆☆

ساتویں مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین "(آل عمران آیت ۸۵)

برادران عزیز۔ کلام پاک میں ارشاد پروردگار عالم ہو رہا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی انسان کسی دور میں اگر اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب یا دین کو اختیار کرے گا تو وہ دین اس کا قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسا انسان جب آخرت کی دائمی زندگی میں داخل ہو گا تو اسے خود اس بات کا احساس ہو جائے گا کہ اس نے اسلام کو چھوڑ کر اپنا ہی نقصان کیا تھا۔ برادران عزیز۔ آپ یقین فرمائیں میری بات کے لئے 'وقت محدود ہے اس لئے بہت سی باتیں میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں لیکن عرض نہیں کر پاتا۔ لیکن آپ میری بات پر یقین فرمالیں کہ اسلام نے جتنا زور دیا ہے علم کے اوپر اتنا زور کسی اور شئے پر نہیں دیا۔ اور علم میں انسان کے اضافہ ہوتا ہے فکر سے 'اس لئے اسلام نے فکر ہی کو دنیا کی سب سے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تھوڑی دیر کی فکر اور تھوڑی دیر کسی مسئلے پر تھنک کر لینا' یہ ستر برس کی عبادتوں سے بہتر ہے۔

قرآن مجید میں ایک آیت میری نظروں کے سامنے ہے کہ جس میں ارشاد الٰہی ہے کہ زمین پر چلنے والوں میں سب سے بدترین کون ہے؟ اب چلنے والوں میں دواب میں جب عربی زبان میں دابہ' یا دواب بولا جاتا ہے تو اس سے

مراد ہر وہ ذی حیات ہوتا ہے کہ جو زمین پر چلنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور اس میں جانور بھی آجاتے ہیں اور انسان بھی آجاتا ہے۔ تو اب میں سوچ رہا تھا کہ شاید ارشاد ہو گا کہ خنزیر اور سور جو سب سے بدتر ہے یا کتا سب سے بدتر ہے یا کسی اور جانور کا نام لیا جائے گا۔ مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب قرآن مجید نے فرمایا کہ بدترین خلق وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں' جن کے پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں جن کے پاس عقل ہم نے دی ہے مگر وہ غور سے اپنی عقل کے اوپر جلا نہیں کرتے۔

اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ اسلام میں عقل کی اور فکر کی کیا اہمیت ہے۔ اتنا سمجھدار مجمع میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے' بہت سی باتیں ہر جگہ کہی بھی نہیں جا سکتی ہیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب اسلام نے فکر پر اتنی زیادہ اہمیت دی ہے اور فکر پر اتنا زیادہ زور دیا ہے تو اب اگر نتیجۂ فکر میں کوئی انسان خدا نخواستہ بھٹک بھی جائے اور کسی غلط نتیجے پر بھی پہنچے۔ تو جب فکر کی آزادی ہے تو نتیجے پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ شاید دنیا کے سارے مذاہب میں صرف اسلام وہ مذہب ہے کہ جس نے کہا ہے کہ تم بغیر کسی غور کے فکر کرو' مسائل پر سوچو' اگر تم صحیح نتیجے تک پہنچے تو ہم تم کو دوہرا اجر دیں گے اور اگر غلط نتیجے تک پہنچے تب بھی تم کو اکہرا اجر ملے گا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ لیکن صورت حال یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے پاس ہر شئے کا وقت ہے مگر فکر کا موقع نہیں ہے۔ فکر کے لئے ہم کو وقت نہیں ملتا اور اسی لئے ہم اپنے مذہب کو سمجھ نہیں پاتے اور جب مذہب کو سمجھ نہیں پاتے تو مذہب کے اسپرٹ اور روح غائب ہو جاتی ہے۔ اور جب ہم اپنے مذہب کو سمجھ نہیں پائیں گے تو دوسروں کو اپنے مذہب سے آشنا کیا کریں گے۔ میں نے کل آپ

کے سامنے 'جہاں تک میں سمجھتا ہوں اپنی جہالت کے اعتبار سے بہت ہی لاجیکل بات کہی 'مارکوپولو کا حوالہ دیتے ہوئے میں نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ مارکوپولو کے چاینا جانے کے سفر پر کوئی یقین نہیں کر رہا تھا لیکن جب اس نے چاینا کے جواہرات میز کے اوپر ڈال دیے بہت بڑی تعداد میں تو لوگوں کو یقین آگیا کہ یہ اگر چاینا نہ گیا ہوتا تو اتنے جواہرات وہاں سے لے کر کیسے آتا۔ تو اسی سے میں نے نتیجہ یہ نکالا کہ اللہ کے نمائندے انبیاء اور ائمہ طاہرین جو اللہ کے نمائندے بن کر اس دنیا میں آتے تھے 'اللہ کی صفات کمال میں سب سے زیادہ اہم اور ممتاز جو صفت ہے وہ ہے اس کا علم اور اس کی قدرت اور اسی لئے یہ سب سے زیادہ اپنے علم کا مظاہرہ کیا کرتے تھے کہ دنیا یا تو ان کے سورس آف نالج کو بتائے اور اگر سورس آف نالج کو نہیں بتا پاتی ہے تو پھر مانے کہ جو یہ کہہ رہے ہیں وہی صحیح ہے۔ کہ ہم کو جو کچھ بھی علم ملا ہے' یہ ہم کو اس نے دیا ہے جس نے ہم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔

آج کی مجلس میں بھی میں کچھ باتیں آپ کے سامنے ایسی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ باتیں میں آپ کے سامنے صرف اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ میری مجلس ریکارڈ ہو رہی ہے۔ اس کا آڈیو کیسٹ بھی بن رہا ہے اور ویڈیو کیسٹ بھی بن رہا ہے تو اس بنا پر میں ضرور چاہتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے کچھ باتیں کہہ دوں کہ وہ ریکارڈ رہے۔ اس لئے کہ اکثر میرے کانوں تک یہ بات پہنچی ہے اور میں نے سنا ہے کہ جب ہم ائمہ طاہرین میں سے کسی کی ایسی بات کو پیش کرتے ہیں کہ جو آج کل کے زمانے میں سائنٹفکلی پروف ہوئی ہے تو ہمارے ..... حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آپ کی تو عادت ہی یہ ہے کہ جب کوئی بات سائنٹفکلی ثابت ہو جاتی ہے تو آپ ائمہ

ظاہرین کے قول سے فوراً اس کو جسٹیفائی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

تو میں آج آپ کے سامنے جو پیش کر رہا ہوں یہ عہد آف سائنس ہے۔ سائنس ابھی ان نتیجوں تک نہیں پہنچی ہے۔ مثلاً دس برس کے بعد یا چودہ برس کے بعد یا بیس برس کے بعد یا پچاس برس کے بعد کبھی ایسا موقع آئے کہ جو امام نے فرمایا ہے وہ صحیح ثابت ہو کر ہمارے سامنے آجائے تو یہ ریکارڈ گواہ بن جائے کہ ہم امام کا قول پہلے ہی دہرا چکے ہیں' بعد میں نہیں ایگری کر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ صلواۃ بھیج دیں آپ حضرات......"

آج کی اس دنیا میں ابھی یہ بات زیر بحث ہے خالی امکان ہے اس بات کا کہ اس کرہ زمین کے علاوہ کائنات میں کہیں اور مخلوق پائی جاتی ہے کہ نہیں پائی جاتی۔ لیکن تاروں بھرا آسمان اور رات کا سناٹا اور امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ نکل کر صحن خانہ میں تشریف لائے اور آنے کے بعد نظر اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور آسمان پر نظر ڈالنے کے بعد اپنے بعض ساتھیوں سے خطاب کر کے آپ نے فرمایا کہ یہ ستارے جو تم کو چمکتے ہوئے چراغوں کی طرح سے دکھائی دے رہے ہیں اس میں بہت سے پلینٹس ایسے ہیں کہ جن پر تم سے زیادہ انٹلی جنٹ مخلوق آباد ہے۔ اور تم سے زیادہ سولائزیشن آباد ہے۔ جو بات آج کی دنیا میں ابھی انڈر ڈسکشن ہے اس کو امام اب سے بارہ سو برس پہلے بتا چکے ہیں۔ اور ... ت ضرور آپ کے سامنے عرض کر دوں کہ آج کی مجلس میں میں سوال کی اجازت نہیں دیتا۔ کیوں نہیں اجازت دیتا؟؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اقوال امام آج میں پیش کر رہا ہوں اس کو بس نقل کر رہا ہوں آپ کے سامنے۔ اس کی گہرائی تک میں خود نہیں جا سکتا۔ میں خود پہلے ہی سے اپنی جہالت کا اعتراف کرتا ہوں اس لئے مجھ سے آپ بعد میں نہ

پوچھے گا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ مطلب اگر میں بتا سکتا ہوتا تو خود ہی آپ کو بتا دیتا۔ بعد میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ مطلب تو پچاس برس کے بعد خود ہی آپ پر ظاہر ہو جائے گا۔ اور مطلب تو سو برس کے بعد آپ پر خود ہی ظاہر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اسی امام نے یہ فرمایا ہے کہ جب تم تک ہماری کوئی حدیث پہنچے اور تمہاری سمجھ میں اس کا مطلب نہ آرہا ہو تو اسے رد نہ کر دینا بلکہ اس کو کہیں پڑا رہنے دینا اور یہ سمجھ لینا کہ وہ بات ہم نے تمہارے لئے کہی ہی نہیں ہے آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے وہ بات کہی ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو مجھ سے آج کی مجلس میں جو اقوال پیش کر رہا ہوں اس کی تفسیر مجھ سے نہ مانگئے گا میں پہلے ہی جہالت کا اپنی اعتراف کئے لے رہا ہوں۔ بس جتنا میں نے دیکھا ہے اتنا میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ کہ امام ایک مرتبہ اپنے بعض ساتھیوں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ سن لو یہ تمہاری زمین نہ تمہارا نظام شمسی اللہ اکبر بات کہاں تک جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اور صرف یہی نہیں بلکہ تمہاری پوری کائنات، جس میں عرش اور کرسی اور جنت اور جہنم سب شامل ہیں، یہ سب اللہ نے ایک گلوب نما شئے ہے۔ جس کے اندر اندر پیدا کئے ہیں اور اسی گلوب سے یہ سارا نظام کورڈ ہے جس میں جنت و جہنم و عرش و کرسی سب شامل ہیں۔ اور اللہ نے نہ معلوم کتنے ایسے ایسے گلوب لاکھوں کی تعداد میں پیدا کر رکھے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ ایک اور آیت ہے۔ جس کی تفسیر کے ذیل میں امام ارشاد فرماتے ہیں کہ سنو اور سن لو، یہ آدم کہ جن کی نسل میں تم ہو۔ اس سے پہلے ایک اور آدم اپنی پوری نسل سمیت گزر چکے، جن کی نسل ختم ہو چکی، جن کا حساب کتاب ہو چکا، جن کی نسل میں جنت میں جانے والے جنت میں جا چکے، جہنم میں جانے والے جہنم میں جا چکے اور دور کے ختم ہونے سے

پہلے ایک آدم اپنے دور کے ساتھ اور گزر چکے ۔ اور ان سے پہلے ایک آدم مع اپنے پیریڈ کے اور گزر چکے اور نہ معلوم کتنے آدم ہیں کہ جو اب تک گزر چکے ہیں اپنی پوری نسلوں کے ساتھ اور ان کا حساب و کتاب ہو چکا ہے۔ اور جب یہ نسل ختم ہو جائے گی تو یہ نسل ختم ہو جائے گی مگر اللہ خالق ہے اس کی خلقت کی صفت جاری رہے گی۔ جب یہ نسل ختم ہو جائے گی تو اللہ ایک آدم کو اور پیدا کرے گا۔ اور پھر نئے سرے سے قومیں آگے بڑھیں گی اور نسل آدم آگے بڑھے گی۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ ذرا جسارت کی بات ہے جو آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں' آج کی موسٹ ماڈرن تھیوری ہے کہ جو اب بھی بہت سے دماغوں پر چھائی ہوئی ہے۔ لیکن لیٹسٹ سائنٹفک ڈسکوری کے بعد اب اس تھیوری میں جان نہیں رہی' اس لئے کہ اس تھیوری کے تحت انسان کی موجودہ شکل زیادہ سے زیادہ پچیس ہزار برس پہلے قرار پاتی ہے۔ اور اسی سرزمین سے کتاب چھپی ہے' آکسفورڈ سے' جس کے حوالے سے میں آپ کے سامنے یہ بات عرض کر رہا ہوں۔ اس میں آپ ملاحظہ فرمالیں کہ نوادا کا جو ریگستان ہے امریکہ میں' وہاں پر کچھ فاسیلز ایسے ڈسکور کئے گئے کہ جب اس کا انالسز کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اب سے دو کروڑ سال پہلے کے ہیں۔ یعنی ٹوئنٹی ملین ایرس۔ دو کروڑ سال پہلے وہ فاسیلز ہیں اور ان میں جوتوں کے نشان ہیں اور ایسے جوتے کہ جس کو مینڈ کیا گیا ہے اور اس کے مینڈ کرنے کے نشان اس کے اندر موجود ہیں۔ تو موجودہ نظریہ کے تحت تو انسان اس شکل میں آیا تھا ۲۵ ہزار برس پہلے۔ یہ دو کروڑ برس کے انسان کے جوتے کہاں سے ملے؟ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کے جوتے نہیں ملے بلکہ تھیوری آف.... کو ایک جوتا لگا ہے۔ اس لئے کہ دو کروڑ برس پہلے کا انسان جب اتنا سولائزڈ تھا اور متمدن تھا کہ وہ

باقاعدہ سینڈ کئے ہوئے جوتے پہنتا تھا تو اس سے تھیوری آف..... تو ختم ہو گئی۔
مگر امام جعفر صادق کا قول ہمارے سامنے آگیا کہ نا معلوم کتنے آدم اس دنیا میں
اپنی نسلوں کے ساتھ پیدا ہو چکے ہیں اور پیدا ہونے کے بعد غائب ہو چکے ہیں'
اور پھر نئے سرے سے نسل انسانی چلی ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اس کے بعد
اب کہاں تک میں آپ کے سامنے عرض کروں' ابھی تک دنیا کو اس کا پتہ نہیں
ہے۔ ہر شئے کا وزن ہے' لیکن جہاں تک میرا خیال ہے کہ نور اور ظلمت کے
وزن کا انسان کو پتہ نہیں ہے۔ لیکن امام زین العابدین اپنی ایک دعا میں فرماتے
ہیں کہ پاک ہے وہ خدا' جو زمین کے وزن کو جانتا ہے' جو آسمان کے وزن کو جانتا
ہے جو سورج کے وزن کو جانتا ہے' جو چاند کے وزن کو جانتا ہے' جو ہوا کے وزن
کو جانتا ہے اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ پاک ہے وہ خدا کہ جو نور اور ظلمت' جو
روشنی کے وزن کو جانتا ہے۔ جو لائٹ کے وزن کو جانتا ہے۔"

برادران عزیز۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ لائٹ میں وزن نہیں ہوتا؟ کیا
آپ یہ سمجھتے ہیں کہ نور میں وزن نہیں ہوتا؟ وزن اور ویٹ پیدا کیسے ہوتا
ہے؟ ویٹ اپنی جگہ پر کوئی شئے نہیں ہے' اللہ نے ہر جسم میں اور ہر آبجکٹ میں
ایک گریوٹی قرار دی ہے اور جتنا اس جسم میں ڈنسٹی ہوتی ہے اسی اعتبار سے اس
میں گریوٹی ہوتی ہے' ملاحظہ فرما رہے ہیں آپ؟ جیسے یہ زمین ہے' اس زمین
میں گریوٹیشنل پل ہے' ہر شئے کو یہ زمین کھینچتی ہے' اور اسی قوت کشش اور
گریوٹی کے اعتبار سے جیسا اس میں پل ہوتا ہے ویسے ہی وزن کا پیمانہ قرار پاتا
ہے۔ مثال دے دوں معمولی سی' مثلاً چاند' مون ہماری زندگی سے ⅙ ہے
تقریباً' تو اگر کوئی شئے یہاں پر چھ کیلو کی ہے تو وہ چاند پر پہنچنے کے بعد ایک کیلو
کی رہ جائے گی۔ اس لئے کہ قوت کشش جو ہے وہ ویک ہے اور کمزور ہے۔ لہٰذا

وزن وہاں خود بخود کم ہو جائے گا۔ اس لئے پہلے یہ خیال تھا کہ ویٹ اور وزن ایبسلوٹ ہے' مگر آج کی سائنس نے بتادیا کہ وزن اور ویٹ ایبسلوٹ نہیں ہے۔ چنانچہ اس زمین میں تو فقط اتنی ہی قوت کشش ہے کہ یہ پتھر کو کھینچ لے' پتھر کے علاوہ درختوں کے پتوں کو کھینچ لے' میرا بال ٹوٹے اسے کھینچ لے' ہلکی سے ہلکی شے ہوا سے کھینچ لے' یہاں تک کہ ہوا کو بھی کھینچے ہوئے ہے' لیکن اس میں اتنی قوت کشش نہیں ہے کہ یہ نور کی کرنوں کو کھینچ لے' اس لئے روشنی کی کرنیں جب اس زمین سے ٹکراتی ہیں تو اچھل جاتی ہیں اور اسی لئے وہ شے آپ کو دکھائی دینے لگتی ہے۔ مگر آج کی جدید سائنس ہم کو یہ بتاتی ہے کہ اسی کائنات میں بعض اسٹارس اتنے بڑے بڑے ہیں کہ جو ہمارے سورج سے لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ لیکن ان میں ڈینسٹی اتنی زیادہ ہے اور ڈینسٹی کی وجہ سے اس میں گریوٹی اتنی زیادہ ہے کہ جہاں وہ اور چیزوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے' وہاں جب روشنی کی کرنیں اس سے ٹکراتی ہیں تو کرنوں کو بھی کھینچ لیتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو اتنے بڑے بڑے اسٹارس ہیں جو سورج سے لاکھوں گنا بڑے ہیں' لیکن وہ ہم کو نہ دکھائی دیتے ہیں نہ آئندہ کبھی دکھائی دیں گے۔ کیونکہ کوئی شے ہم کو دکھائی اس وقت دیتی ہے کہ روشنی جب اس سے ٹکرا کے جمپ کرتی ہے تو وہ شے ہم کو دکھائی دیتی ہے۔ اور جب روشنی اس میں ضم ہو گئی تو وہ شے ہم کو دکھائی کیسے دے گی؟

برادران عزیز۔ اب جب میں یہاں تک پہنچ گیا تو آپ اگر اجازت دیں تو آپ کے سامنے عرض کروں۔ کہ خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ رسولؐ نے اہل بیتؑ کو وزن کیوں کہا؟ توجہ فرمائیے گا' وزن پیدا ہوتا ہے ڈینسٹی حد سے آگے بڑھ جائے تو روشنی کی کرنیں پڑتی ہیں مگر دکھائی نہیں دیتیں' تو

آپ کو اس بات پر حیرت ہے کہ یارہواں دکھائی کیوں نہیں دیتا' مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ گیارہ دکھائی کیسے دیتے ہیں؟ اس لئے کہ جو وزن مطلق کی منزل کے اوپر ہوں ان کی تو یہ کیفیت ہونا ہی چاہئے کہ نور ان سے ٹکرائے تو رپلیس نہ ہو سکے بلکہ انہیں کی ذات میں ختم ہو جائے۔ صلواۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ......"

تو اب اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان اسٹار کی گریوٹی نور کو کھینچ رہی ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو یہ وہ علوم ہیں' علوم کے دریا میں اور علوم کے سمندر ہیں کہ جو امام جعفر صادق سے ہے۔ اور پھر میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یا تو آپ بتائیں کہ اس نالج کا سورس کیا تھا؟ اور اگر آپ نہ بتا سکیں تو پھر آپ وہی مانیں کہ جس کو یہ امام خود بتا رہا ہے کہ میں نے نہ کہیں پڑھا ہے نہ کہیں لکھا ہے' نہ میرا کہیں استاد ہے۔ امام اور نبی استاد سب کا ہوتا ہے اور اس کا استاد کوئی نہیں ہوتا۔ یہ مجھے براہ راست یا معصومین کے وسیلے سے یا براہ راست الہام کے ذریعہ سے یہ علم مجھ تک پہنچا ہے اور اس سے بڑھ کر برادران عزیز' وہ پیشن گوئیاں جو امام نے فرمائی ہیں۔ آپ بتا سکتے ہیں مجھے کوئی ایسی پیشن گوئی کہ جس کو امام نے کہا ہو وہ غلط ہو گئی ہو۔

آپ کے امام زمانہ (عج) کے بارے میں امام نے ارشاد فرمایا کہ جب تم یہ دیکھنا کہ عورتیں ایسا لباس پہنے ہوئے ہیں کہ لباس پہننے کے بعد بھی وہ عریاں نظر آ رہی ہیں تو سمجھ لینا کہ تمہارے امام کا زمانہ ظہور قریب آ گیا ہے۔ اس وقت کے لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی یہ بات کہ یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ انسان لباس پہنے اور پھر اس کے اندر سے دکھائی دے رہا ہو؟ اس لئے کہ اس زمانے میں تو ایسے لباس ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ لیکن علامہ زمخشری کو کوئی جگا دے اور وہ آج آ کر کہیں اور کی نہیں فقط پاکستان اور ہندوستان ہی کی سیر کر لیں تو ان کو

امام کی یہ پیشن گوئی اپنی اصلی شکل میں نظر آجائے گی۔ ایک اور پیشن گوئی میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تم یہ دیکھنا کہ لوگ میوزیکل انسٹومنٹس کو اپنی جیبوں میں لئے لئے گھوم رہے ہیں تو سمجھ لینا کہ تمہارے امام کا زمانۂ ظہور قریب آچکا ہے۔ زمخشری بے چارے پھر ناچ گئے' یہ گھوم گئے۔ جملے بتاؤں انہوں نے کیا لکھا ہے۔ یہ جملے لکھے ہیں کہ صاحب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زمانے کے جو لوگ ہوں گے' وہ جیبوں کی جگہ کیا بیگ لئے ہوں گے' تھیلے بڑے بڑے۔ اس زمانے میں تو ظاہر ہے کہ ستار اور سارنگی کی طرح کے میوزیکل انسٹومنٹ ہوتے تھے' لیکن ان کو کیا خبر کہ اب ٹرانزسٹر اور ٹیپ ریکارڈر کی موجودگی میں چھوٹی چھوٹی جیبوں میں جتنے چاہیں میوزیکل انسٹومنٹ آپ لگا کر چلے جائیں۔ اور اگر آپ تھوڑے سوفسٹیکیٹڈ ہیں تو ہیڈ فون کے ذریعہ خود سنتے ہوئے جائیں اور اگر آپ ہندوستانی یا پاکستانی یا اپنے دیش میں ہیں تو کوئی سننا چاہے یا نہ سننا چاہے' زبردستی اس کو سناتے ہوئے جائیں گے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو جو پیشن گوئی امام نے کی تھی وہ پوری ہوئی کہ نہیں ہوئی؟ ایک اور غضب کی پیشن گوئی۔ دیکھئے یہ پیشن گوئی تو ایسی ہے کہ اس زمانے میں سوچا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ فرمایا امام نے کہ جب یہ دیکھنا کہ لوگ سواریوں سے ٹکرا ٹکرا کر مر رہے ہیں' تو تم سمجھ لینا کہ تمہارے امام کا زمانۂ ظہور قریب آچکا ہے۔ اچھا' جو امام نے بارہ سو برس' تیرہ سو برس پہلے بات کہی تھی' آج وہ صحیح ثابت ہو رہی ہے کہ نہیں؟ امریکہ کا پورشن' ریشیو' پروڈکشن کیا ہے معلوم ہے آپ کو؟ یورپ کا بھی اس سے کم نہ ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات امام نے اب سے تیرہ سو برس پہلے فرمائی تھی وہ آج ہماری نظروں کے سامنے آرہی ہے۔

پھر میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ سورس آف نالج کیا ہے؟ یا تو آپ بتائیں کہ سورس آف نالج کیا ہے؟ اور اگر نہیں بتا سکتے تو اس کے اوپر آپ یقین لے آیئے جو یہ کہہ رہے ہیں صلوٰۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ.....''

ساتویں امام نے پیشن گوئی فرمائی ہے ہمارے امام زمانہ کے متعلق' لہٰذا چند باتیں عرض کردوں کہ امام نے فرمایا کہ جب یہ ہوگا' عورتیں ایسی ہوں' مرد ایسے ہوں' سواریاں ایسی ہوں' ملاحظہ کیا آپ نے؟ میوزیکل انسٹرومنٹ کی یہ پوزیشن ہو تو سمجھ لینا کہ وقت آرہا ہے' تمہارا امام ظہور کرے گا۔ اچھا آپ انصاف سے بتایئے کہ جو پیشن گوئیاں امام نے فرمائی تھیں' جس وقت وہ یہ پیشن گوئیاں فرما رہے تھے تو یہ واقعات غیبت کی منزل میں تھے؟ یا ثبوت اور ظہور کی منزل میں تھے؟ یعنی نظروں سے چھپے ہوئے تھے یا نظروں کے سامنے تھے' آپ کا جواب یہی ہوگا کہ نظروں سے چھپے ہوئے تھے۔ مگر آپ دیکھ لیجئے کہ جو بات اس وقت نظروں سے چھپی ہوئی تھی وہ آج نظروں کے سامنے آچکی۔ تو جس امام نے یہ کہا تھا اسی امام نے یہ بھی کہا تھا کہ اب یہ ہوگا تو یہ بھی ہوگا' تو یاد رکھئے کہ جس طرح اس وقت کا غیبت آج کا ثبوت بن چکا ہے آج کی غیبت کل ثبوت بن جائے گی۔ اس لئے کہ یہ زبان وہ ہے کہ جس زبان پر سوائے صداقت کے اور کچھ نہیں ہے۔

اب یہ منزل ضرور ہے' بہت سے لوگوں کو اس بات پر شک ہے' اور کچھ لوگ ہمارا مذاق بھی اڑاتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے میں بتادوں آپ کو' اور روایات میں بھی ہے۔ اب کیا معلوم کتنے دنوں کے بعد ان کا ظہور ہوگا' ابھی اور مزید ہزار برس لگ جائیں' یا دو ہزار برس لگ جائیں' یا دس ہی برس رہ جائیں کسی کو کچھ نہیں معلوم ہے۔ بہر حال ہمارے یہاں کی روایت میں ہے کہ

چاہے ہزار برس کے بعد ظہور ہو چاہے دس ہزار برس کے بعد ظہور ہو۔ لیکن جب دنیا میں ظاہر ہوں گے تو چالیس سال کے دکھائی دیں گے۔ جیسے ایک چالیس برس کا انسان ہوتا ہے وہ صورت ہوگی۔ اب بہت سے لوگ کہتے ہیں صاحب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہزاروں برس کے بعد دنیا میں ظاہر ہوں اور دکھائی دے رہے ہوں چالیس برس کے۔ اچھا آیئے تو میں پھر تھیوری آف ریلیٹی کو آپ کے سامنے کوڈ کروں۔ یہ آپ کے سامنے پہلے بتادوں کہ تھیوری آف ریلیٹی ان تھیوریز میں سے ہے کہ جسے دنیا میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اور میں جو بات آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں' یہ رسل کی تھیوری آف ریلیٹی ہے جسے میں پڑھ رہا ہوں۔ تو۔ اس نے کوڈ کیا ہے کانسٹائن کو۔ کانسٹائن جو اس تھیوری کا موجد ہے' وہ یہ کہتا ہے کہ جس طرح سے وزن ریلیٹو ہے اسی طرح سے ٹائم ریلیٹو ہے' وقت کو جس پیمانے سے ناپا جاتا ہے اس کا نام ہے لائٹ اور نور' ملاحظہ کیا آپ نے؟ اب مثال دے دوں میں آپ کے سامنے' مثلاً ایک ٹرین یہاں سے انگلینڈ کے کسی شہر کی طرف چلی' جو مثلاً یہاں سے سو میل دور ہے' اور اسی سے ملی ہوئی ایک روڈ تھی' اس روڈ پر کار بھی چلی۔ ٹرین کی اسپیڈ ہے ایک گھنٹہ میں سو میل اور کار کی اسپیڈ ہے مثلاً ایک گھنٹہ میں ساٹھ میل۔ تو ایک گھنٹے کے بعد اس ٹرین کا فاصلہ جہاں سے وہ چلی ہے وہاں سے سو میل ہوگا مگر اس کار کا فاصلہ چالیس میل ہوگا۔ کیونکہ کار بھی بہر حال اسی سمت میں اس سے کم سفر کر رہی ہے مگر چل رہی ہے' تو کانسٹائن یہ کہتا ہے کہ زمانے کو ناپا جاتا ہے' ٹائم کو ناپا جاتا ہے لائٹ سے اور نور سے' اور اگر کبھی ایسا زمانہ آجائے کہ دنیا میں ایسی سواریاں ایجاد ہو جائیں کہ جو اسپیڈ آف لائٹ کے قریب آنے لگیں تو ایسی سواریوں کے لئے ٹائم بینڈ ہو جائے

گا۔ وہ کہتا کہ فرض کیجئے زمین سے ایک اسپوٹنک چلا اس کائنات میں کسی پلینٹ کی طرف اور یہ اسپیڈ آف لائٹ سے نزدیک ہو چکا ہے' یہ چلا زمین سے اس پلینٹ تک پہنچنے میں' اس پر جو سوار ہیں ان کو یہ محسوس ہو گا کہ بیس برس میں ہم پہنچ گئے۔ دو چار دن' پانچ دن' ہفتہ بھر' مہینہ بھر وہاں پر رہے' اور پھر وہاں سے اسی اسپیڈ سے اپنی زمین کی طرف واپس چلے' کہ جہاں سے ان کا سفر شروع ہوا تھا' تو ان کو یہ محسوس ہو گا واقعی کہ بیس سال ان کو لگے ان کو جانے میں اور بیس سال لگے ان کو یہاں آنے میں' مگر جب یہ پلٹ کر زمین پر آئیں گے تو اپنی آنکھوں سے یہ حیرت ناک نظارہ دیکھیں گے کہ ان کا سفر تو تمام ہوا ہے ان کے اعتبار سے ان کی عمر میں تو ابھی چالیس ہی برس کا اضافہ ہوا ہے' مگر زمین پر پانچ سو یا چھ سو یا چار سو برس گزر چکے ہیں' نسلوں کی نسلیں ختم ہو چکی ہیں ان کے پوتے کے پوتے بھی ختم ہو چکے ہیں' ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ توجہ فرمائی آپ نے؟ تو اب تھیوری کیا بتاتی ہے کہ اگر کسی سواری کی رفتار لائٹ کی رفتار کے قریب ہو جائے تو ٹائم اس کے لئے بنٹ ہو جاتا ہے' ہمارے اعتبار سے انسان سینکڑوں برس کے بعد واپس آئے۔ اچھا واپس آنے کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ یہ پڑھتے پڑھتے بات یاد آ گئی۔ واپس آنے کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ رجعت۔ رجعت کہتے ہیں پلٹ کر آنے کو' رجعت کہتے ہیں واپس آنے کو۔ رجعت کہتے ہیں دوبارہ ظہور ہونے کو۔ تو حضور ان کی ہلینس سے رجعت ہو سینکڑوں برس بعد' مگر یہ ہم کو چالیس ہی برس کے دکھائی دے رہے ہوں' تو جس کی رفتار نور کی رفتار سے قریب ہو جائے جب وہ سینکڑوں برس کے بعد چالیس برس کا دکھائی دے رہا ہے تو جو خود منزل نور میں ہو اور ہزاروں برس کے بعد ظاہر ہو' اور چالیس برس کا دکھائی دے رہا ہو تو آج کی

دنیا میں یہ بات سائنس کے خلاف نہیں قرار پاتی۔ صلوٰۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ....."

بس برادران عزیز۔ میں بار بار آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں کہ یہاں پر اللہ کا شکر ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں موجود ہیں جیسا کہ مجھے برابر بتایا جارہا ہے اور مجھے بڑی خوشی ہے۔ اور خدا کرے کہ یہ اسپرٹ ہمیشہ بر قرار رہے۔ اس لئے میں بھی کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہتا کہ جس میں کوئی اختلاف پیدا ہو۔ حالانکہ اسلام میں اتنا اختلاف ہے کہ ہمارا امام پیدا ہو گیا یا پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب تک یہ دنیا میں ظہور نہ کر لیں گے اس وقت تک دنیا کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ مسلمانوں میں اختلاف کا ہونا فطری بات ہے' ہم کہتے ہیں کہ پیدا ہو چکے اور ہمارے سنی بھائی کہتے ہیں کہ پیدا ہوں گے' بس اتنا اختلاف ہے۔ مگر اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ جب تک وہ پیدا نہ ہو لیں گے' دنیا میں ظاہر نہ ہو لیں گے اس وقت تک یہ دنیا تمام نہیں ہو گی۔

اب ایک سوال میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں' کسی کے برا ماننے کی بات نہیں ہے' میں نے پہلے ہی کہا ہے آپ سے کہ کسی کا دل نہیں توڑوں گا۔ نہ میرا یہ شعار ہے' میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں تمام عالم اسلام سے کہ چاہے وہ پیدا ہو چکے ہوں اور ظہور کریں' یا پیدا ہوں اور ظہور کریں مجھے اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے' چاہے یہ صورت ہو چاہے وہ صورت ہو' میرا جو سوال ہے وہ یہ ہے کہ آخر یہ جو رسولؐ کے جانشین قرار پائیں گے۔ ان کی جانشینی میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے' سب ان کو رسول کا نائب مان رہے ہیں' ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ غالباً جب یہ دنیا میں ظاہر ہوں گے تو یہ ایک یونیورسل الکشن نہیں ہوتا وہاں سلکشن ہوتا ہے۔ کہ ان کو سلکٹ کر لیا جائے۔ جی۔ یہ بھی نہ ہو گا تو نامی نیشن ہو گا' یہی تین طریقے ہیں۔ تو اب

جناب سارا عالم اسلام۔ اب یہاں پر اللہ کا شکر ہے کوئی اختلاف نہیں ہے۔
سارا عالم اسلام یہاں پر ایک زبان ہو کر کہے گا کہ کیسی باتیں آپ کر رہے ہیں
جناب' نہ ان کو کوئی نامی نیٹ کرے گا۔ ارے۔ تو پھر یہ رسول کے خلیفہ کیسے
بن جائیں گے؟ پھر یہ رسولؐ کے نائب کیسے بن جائیں گے؟ تو اب سارا عالم
اسلام اس منزل پر ہے اب الحمد للہ کوئی اختلاف نہیں ہے خدا کا شکر ہے۔ سارا
عالم اسلام ایک زبان ہو کر کہے گا کہ نہ الکشن ہو گا' نہ نامی نیشن ہو گا' ان کو تو
اللہ نے بنایا ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اب پھر غیر اختلافی شخصیت ایک اور
لا کے آپ کے سامنے پیش کر دوں' یعنی علیؑ ابن ابی طالب۔ ہمارے نزدیک
پہلے امامؑ' ہمارے نزدیک پہلے امام' ہمارے بھائیوں کے نزدیک چوتھے خلیفہ۔
لیکن شخصیت مسلم۔ نہج البلاغہ میں علیؑ کیا فرماتے ہیں؟ فرماتے ہیں کہ جب
کوئی بات تمہارے اوپر مشتبہ ہو جائے اور اس کے بارے میں تم شک میں پڑ جاؤ
تو ابتدا کو نہ دیکھو اس کی انتہا کو دیکھو۔ شروع کو نہ دیکھو آخر کو دیکھو۔ شروع میں
کنفیوزڈ رہو گے' لیکن جب اس کے آخر کو دیکھو گے تو سارے مسائل خود بخود
واضح ہو جائیں گے۔ تو اب اس جھگڑے کے آخر کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہم کو
نظر یہ آتا ہے کہ رسول کا خلیفہ جب بنایا جاتا ہے تو نہ الکشن ہوتا ہے نہ سلکشن
ہوتا ہے' نہ نامی نیشن ہوتا ہے' بلکہ اللہ رسولؐ کے نائب کو منتخب کیا کرتا ہے۔
تو آخر پر نظر ڈالنے سے ابتدا کا مرحلہ بھی انشاء اللہ طے ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ
صلوٰۃ بھیج دیں آپ حضرات.......''

اب رہ گئی یہ بات اور بس تقریر کا آخری حصہ کہ لوگ کہتے ہیں کہ
صاحب وہ آئیں گے تو کیا کر لیں گے' ان کے پاس وہی پرانی زنگ کھائی ہوئی
ذوالفقار ہو گی۔ یہاں ہم ایٹم بم بنا چکے ہیں' ہائڈروجن بم بنا چکے ہیں۔ ٹینک

ہیں، مشین گنیں ہیں، بم۔ تو گویا یہ سمجھ رہے ہیں کہ جیسے دنیا کے دو بادشاہوں میں، دوسربراہوں میں، دو حکومتوں میں جنگ ہوتی ہے ویسی جنگ ہوگی۔ پرسوں کی مجلس میں میں آپ کے سامنے ایک مثال دے چکا ہوں جو اسی زمانے کی مثال ہے کہ جب امریکن ہیلی کاپٹر جس کی سرزمین پر اتر رہے تھے کہ تو میں نے بتایا تھا آپ سے کہ آج کل میتول لینڈنگ نہیں ہوتی ہے۔ لیکن اللہ نے دکھا دیا کہ اگر ہماری مصلحت ہوگی تو نہ تمہاری نظر کام کرے گی اور نہ تمہارے انسٹرومنٹس کام کریں گے۔ تو کیا اس سے آپ نے کچھ سبق نہیں سیکھا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کے نمائندے سے جنگ ہوگی تو پھر یہ طاقتیں ہم سے سلب ہو جائیں گی۔

بس ایک مثال دے دوں اور زحمت آپ کی ختم کروں۔ دیکھئے ہمارے یہاں جتنا بھی اسلحہ ہے ان سب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے میرے بھائیو، ایک آگ کی گرمی، ایک اسٹیل اور فولاد کی سختی۔ اگر آپ انڈسٹری سے یہ دو چیزیں لیتے جائیں تو آپ مجھے بتائیں کہ کون سا اسلحہ... موم کے کھلونے بن سکتے ہیں موم کے اسلحے نہیں بن سکتے۔ مٹی کے گھروندے بن سکتے ہیں، مٹی کے ٹینک نہیں بن سکتے۔ ساری ہماری قوت ختم ہے اگر آگ کی گرمی اور فولاد کی سختی ختم ہو جائے۔ اور یہ بھی خدا کا انتظام تھا کہ اس نے دکھا دیا کہ دیکھو آگ ہمیشہ رہے گی لیکن اگر اسی آگ کے ذریعہ سے ہمارے خلیل کو تم معاذ اللہ جلانا چاہو گے تو آگ موجود رہے گی، شعلے موجود رہیں گے مگر گرمی کو ہم ختم کر دیں گے۔ خلیل خدا آگ کے شعلوں میں رہے گا۔ جلنے نہیں پائے گا تسبیح خالق کرتا رہے گا۔ اس کا مطلب یہ کہ ہزاروں برس پہلے ہمارے معبود نے دکھا دیا کہ اگر الٰہی نمائندے کے سامنے آگ آجائے گی تو آگ، آگ رہے گی

مگر ٹھنڈی ہو جائے گی۔ تو پھر ففٹی پرسنٹ انڈسٹریز تو گئی ہماری۔ اب ففٹی پرسنٹ رہ گئی تھی تو اس کی حقیقت یوم فتح خیبر کھل گئی۔ جب دنیا نے دیکھ لیا کہ علیؑ کے ہاتھ کے سامنے آ کر فولاد موم سے بدتر، پتلا ہو گیا۔ اور نرم ہو گیا تو ہمارا سہارا تھا آگ کی گرمی پر لو۔ فولاد کی سختی پر، دونوں نے بتادیا کہ ہم اسی وقت تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں کہ جب تمہارا مقابلہ تمہارے جیسے انسانوں سے ہو رہا ہو۔ لیکن اگر نمائندگان خدا سے مقابلہ ہو رہا ہو تو ہمارا سہارا نہ کرنا ملاحظہ فرمایا آپ نے؟

تو یہ امام ہمارا دنیا میں ظہور کرے گا، اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ اس لئے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اور یہ بالکل ٹھیک ہے، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا ہے کہ جتنا جتنا زمانہ آگے آگے بڑھتا جا رہا ہے، جتنا جتنا سائنس اور ٹیکنالوجی آگے بڑھتی جا رہی ہے اتنا ہی اتنا انسان کا انسان سے خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ ایک طرف سائنس و ٹیکنالوجی انسان کو آسمانوں پر پہنچا رہی ہے اور دوسری طرف انسانیت پستیوں میں گرتی چلی جا رہی ہے۔ انسان آج بھیڑیئے سے زیادہ خونخوار ہو چکا ہے، انسان آج سانپ سے زیادہ زہریلا ہو چکا ہے۔ انسان آج بچھو سے زیادہ اذیت پسند ہو چکا ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو جتنا جتنا زمانہ آگے بڑھتا جا رہا ہے اتنا اتنا ظلم بڑھتا جا رہا ہے۔ اتنا اتنا استحصال بڑھتا جا رہا ہے۔ انسانیت پسی جاتی ہے، انسانیت کچلی جاتی ہے، انسانیت کی اجتماعی موت اس سے قریب سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ اگر اسی عالم کے اوپر اس دنیا کا خاتمہ ہو گیا تو شیطان جیت گیا اور رحمان ہار گیا۔ اس لئے یہ وعدۂ الٰہی کہ اس نے شیطان کو ایک وقت معین تک کی مہلت دی ہے اور اس کے بعد شیطانی منصوبے چل نہ سکیں گے۔ الٰہی

مشیت دنیا پر نافذ ہو کر رہے گی یعنی اس دنیا کا خاتمہ ظلم پر نہیں ہو گا بلکہ دنیا کا خاتمہ جسٹس عدالت اور انصاف کے اوپر ہو گا۔

آج کوشش کی جارہی ہے کہ اس دنیا میں مساوات و برابری قائم ہو جائے مگر یہ مساوات اور برابری اسی وقت قائم ہو گی کہ جب رب العالمین کا نمائندہ آئے گا۔ اور دنیا میں حکومت کر رہا ہو گا۔ اور جب تک کسی ایک گروپ کا نمائندہ حکومت کر رہا ہو گا وہ اپنے گروپ کے مفاد کو دیکھے گا' عوام کے مفاد کو نہیں دیکھے گا۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ خود حضورؐ نے فرمایا ہے سرورکائنات نے کہ ہمارا جب وہ آخری نمائندہ دنیا میں ظہور کرے گا' تو وہ دولت کی اور...... کی صحیح تقسیم کرے گا۔ تو جو صحابہ وہاں پر تشریف فرما تھے انہوں نے پوچھا کہ یارسولؐ اللہ صحیح دولت کی تقسیم سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا "بسببیة" یعنی یہ نہیں ہو گا کہ ایک آسمان پر ہو اور دوسرا زمین کے اوپر ہو' یہ نہیں ہو گا کہ ایک مرغن غذائیں استعمال کر رہا ہو اور دوسرا فاقے کر رہا ہو۔ بھوک دنیا سے ختم ہو جائے گی' غربت دنیا سے ختم ہو جائے گی' افلاس دنیا سے ختم ہو جائے گا' دولت کی حق کے اعتبار سے اور مساوی اعتبار سے تقسیم ہو گی۔ اور اس کے بعد دنیا میں امن قائم ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمارے امام کے ظہور کی ایک غرض اور بھی ہے۔ جس کو ائمہ طاہرینؑ نے ارشاد فرمایا ہے وہ یہ کہ وہ خون جو کربلا کے میدان میں مظلوموں کا بہایا گیا' ناحق' یہ امام اس خون کا بدلہ لینے کے لئے آئے گا۔ اور اسی لئے روایات نے بتایا ہے کہ کعبے کے قریب ظہور ہو گا' مگر سب سے پہلے آپ اپنا لشکر لے کر آئیں گے کہاں؟ حرم سید الشہداء میں۔

برادران عزیز۔ میں نے کبھی یہ بات نہیں کہی' لیکن آج کی اس مجلس

میں آپ سے بصد خلوص یہ التماس کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یہ دعا فرمائیں کہ بس اب عراق کا راستہ جلد سے جلد کھل جائے اور زیارت کے لئے تڑپنے والے لوگ آزادی کے ساتھ اپنے مولا کی بارگاہ میں حاضر ہو سکیں۔ اور وہ ظالم اور وہ اپنے وقت کا حجاج اور فرعون' اور نمرود کہ جو مظلوم لوگوں کو پھانسیوں کے ذریعہ سے اور قتل و غارت گری کے ذریعہ سے موت کی نیند سلا رہا ہے۔ خدا جلد اس کی مہلت کی رسی کو کاٹ دے۔

برادران عزیز۔ ہمارا یہ امام آئے گا اور آنے کے بعد سب سے پہلے اپنے جد مظلوم کے روضے پر آپ تشریف لائیں گے اپنے لشکر کے ساتھ اور آنے کے بعد فرمائیں گے کہ "السلام علیک یا جدہ' السلام علیک یا ابا عبد اللہ" اے میرے جد مظلوم' اے کربلا کے شہید آپ پر میرا سلام ہو۔ ہم اور آپ جب جاتے ہیں اور سلام کرتے ہیں تو جواب سلام ادھر سے ملتا ہے مگر ہم سن نہیں پاتے۔ لیکن امام جواب سلام سماعت فرمائیں گے۔ آواز آئے گی کہ اے میرے لال اے میرے فرزند تجھ پر بھی میرا سلام' میں قبر کی منزل سے تیری قوت اور تیری طاقت اور تیرے لشکر کو دیکھ رہا ہوں اے میرے لال اگر یہ لشکر تیرا کربلا کے میدان میں موجود ہوتا' تو میرا بھائی عباس شہید نہ ہوتا۔ میرا بچہ علی اکبر سینے پر نیزہ نہ کھاتا' میرے بھانجے عون محمد' ان کی لاشوں کے ٹکڑے مجھے اٹھانا نہ پڑتے۔ میرا یتیم بھتیجہ قاسم اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوتے۔"

بس عزاداران حسینؑ! آج محرم کی ساتویں تاریخ ہو چکی ہے۔ خدا ان سب کو جزائے خیر دے کہ جو سیدہ عالمہ کو ان کے فرزند کا پرسہ دینے کے لئے اتنی بڑی تعداد میں یہاں جمع ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ جو لوگ نیچے

کھڑے ہوئے ہیں ان تک میری آواز نہ پہنچ رہی ہو تو دل کے کانوں سے وہ سنیں، میری آواز نہ پہنچ رہی ہو گی مگر مظلوم کربلا کی آواز ان تک ضرور پہنچ رہی ہو گی ۔ کہ "امامن ناصر ینصرنا" اما من مغیث یغیثنا" ہے کوئی ہماری مدد کرنے والا کہ جو آ کر ہماری مدد کرے، ہے کوئی نصرت کرنے والا کہ جو ہماری نصرت کرے۔ حسینؑ اپنی جان کے لئے آپ سے اپنی مدد نہیں چاہ رہے تھے بلکہ اس مشن کے لئے اس دین کے لئے کہ جس کے لئے حسینؑ قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ آپ کی مدد کے طلب گار ہیں اور حسینؑ کی یہ آواز آج بھی ہمارے کانوں سے ٹکرا رہی ہے۔ اس لئے حسینؑ کے ہر سچے شیعہ اور چاہنے والے کا فریضہ ہے کہ وہ امام کی سیرت پر چلتے ہوئے اسلام کے لئے جو بھی خدمت کر سکتا ہے، دین کے لئے جو بھی قربانی پیش کر سکتا ہے اس سے وہ گریز نہ کرے۔ یہی سچے حسینی ہونے کا مفہوم ہے۔

آج محرم کی سات تاریخ ہے۔ برادران عزیز میں دیکھ رہا ہوں کہ اس مجلس میں عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی ہیں اور بچے بھی ہیں اور بوڑھے بھی ہیں، اور خاص طور پر میری وہ بہنیں جو اوپر تشریف فرما ہیں، میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ ان کی گودیوں میں یقیناً بچے بیٹھے ہوں گے اگر کسی بچے کو پیاس لگے گی تو اس کے لئے پانی کی نایابی نہیں ہے، اسے پانی پلایا جا سکتا ہے لیکن میں اپنی ان بہنوں سے کہوں گا جو اپنے بچوں کو پانی پلائیں تو کربلا کے ان معصوم بچوں کا تصور اپنے ذہن میں لائیں کہ جو آج "هل عطش وفتقتلنا" "هل عطش وفتقتلنا" کی آواز بلند کر رہے ہیں کہ ہائے پیاس ہم کو مارے ڈالتی ہے، ہائے پیاس ہم کو مارے ڈالتی ہے۔ جن کی گود میں بچے ہیں وہ مائیں اس بات کا اندازہ کر سکتی ہیں کہ اگر کوئی بچہ اپنی ماں سے پانی کا مطالبہ

کرے اور وہ اسے پانی نہ دے سکے تو ماں کے دل پر کیا گزرے گی۔

برادران عزیز! آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے۔ آج سے حسینؑ اور حسینؑ کے ساتھیوں کے اوپر پانی بند ہو چکا ہے۔ لیکن آج کی تاریخ میں آپ ایک یتیم بچے کا حال سماعت فرماتے ہیں کون یتیم بچہ؟ جس کا نام تھا قاسم ابن حسنؑ۔

عزاداران حسینؑ۔ میں آج آپ سے اس بات کی اجازت چاہوں گا' ایک کمی رہ جاتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ کمی پوری کر دوں آج کی مجلس میں' امام حسنؑ کے دو بچے کربلا کے میدان میں شہید ہوئے تھے' اگر آپ اجازت دیں تو میں اسی محدود وقت کے اندر میں دونوں بچوں کی شہادت کا حال عرض کر دوں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ چھوٹا شاہزادہ مجھ سے شکوہ کرے کہ تم نے قاسم کا حال پڑھا میرا نہیں پڑھا۔"

برادران عزیز۔ عمر کیا تھی قاسم کی؟ بس اتنی کمسنی تھی قاسم کی کہ جب مدینہ سے یہ قافلہ روانہ ہوا ہے تو قاسم کو عورتوں کی محمل میں بٹھا دیا گیا تھا۔ اتنا کمسن بچہ تھا۔ اب تیرہ برس کی عمر ہو یا چودہ برس کی' بہر حال اس سے زیادہ عمر نہیں تھی۔ کربلا کے میدان میں حسینؑ کا قافلہ آ گیا' دوسری محرم کو حسینؑ پہنچے' چوتھی محرم سے لشکر آنا شروع ہو گیا' ساتویں محرم سے پانی بند ہو گیا' اور نویں محرم کو حسینؑ چاروں طرف سے گھر گئے اور اسی شب عاشور کو حسینؑ نے اپنے سارے ساتھیوں کو اپنے خیمہ کے اندر جمع فرمایا' اور جمع فرمانے کے بعد جو خطبہ انہوں نے دیا وہ آپ کے پیش نظر ہے۔ آخر میں حسینؑ نے فرمایا کہ تم سے میں اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں تمہارا جدھر دل چاہے چلے جاؤ مگر ایک سپاہی نے اٹھ کر کہا کہ فرزند رسولؐ' آپ ہمارا امتحان کب تک لیں گے؟ ہم بار بار آپ کے سامنے کہہ چکے ہیں کہ ہم اپنی جانیں دے

دیں گے مگر آپ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے۔ ایک ایک مجاہد اٹھا اور
اس نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ آخر میں کونے میں ایک بچہ بیٹھا ہوا تھا یہی
شاہزادہ قاسم' یہ اٹھا' اور اٹھنے کے بعد اس بچے نے جو سوال کیا وہ یہ کہ چچا یہ
بتایئے کہ کیا دفتر شہداء میں میرا نام ہے؟ تو امام نے پوچھا کہ اے بیٹا پہلے تم یہ
بتاؤ کہ موت تمہارے نزدیک ہے کیسی؟ شاہزادے نے جواب دیا کہ اے چچا'
دین پر جان دے دینے میں تو وہ شیرینی ہے' وہ حلاوت ہے' وہ مٹھاس ہے کہ جو
شہد میں بھی نہیں ہوتی۔ بس یہ سننا تھا کہ حسینؑ نے فرمایا کہ ہاں بیٹا' کل تم
بھی شہید ہو گے اور تمہارا چھوٹا بھائی علی اصغر بھی شہید ہو گا۔ اپنا نام سنا تو
خوش ہو گئے لیکن جیسے ہی امام نے فرمایا کہ تمہارا چھوٹا بھائی علی اصغر بھی شہید
ہو گا' بس ایک مرتبہ بچے نے تڑپ کر کہا کہ کیوں چچا' کیا اشقیا خیموں میں
گھس آئیں گے؟ امام نے فرمایا کہ نہیں میں اپنے بچے کو خود اپنی گود میں لے کر
جاؤں گا۔ معلوم ہوتا ہے قاسم یہ تصور کرنے پر تیار نہیں کہ اشقیاء خیموں میں
چلے آئیں' میں کہتا ہوں میرے شاہزادے ذرا عصر عاشور کے بعد آ کے دیکھئے
انہیں خیموں سے دھواں بلند ہو رہا ہے۔

بس عزاداران حسینؑ! صبح عاشور نمودار ہو گئی۔ حسینؑ کا دفتر قربانی مکمل
کیا' ایک ایک مجاہد آتا رہا کربلا کے میدان میں' جوہر شجاعت پیش کرتا رہا اور
دین کی قربان گاہ پر قربان ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر میں بنی ہاشم کی باری آئی'
اور جب بنی ہاشم میں بھی بہت سے شہید ہو چکے تو یہی یتیم حسنؑ' ہاتھ جوڑے
ہوئے چچا کے پاس آ گیا۔ اور آنے کے بعد کہا کہ چچا مجھے بھی مرنے کی اجازت
دیجئے۔ عزاداران حسینؑ آپ یقین کریں کہ حسینؑ نے کسی کو بھی اجازت جنگ
دینے میں اتنا تامل نہیں کیا۔ کسی صورت سے اجازت نہ دی' بار بار قاسم کہے

رہے تھے کہ چچا مجھے اجازت دے دیجئے چچا مجھے اجازت دے دیجئے۔ اور حسینؑ انکار کرتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قاسم مایوس ہو گئے اور سمجھے کہ میرا چچا مجھے شہادت کی اجازت نہ دے گا۔ آئے خیمہ کے اندر اور سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ خیال آیا کہ جب بابا دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تو بازو پر ایک تعویذ باندھ گیا تھا اور یہ کہہ گیا تھا قاسم اگر تم پر کوئی سخت وقت پڑے تو اس تعویذ کو کھول کر دیکھنا اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا اس کے اوپر عمل کرنا۔ قاسم نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اور سخت وقت میرے لئے کیا ہو سکتا ہے۔ بازو پر ہاتھ گیا' تعویذ کو کھول کر دیکھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بیٹا قاسم' میرے لال' یہ تعویذ تم اس وقت کھولو گے کربلا کے میدان میں کہ جب تم اپنے چچا پر جان نثار کرنا چاہتے ہو گے اور تمہارا چچا تمہیں اجازت نہ دیتا ہو گا۔ تو جا کر یہ وصیت میری میرے بھائی کو دکھا دینا۔ اور اس میں امام حسینؑ سے خطاب تھا کہ میرے بھائی حسینؑ' میرے اس بچے کو اپنے اوپر سے قربان ہو جانے کی اجازت دے دو۔ اس لئے کہ یہ کربلا کے میدان میں میرا نمائندہ بن کر آ رہا ہے۔

بس عزاداران حسینؑ۔ وہ کاغذ لئے ہوئے قاسم آئے اور آ کے کہا کہ چچا ذرا بابا کی وصیت تو دیکھ لیجئے۔ حسینؑ نے بھائی کی تحریر پہچانی' آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوئے اس منزل پر بعض روایات میں ہے کہ حسینؑ نے فرمایا کہ اے قاسم! اگر تم کو وصیت تھی تمہارے بابا کی تو مجھ کو بھی وصیت تھی میرے بھائی کی اور یہ کہہ کر قاسم کا بازو پکڑ کر خیمہ کے اندر لے گئے اور امام حسنؑ کی وصیت کی تکمیل کے لئے اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہ الکبریٰ سے حضرت قاسم کا عقد پڑھ دیا اور اس کے بعد خیمہ کے باہر تشریف لائے اور اب بھی اجازت نہیں دیتے۔ کسی صورت سے قاسم کو اجازت نہیں دیتے۔ آخر

میں روایت بتاتی ہے کہ جب قاسم نے دیکھا کہ اجازت نہیں مل رہی ہے تو کبھی چچا کے ہاتھوں کو چومنا شروع کیا' کبھی پیروں پر سر رکھ کر پیروں کو چومنا شروع کیا' اے چچا مجھے مرنے کی اجازت دے دیجئے' اے چچا مجھے مرنے کی اجازت دے دیجئے۔ عزادارانِ حسینؑ' آخر میں حسینؑ مجبور ہو گئے۔ حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ میں دور سے کھڑا دیکھ رہا تھا' کہ بچہ بے انتہا تڑپ رہا تھا' کبھی ہاتھوں کو چوما' کبھی پیروں کو چوما تو حسینؑ نے بچے کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا' اور سینے سے لگانے کے بعد تاریخ کا جملہ یہ ہے کہ چچا' بھتیجے اتنا روئے کہ دونوں غش کھا کر کربلا کی زمین کے اوپر گر پڑے۔

بس عزادارانِ حسینؑ! ابھی مہندی کا جلوس اسی عزا خانے کے اندر اٹھے گا۔ اور اسی کی تیاریاں ہو رہی ہیں' آپ میری طرف متوجہ رہئے' روایت بتاتی ہے کہ اس کے بعد' حسینؑ نے قاسم کو گود میں اٹھا کر گھوڑے کے اوپر سوار کر دیا' حمید کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ قاسم کے جسم کے اوپر ایک کرتے کے علاوہ کوئی زرہ نہ تھی۔ حمید ابن مسلم جو لشکر یزیدی کا ایک سپاہی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حسینؑ کے خیمے سے ایک چاند نکلا۔ اور شام کے لشکر میں ڈوب گیا۔ عزادارو' جب دشمن کی نظر میں قاسم چاند کا ٹکڑا دکھائی دے رہے تھے تو اس بیوہ ماں کی نظر میں یہ بچہ کتنا حسین ہو گا کہ جس نے ناز و نعم کے ساتھ اس بچے کو پالا تھا۔

قاسم ابن حسنؑ کربلا کے میدان میں آئے اور آنے کے بعد بڑی شجاعت سے جنگ کی۔ نہ معلوم کتنے لوگوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ روایت بتاتی ہے کہ اسی اثناء میں قاسم جو جوتا پہنے ہوئے تھے' اس کی ڈوری ٹوٹ گئی اور قاسم کے اطمینان کا عالم یہ میدان کربلا میں کہ تلوار روک کر اور جھک کر

جوتے کی ڈوری کو ٹھیک کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک دشمن کو موقع مل گیا۔ اور اس نے پیچھے سے قاسم کے سر کے اوپر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس بچے سے سنبھلا نہ گیا اور یہ بچہ زمین کی طرف جھکا یہ کہتا ہوا کہ 'یا عماہ وادرکنی' اے چچا اپنے بھتیجے کی خبر لیجئے۔

عزاداران حسینؑ! حسینؑ گھوڑے پر سوار گھوڑے کو اڑاتے ہوئے چلے اور چاہا کہ قاتل قاسم کو قتل کر دیں اس نے اپنا ہاتھ اونچا کر دیا' حسینؑ کی تلوار اس کے ہاتھ کے اوپر پڑی اور ہاتھ کٹ کے زمین کے اوپر گرا۔ وہ چیخا کہ مجھے حسینؑ کے غضب سے بچاؤ۔ بس عزادارو' سارا لشکر دوڑ کے آ گیا' اب حسینؑ چاہتے ہیں کہ قاتل قاسم کو قتل کر دیں' اور لشکر والے چاہتے ہیں کہ بچا لے جائیں' بس اسی کشمکش میں جنگ چھڑ گئی۔ عزاداران حسینؑ' آپ مجھ سے بہتر تصور کر سکتے ہیں کہ جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو ادھر کے سوار ادھر ہوتے ہیں اور ادھر کے سوار ادھر ہوتے ہیں۔ قاسم کی لاش بیچ میں پڑی ہوئی تھی' میں تفصیل سے تو آپ کے سامنے نہیں کہہ سکتا لیکن ہاں بار بار قاسم کی آواز آ رہی تھی اے چچا مجھے بچایئے میں پامال ہوا جاتا ہوں اے چچا مجھے بچایئے میں گھوڑوں سے کچلا جاتا ہوں' یہاں تک کہ حسینؑ اپنے اس یتیم بھتیجے کے سرہانے اس وقت پہنچے کہ جب قاسم خاک پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ حسینؑ نے فرمایا کہ بیٹا میرے لال' بہت سخت وقت ہے تیرے چچا پر کہ تو نے اپنے چچا کو مدد کے لئے بلایا مگر تیرا چچا تیری مدد نہ کر سکا۔ عزادارو! یہ کہہ کر حسینؑ نے قاسم کی لاش اٹھائی' عالم یہ کہ سینہ سینے سے لگا ہوا اور پاؤں زمین پر کھنچتے جاتے ہیں' لائے اور لانے کے بعد قاسم کی لاش کو گنج شہداں میں رکھ دیا' عزاداران حسینؑ! میں نے عرض کیا بعض روایات کی بنا کے اوپر کہ یہی کربلا کا ہنگام وہ تھا

کہ حسینؑ نے اپنے بھائی حسنؑ کی وصیت کی تکمیل کے لئے حضرت قاسم کا عقد پڑھ دیا تھا اب میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں عزادارو آپ نے بہت سی شادیوں میں شرکت کی ہوگی۔ جب کسی لڑکی کی شادی کسی لڑکے کے ساتھ ہوتی ہے تو لڑکی بیاہ کر اپنی سسرال چلی جاتی ہے کہ نہیں چلی جاتی اب آپ سے میں اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ دولہا تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور دولہا کی لاش گنج شہیداں میں آگئی۔ ذرا اتنا بتایئے کہ دلہن کہاں گئی؟ تو کیا بتاؤں آپ کو کہ دولہا کی لاش تو گنج شہیداں میں آگئی اور دلہن کے ہاتھ پس گردن سے بندھے ہوئے کبھی بازار کوفہ و شام میں تشہیر ہو رہی ہے کبھی دربار ابن زیاد ہے اور کبھی دربار یزید ہے۔"

بس عزاداران حسینؑ اپنے وعدے کے مطابق دوسرے شاہزادے کا حال بھی عرض کر کے آپ کی زحمت کو ختم کر رہا ہوں۔ یہ ایک قربانی تھی حسنؑ کی۔ اب اس کے بعد منزل وہ آتی ہے کہ خود حسینؑ کربلا کے میدان میں زمین کے اوپر پڑے ہوئے ہیں' روایت بتاتی ہے کہ کبھی ہوش آجاتا ہے کبھی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ سیدانیاں در خیمہ پر کھڑی حسرت سے اس منظر کو دیکھ رہی ہیں کہ عبداللہ ابن حسن' قاسم کا چھوٹا بھائی' جس کی عمر زیادہ سے زیادہ دس یا گیارہ سال' پھوپھی کے ہاتھ میں تڑپ رہا ہے کہ مجھے میرے چچا کے پاس جانے دو۔ پھوپھی روک رہی ہے لیکن بچہ ایسا بے چین ہوا کہ اس نے پھوپھی کے ہاتھ سے دامن چھڑا لیا' اور دوڑتا ہوا چچا کے سرہانے پہنچ گیا' حسینؑ اس وقت بے ہوش تھے' ایک شقی آگے بڑھا اور اس نے چاہا کہ حسینؑ کے اوپر تلوار کا وار کردے' بچے نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے' ہاتھ پر تلوار پڑی' ہاتھ کٹے' بچہ بے ہوش ہو کر حسینؑ کے سینے پر گرا تو غش سے حسینؑ کی

آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ میرا یتیم بھتیجا ہاتھ کٹائے ہوئے میرے سینے پر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ روایت بتاتی ہے کہ حسینؑ نے منھ اٹھا کر چاہا کہ رخسار پر پیار کریں اک ذرا گردن جو بلند ہوئی تو حرملہ کو موقع مل گیا اور اس نے ایک تیر سہ شعبہ پھینکا اس بچے کی گردن کی طرف اور حسنؑ کا یتیم حسینؑ کی گود میں دم توڑ گیا۔ میں اس منزل پر حضرت ام فروہؑ سے سوال کروں گا کہ شاہزادی جب بچہ جانا ہی چاہتا تھا اپنے چچا کی مدد کے لئے تو آپ نے ایک چھوٹی سی تلوار دے دی ہوتی' لیکن میری شاہزادی آپ نے یہ کیا کیا کہ بچے کو بغیر کسی ہتھیار کے کربلا کے میدان میں بھیج دیا۔ تو شاید ام فروہؑ کا جواب یہ ہوگا کہ میں چاہتی تھی کہ میری اولاد حسینؑ کی اولاد سے کم نہ رہنے پائے۔ حسینؑ کے دو بیٹے کربلا کے میدان میں شہید ہوئے اور علی اصغر حسینؑ کی گود میں تیر کھا کر شہید ہوئے۔ تو میرا ایک بچہ قاسم بھی گھوڑے پر سوار ہو کر آیا' اور میدان میں شہید ہوا اور دوسرا بچہ حسینؑ کی گود میں شہید ہوا۔

عزادارو! وہ منظر نظروں کے سامنے لائیے کہ جب پامالی شہدا کا منظر ہے میں نے تاریخ میں دیکھا ہے کہ ہر شہید کی لاش اٹھ گئی لیکن یہ کوئی تاریخ نہیں بتاتی کہ جس وقت حسینؑ کی لاش پامال ہو رہی تھی تو اس چھوٹے سے بچے کی لاش کو ہٹا دیا گیا ہو' معلوم ہوتا ہے کہ جو ظلم چچا پر گزر رہا تھا وہی ظلم بھتیجے پر بھی گزر رہا تھا مگر میں کہتا ہوں عبداللہ تمہاری لاش اس وقت پامال ہوئی جب تم دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور تمہارا بھائی قاسم تو زندہ پامال ہو گیا گھوڑوں سے پامال ہو رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا کہ ہائے چچا مجھے بچا لیجئے......"

☆☆☆

آٹھویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین "(آل عمران آیت ۸۵)

برادران عزیز۔ اللہ نے ہماری ہدایت کے لئے جس کتاب کو اتارا اس کا نام ہے قرآن مجید۔ اور اس کی حفاظت کا اس نے خود بندوبست کیا اسلیے قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے اور کمی اور زیادتی سے محفوظ رہا۔ اور اسی قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے کہ کوئی بھی انسان کسی بھی دور میں اگر اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کرے گا تو آخرت میں اسے خود اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ اسلام کو چھوڑ کر اس نے اپنا شمار اس گروہ میں کر لیا تھا کہ جو نقصان اٹھانے والا تھا۔

اکثر مجلسوں میں میں نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ انسان کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں اور آج کی سائنس بھی ہم کو کشاں کشاں اس منزل پر لے کر جاتی ہے کہ یہ کائنات' یہ دنیا' خود بخود نہیں بن گئی۔ بلکہ ایک پیدا کرنے والے نے اس کو بنایا ہے کہ جو حق مطلق اور قوت مطلقہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک پیدا کرنے والا اس کائنات کا موجود ہے اور اس نے اپنا تعارف اپنے بندوں سے خالق کی حیثیت سے بھی کر لیا ہے اور رب کی حیثیت سے بھی کر لیا ہے۔ خالق کے معنی ہیں پیدا کرنے

والا اور رب کے معنی ہیں نگہبانی کرنے والا۔ کہ اس نے پیدا کیا اور ربوبیت بتاتی ہے کہ پیدا کرنے کے بعد اس کا کانٹیکٹ ہم سے ٹوٹ نہیں گیا' بلکہ مستقل وہ ہمارے اعمال اور کردار اور اس دنیا کے کارخانے کا نگراں ہے اور نگہباں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خالق کے ہوتے ہوئے جو ہمارا اور کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور جو ابسلیوٹ نالج اور ابسلیوٹ پاور ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کو یہ حق کیسے پہنچے گا کہ وہ انسان کے لئے قانون بنائے۔ یاد رکھئے کہ وہ چاہے سوشلزم ہو' اور چاہے کمیونزم ہو یا کوئی بھی ازم ہو' میں جو گفتگو آپ کے سامنے کر رہا ہوں' شاید اس سے کوئی صاحب انکار نہ کر سکیں گے۔ کہ جب بھی قانون بنے گا کسی بھی ازم کی شکل میں' جو صورت حال فطری طور پر آئے گی ہمارے سامنے وہ یہ کہ قانون بنے گا اور اس کا بنانے والا ہوگا ایک گروہ' یہ قانون بنے گا اور اس کا بنانے والا ہوگا ایک طبقہ' کبھی یہ قانون بنائیں گے یورپین' کبھی یہ قانون بنائیں گے امریکن' اور کبھی یہ قانون بنائیں گے ایشین' اور کبھی یہ قانون بنائیں گے کالے' کبھی یہ قانون بنائیں گے گورے' ظاہر ہے کہ جو گروہ بیٹھے گا قانون بنانے کے لئے وہ اپنے مفاد کو نظر میں رکھ کر قانون بنائے گا۔ اور جب اپنے مفاد کے لحاظ سے قانون بنائے گا تو دوسری قوموں اور دوسرے گروہ کے فائدے نظر انداز ہوں گے۔ اور جب نظر انداز ہوں گے تو دنیا کا ہر قانون دنیا میں ایک نئی کشمکش پیدا کر دے گا۔ کبھی یورپین اور ایشین میں کشمکش ہوگی' کبھی کالے اور گوروں میں کشمکش ہوگی۔ اور ایک بات کہ جس سے کوئی صاحب فہم انکار نہیں کر سکتا وہ یہ ہے کہ جب انسان کی نظر محدود ہے اور اس کی نالج لمیٹیڈ ہے تو یہ قانون جب بنائے گا تو وہ بھی ابدی حیثیت نہیں رکھے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ قانون وہ بنائے کہ جو

سب کا ہے جس طرح سے یورپین کا ہے' اسی طرح سے امریکن کا ہے' اسی طرح سے ایشین کا ہے' اسی طرح سے کالوں کا ہے اسی طرح سے گوروں کا ہے اور جس کی نظر ماضی پر بھی ہے اور مستقبل پر بھی ہے اور حال پر بھی ہے یہ قانون بنانے والا جب قانون بنائے گا تو یہ قانون کسی طبقہ کے مفاد میں نہیں ہو گا' کسی قوم کے مفاد میں نہیں ہو گا' بلکہ بحیثیت مجموعی پوری دنیائے انسانیت کے مفاد میں ہو گا ہمیشہ کے لئے ہو گا۔

اور وہی قانون جو پوری دنیائے انسانیت کے مفاد میں ہمارے رب کریم نے بنایا ہے۔ اسی قانون کا نام ہے اسلام۔ برادران عزیز۔ اسلام کے مقابلے میں بہت ... ہیں جو نظر آتے ہیں۔ کیپٹلزم تو خیر اس لائق ہی نہیں کہ اس کو منہ لگاؤں' اس لئے کہ وہ تو اسلام سے کہیں سے میل ہی نہیں کھاتا۔ لیکن آپ سوچیں ان کے بارے میں۔ کبھی کبھی کہیں کہیں کچھ تھوڑی بہت غلط فہمی ہونے لگتی ہے۔ میں کمال وضاحت کے ساتھ آپ کے سامنے عرض کردوں کہ اگر دو تین معمولی اور سپلیمنٹری چیزیں مل جائیں اسلام میں یا ملتی ہوئی نظر آئیں تو ان سے یہ غلط فہمی آپ کو نہیں ہونا چاہئے ہے کہ اسلام اور سوشلزم ایک لائن پر چل سکتے ہیں۔ اس لئے کہ سوشلزم کی بنیاد ہے مادہ پرستی پر' اور اسلام کی بنیاد ہے خدا پرستی پر۔ اس لئے یا انسان سوشلسٹ ہو جائے یا مسلمان ہو جائے۔ اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ بوقت واحد وہ سوشلسٹ بھی ہو اور مسلمان بھی رہے تو اس کا انجام ایسا ہی ہو گا جیسے آپ دو سواریوں پر ایک ٹانگ اس پر رکھیں اور ایک ٹانگ اس پر رکھیں اور ایک سواری ادھر جا رہی ہو اور دوسری سواری ادھر جا رہی ہو' تو انجام کیا ہو گا۔ ملاحظہ فرمالیا۔

ایسا ہے کہ آپ پہلے بنیادی فرق سمجھ لیں کہ اسلام میں اور سوشلزم

میں فرق کیا ہے اول تو سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ میں اسلام کی ڈیفنیشن کر سکتا ہوں مگر سوشلزم کی ڈیفنیشن ہی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اسلام کی ڈیفنیشن تو میرے سامنے موجود ہے' جس وقت کہ مولائے کائنات علی ابن ابی طالب ایک سفر میں تشریف لئے جا رہے تھے اور آپ ایک پاؤں رکاب میں رکھ چکے تھے اور دوسرا پاؤں رکاب میں رکھ رہے تھے کہ ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے کہا' یا ابا الحسن' ماالاسلام؟ سفر میں بعد میں جائیے گا' پہلے یہ بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ بس یاد رکھئے کہ جہاں علم زیادہ ہوتا ہے وہاں بات مختصر ہو جاتی ہے۔ اور جہاں جہالت زیادہ ہوتی ہے وہاں بات پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اب یہ عالم علم..... یہ رسول کا وصی' میں ہوتا تو یہ کہتا کہ یہ موقع نہیں ہے پلٹ کر آؤں گا تو بیٹھنا تو پوری فلاسفی اسلام کی سمجھاؤں گا۔ مگر علی ابن ابی طالبؑ اسی طرح سے...... رکھتے رہے رکاب میں گھوڑے کی اور فرمایا کہ تو مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ تو بس سمجھ لے کہ اسلام اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ انسان کے دل میں خالق کی عظمت اور اس کے بندوں کی محبت پیدا ہو جائے۔ اس کے مخلوق کے لئے پیار اور محبت پیدا ہو جائے۔ تو اسلام کو تو یوں میں نے ڈیفائن کر دیا اب سوشلزم کو کس طرح ڈیفائن کروں' سوشلزم کو ڈیفائن کیا ہے پروفیسر..... نے جو یہ کہتا ہے کہ سوشلزم ایک ایسی ٹوپی ہے' ایک ایسی کیپ ہے ایک ایسی ہیٹ ہے کہ اس کو اتنے لوگوں نے پہنا ہے کہ اب اس کی شیپ بگڑ چکی ہے۔ جس نے چاہا سوشلزم کی ٹوپی پہن لی۔ مقصد میرا یہ ہے اس مختصر سی مجلس میں کہ سوشلزم کو تو اچھی طرح سے ڈیفائن بھی نہیں کیا جا سکتا' توجہ فرما رہے ہیں آپ؟

لیکن جو بات میں آپ کے سامنے کہنا چاہتا ہوں اس سے کوئی شخص

انکار نہیں کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ سوشلزم کی خلقت ہوئی ہے کیپٹلزم کے رد عمل سے۔ سرمایہ داروں نے جب مزدوروں پر ظلم و ستم کرنا شروع کیا اور ان کا استحصال شروع کیا تو اس کے رد عمل میں سوشلزم پیدا ہوا۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ جو شئے رد عمل میں پیدا ہوتی ہے اس میں جذبہ انتقام ہوتا ہے جذبہ انصاف نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ ہوا کہ سرمایہ داروں نے مزدوروں کا استحصال کیا تھا اور فار کس نے اور لینین نے نعرہ بلند کیا کہ تم سرمایہ داروں کو کچل کر پھینک دو۔

بس یہاں پر یہ منطق اسلام کے منطق سے نہیں ملتی۔ اس لئے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ تم ایسا ماحول پیدا کر دو کہ سرمایہ دار رہے مگر سرمایہ دارانہ ذہنیت ختم ہو جائے۔ آپ تاریخ اسلام کو پڑھیں' حضورؐ تشریف فرما ہیں مسجد نبوی میں' اور حضورؐ کے سامنے صحابہ کرام تشریف فرما ہیں' اور انہیں صحابہؓ کرام میں ایک صاحب دولت مند صحابی بھی تشریف فرما ہیں۔ کہ ایک غریب صحابی آجاتا ہے' میلے کپڑے' پھٹا ہوا لباس' اور آکر اس رئیس صحابی کے پہلو میں بیٹھنے لگتا ہے تو یہ رئیس صحابی اپنی چھپاتی ہوئی عبا کو ذرا سا سمیٹ لیتا ہے۔ رسول کو جو مجسمہ اخلاق تھے' انہوں نے دیکھا' ہمیشہ مسکرا کر بات کرتے تھے مگر آج پیشانی پر شکن پڑ گئی۔ آپ نے فرمایا اے میرے صحابی ذرا یہ تو بتا کہ یہ تو نے اپنی عبا کو اس سے کیوں سمیٹا؟ کیا تیری عبا اس کے جسم سے مَس ہو جاتی اور مَس ہو جاتی تو تیری دولت سلب ہو کر ادھر چلی جاتی یا اس کی غربت سلب ہو کر ادھر آجاتی۔ بس حضورؐ نے اس لہجے میں بات کی کہ وہ تھر تھرانے لگا۔ وہ کانپنے لگا' وہ لرزنے لگا۔ اور اس نے ہاتھ جوڑ کر اس غریب صحابی سے معافی مانگی کہ مجھ سے خطا ہو گئی' مجھ سے تقصیر ہو گئی' مجھ سے غلطی ہو گئی۔ ملاحظہ فرمایا

آپ نے ؟ آپ نے تاریخ میں ہمیشہ یہ دیکھا ہوگا کہ غریب دولت مند کے آگے ہاتھ جوڑے ہوئے ہے' مگر اسلام وہ ہے کہ جو دولت مند کے ہاتھ جوڑوا دیتا ہے غریب کے سامنے۔ یہ دولت مند اس غریب صحابی کے آگے ہاتھ جوڑے ہوئے ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی میرا قصور معاف کر دیجئے۔ اور وہ غریب صحابی دولت کے اعتبار سے غریب تھا مگر دل کے اعتبار سے غریب نہ تھا اس نے کھلے دل سے معاف کر دیا۔ دیکھئے سرمایہ دار کی ذہنیت چیخ ہو رہی ہے' بدل رہی ہے اب جب اس نے کہا کہ میں نے معاف کر دیا تو اس نے کہا کہ اس معافی کے شکریے میں میرا ایک ہدیہ قبول کر لیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ کیسا ہدیہ؟ کہا کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس جتنی بھی دولت ہے اس میں کی آدھی آپ کو دیتا ہوں۔ اور اس غریب صحابی نے کہا بڑی نرمی کے ساتھ کہ میں اس دولت کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوں امیر صحابی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے معاف تو کر دیا مگر دل آپ کا صاف نہیں ہوا' کہا کہ نہیں' دل تو میرا آئینے کی طرح صاف ہو گیا' کہا کہ پھر میرا ہدیہ کیوں نہیں قبول کرتے؟ اس غریب صحابی نے جواب دیا کہ میں یہ دولت اس لئے قبول نہیں کر رہا ہوں کہ ڈرتا ہوں کہ یہ دولت آئے تو اپنے ساتھ یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت بھی لے کر نہ چلی آئے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کسی انسان کا دشمن نہیں ہے۔ وہ غلط جذبوں کا دشمن ہے' اور یہ بات آپ یاد رکھیں' اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ سوشلزم نفرت اور تشدد کی تبلیغ کرتا ہے' اور یہ بات آپ سمجھ لیں کہ نفرت اور تشدد کی راہ پر ایک مرتبہ جب کوئی آگے چل پڑے اور اس کو نفرت اور تشدد کی عادت ہو جائے تو اس کو اگر نہیں بھی کوئی ملتا ہے تو اپنے

ساتھیوں کے اوپر نفرت اور تشدد کو آزمانا شروع کر دیتا ہے۔

دوسری بات جو میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں' وقت میرے پاس مختصر ہے اور ظاہر ہے کہ آج کی مجلس بہت زیادہ ان موضوعات کی متحمل نہیں ہے لیکن چونکہ مجھ سے کہہ دیا گیا تھا اس لئے میں چند جملے آپ کے سامنے بلکہ آخری بات عرض کئے دیتا ہوں۔ اور اگر اس سلسلے میں آپ کو مزید معلومات کرنا ہو تو آج یا کل' مجلس کے بعد آپ مجھ سے ڈسکس کر لیجئے گا۔

برادران عزیز! سوشلزم پیدا کہاں ہوا؟ اور سوشلزم کی بنیاد کیا ہے؟ سوشلزم کا جو بنیادی نظریہ ہے وہی سوشلزم کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ سوشلزم کی جو بنیادی اسٹوری ہے وہ یہ کہ ہر دور اور ہر زمانے میں جیسے معاشی حالات ہوتے ہیں اسی کے لحاظ سے نظریہ بنتا ہے۔ اسی کے لحاظ سے آئیڈیالوجی بنتی ہے تو اگر اشتراکیت اور سوشلزم کا یہ نعرہ درست ہے اور یہ فلسفہ درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سوشلزم خصوصی معاشی حالات کی پیداوار ہے اور جب یہ مخصوص معاشی حالات کی پیداوار ہے تو اس میں ابدیت نہیں پائی جا سکتی۔ اور جب ابدیت نہیں پائی جا سکتی تو پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ سوشلزم نظام ہمیشہ چلتا رہے گا' غلط ہے۔ اگر ہر نظریہ اپنے معاشی حالات کی پیداوار ہوتا ہے تو سوشلزم بھی اپنے معاشی حالات کی پیداوار ہے اور جس طرح ہر نظریہ پرانا ہو کر ختم ہو جاتا ہے اسی طرح سوشلزم بھی ایک دن ختم ہو جائے گا۔

بس مجھے افسوس ہے کہ اس سے زیادہ عرض کرنے کا موقع نہیں ہے۔ لیکن میں اپنے موضوع سے بھی نہیں ہٹنا چاہتا۔ سوشلزم کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ظلم کے خلاف ہے۔ اس کی جو اصلیت ہے اگر آپ کیمونسٹ کنٹریز پر

نظر ڈالیں تو نظر آجائے گی' کمیونزم کو ایک ظلم کا بہانہ بنالیا گیا ہے عوام کے اوپر۔ بات یہاں پر آتی ہے کہ سوشلزم عدالت اور جسٹس کا علمبردار ہے' میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کہ چونکہ یہ نظریہ رد عمل کے طور پر پیدا ہوا' اس لئے میں عدالت اور جسٹس کا سوال ہی نہیں ہے' یہ اگر مزدوروں کو ان کا حق دلائے گا بھی تو سرمایہ داروں کو دلائے گا۔ اس لئے ضرورت ہے ایک ایسے نظریے کی ایک ایسے آئیڈیالوجی کی کہ جو واقعی عدالت اور جسٹس کا علمبردار ہو' اور آپ کے سامنے بطور چیلنج کے کہنا چاہتا ہوں کہ ایسا دین' ایسا ازم اور ایسا مذہب سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں ہے۔

دیکھئے ایک بات میں آپ کے سامنے عرض کروں' آپ میری تائید کریں گے' دیکھئے آج جتنے بھی دنیا میں دین ہیں' یا ازمس ہیں' یا نظام ہائے زندگی ہیں ان میں جو بنیادی کمزوری ہے اور اس کا خمیازہ پوری دنیائے انسانیت کو بھگتنا پڑ رہا ہے' وہ یہ ہے کہ انسان کا وجود بنا ہے تین چیزوں سے' جسم' عقل اور اسپرٹ' دنیا کے جتنے بھی نظام ہیں وہ کامیاب کیوں نہیں ہو پا رہے ہیں اس لئے کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں کہ وہ نظام جسم کے ایک حصہ کو تو اس کا حق دیتے ہیں مگر دوسرے حصہ کو اس کا حق نہیں دیتے' اسلام کہتا ہے کہ اے انسان ہم نے تجھے بنایا ہے۔ اور تیرا وجود تین چیزوں میں بٹا ہوا ہے۔ تیری باڈی' تیرا جسم' تیری عقل' فکر اور تیری اسپرٹ اور تیری روح۔ اس لئے عدالت کا تقاضہ یہ ہے کہ جسم کو اس کا حصہ ملے' عقل کو اس کا حصہ ملے' اور روح کو اس کا حصہ ملے' تاکہ انسان جسم کے اعتبار سے صحت مند ہو' عقل کے اعتبار سے کامل ہو' اور روح کے اعتبار سے بلند ہو۔

آج یہی مسئلہ ہے کہ انسان اگر جسم کے اعتبار سے آگے بڑھتا ہے۔

یہاں بہت سے پاکستانی حضرات تشریف فرما ہیں' میرے بھائی ہیں' پاکستان کے پہلوان مشہور ہیں' جی' آپ دیکھ لیں کیسے کیسے تومند' کیسے کیسے قوی ہیکل' اور آپ کے یورپ کے بھی پہلوانوں کو بھی دیکھ لیں اور امریکنس پہلوانوں کو بھی دیکھ لیں' میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو پہلوان ہیں ان کا جسم زیادہ موٹا ہوتا ہے کہ عقل زیادہ موٹی ہوتی ہے آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہوگا۔ حضور کیا ہوا؟ اس نے پوری توجہ دے دی اپنی باڈی کی طرف اپنے جسم کی طرف' اور اپنی عقل کو نظر انداز کر دیا۔ جسم صحت مند ہو گیا' عقل سلام کر کے رخصت ہو گئی۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو جسم اور عقل کی طرف توجہ دیتے ہیں اگر اسے عقل کہا جا سکے۔ حالانکہ برٹنڈرسل نے تو یہ بات کہی ہے کہ آج جسے ہم عقل کہتے ہیں یہ عقل ہے ہی نہیں' یہ تو خالی ٹیکنکل "تو ہوع" ہے۔ اس لئے کہ انسان اگر واقعی عقل مند ہوتا تو اپنی ہلاکت کے سامان خود نہ کرتا۔ اپنی ہلاکت کا انتظام اس بات کی دلیل ہے کہ آج کا انسان عقل والا نہیں ہے' پاگل انسان ہے۔

تو جسم ہے اور عقل ہے مگر روح کی طرف کوئی توجہ نہیں اور جب روح کی طرف کوئی توجہ نہیں تو اسی روح کی طرف توجہ نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں نہ امن قائم ہوا ہے اور نہ کبھی امن قائم ہو سکے گا۔ اس لئے کہ جب تک انسان کی روح بلند نہیں ہوتی ہے اس وقت تک وہ اپنی طاقت کو انسانیت کی تعمیر میں صرف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور جب انسان کی روح بلند ہوتی ہے تو اس وقت وہ اپنی ہر طاقت کو انسانیت کی تعمیر میں صرف کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

برادران عزیز! میں آپ کے سامنے دو چار پریکٹیکل مثالیں اس کی پیش
کئے دیتا ہوں تاکہ آپ سمجھ لیں کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے یا غلط
ہے۔ جی۔ اسلام نے سب سے پہلے کہا' اور آج بھی مسلمان اگر واقعی سچے
مسلمان ہیں تو اپنے فریضہ کو سمجھیں۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم کسی پر ظلم نہ
کرو۔ اسلام کہتا ہے کہ جس معاشرے میں تم بیٹھے ہوئے ہو' جس سوسائٹی میں
تم بیٹھے ہو اس سوسائٹی میں جسٹس کے خلاف کوئی بات نہ ہونے پائے ورنہ
ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔ مسلمان کو اپنی منزل سمجھنا چاہیے۔ مسلمان سماج
میں' معاشرے میں' سوسائٹی میں' عدل اور انصاف اور جسٹس کو قائم کرنے
کے لئے ذمہ دار ہے۔ فقط اتنا ہی نہیں کہ وہ کسی پر ظلم نہ کرے' بلکہ صحیح معنوں
میں وہ مسلمان نہیں ہے اگر اس کی نظروں کے سامنے کسی کے اوپر ظلم ہو رہا
ہے۔ اور وہ خاموش تماشائی ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ بس میں آپ کے سامنے پریکٹیکل مثال پیش
کر دوں۔ اور اتفاق سے میں کسی مسلمان مؤرخ کے حوالے سے یہ بات نہیں
عرض کر رہا ہوں۔ کرسچین عرب مسطورین ہے اسی زمانے کا جس کا نام ہے
جارج جرداق اور اس نے علی ابن ابی طالب کی سوانح عمری لکھی ہے گیارہ
جلدوں میں جس کا نام ہے "صوت العدالة الانسانية" (Teh Voice
Of Human Justice) اس میں لکھتا ہے' توجہ فرمایئے گا۔ بھائی دیکھئے
برا نہ مانیے گا' میں کوئی پولیٹکل تقریر آپ کے سامنے نہیں کر رہا ہوں' نہ
پولیٹیکل تقریر کرنا میرا منصب ہے' نہ مجھے پولیٹکل تقریر کرنا آتی ہے' اس
لئے کہ پولیٹکل تقریر کرنے کے لئے سب سے پہلے انسان کو جھوٹ کا ماہر ہونا
پڑتا ہے' وہ مجھے آتا نہیں ہے۔ تو پولیٹکل تقریر میں آپ کے سامنے نہیں

کر رہا ہوں۔ دیکھئے برا نہ مانئے گا' میں آ رہا ہوں ہندوستان سے اور یہاں پر میرے ہندوستانی بھائی بیٹھے ہوئے ہیں اور پاکستانی بھائی بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کو آزاد ہوئے کتنا زمانہ ہو چکا؟ کیا غربت ختم ہو گئی ان دونوں کنٹریز کی؟ جی جناب' آپ یہ نہ سمجھئے گا' میں خالی ہندوستان گھوما ہوا ہوں۔ میں آپ کے سامنے چیلنج کے طور پر کہتا ہوں کہ کسی ہندوستانی نے اتنا ہندوستان نہ گھوما ہو گا جتنا میں نے گھوما ہے اور کسی پاکستانی نے پاکستان اتنا نہیں گھوما ہو گا جتنا کہ میں نے گھوما ہے۔ ایک ایک چپہ چپہ' قریہ قریہ' میرا دیکھا ہوا ہے پشاور سے لے کر کراچی تک۔ سمجھ رہے ہیں آپ' سارے حالات میرے' آنکھوں دیکھے ہیں۔ تو نہ پاکستان سے غربت کا خاتمہ ہوا اور نہ ہندوستان سے غربت کا خاتمہ ہوا۔ کتنے برس ہو گئے آزادی کو؟

اب جارج جرداق لکھتا ہے کہ علی ابن ابی طالب کو حکومت کرتے ہوئے تین برس کا عرصہ ہوا تھا ایک روز آپ نے فرمایا کوفہ میں کل جتنی بھی کوفہ کی آبادی ہے وہ سب جمع ہو جائے۔ یعنی مسجد کے اندر اور اس کے آس پاس' اس لئے کہ مجھے ایک بہت اہم بات کرنا ہے۔ اچھا کوفہ میں آپ یہ نہ سمجھیں کہ خالی علی کے چاہنے والے ہی ہیں' دوست بھی ہیں دشمن بھی ہیں' موافق بھی ہیں' مخالف بھی ہیں' جارج جرداق لکھتا ہے کہ علی ابن ابی طالب منبر پر تشریف لے گئے اور تقریر شروع کی اور دوران تقریر میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے کوفے کے ساکنو! مجھے اس بات کا بہت افسوس ہے کہ مجھے تم پر تین سال ہو گئے حکومت کرتے ہوئے اسلامی نظام کے تحت۔ توجہ فرمایئے گا۔ صرف تین سال کا عرصہ ہوا ہے اور مجھے بہت افسوس ہے کہ مجھے جان بوجھ کر جنگوں میں الجھایا گیا۔ مجھ پر جان بوجھ کر جنگیں مسلط کی گئیں۔ تاکہ جیسا

چاہئے اس طرح سے نظام اسلامی کو اسلامی حکومت میں نافذ نہ کرسکوں' سمجھے
آپ یا نہیں سمجھے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تاریخ آج کی نہیں ہے پرانی
تاریخ ہے کہ جب بھی کوئی اسلامی نظام قائم کرنا چاہتا ہے تو اس پر جنگ
مسلط کردی جاتی ہے۔ کہ موقع نہ ملے اسلامی اصولوں کو عوام میں جاری و رائج
وساری کرنے کا' تو اب علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ مجھ پر جنگیں مسلط
کردی گئیں۔ لیکن اس کے بعد فرماتے ہیں کہ تین تین خانہ جنگیوں میں مجھے
الجھایا گیا' لیکن میں اس مجمع میں جس میں میرے موافق اور مخالف' اور دوست
دشمن سب بیٹھے ہوئے ہیں' علی الاعلان یہ کہتا ہوں کہ میری پوری مملکت
میں ایسٹ سے لے کر ویسٹ تک اور نارتھ سے لے کر ساؤتھ تک کسی ایسے
آدمی کو بتادو کہ جو کافر ہو یا مسلمان ہو' مشرک ہو یا مومن ہو' جس کے رہنے
کے لئے مکان نہ ہو' جس کے کھانے کے لئے غذا نہ ہو' جس کے پہننے کے لئے
لباس نہ ہو' اور اگر ہے کسی کی نظر میں تو بتادے۔ اور اس کے بعد کوفہ کی
زبردست آبادی نے یہ اعلان کیا کہ آپ کی پوری اسٹیٹ میں نہ کوئی بے گھر
ہے' نہ کوئی بے در ہے' نہ کوئی بے غذا ہے' نہ کوئی بے دوا ہے' سب کے رہنے
کے لئے مکان ہے' سب کے پہننے کے لئے لباس ہے' سب کے کھانے کے
لئے غذا ہے' جب پوری آبادی نے اقرار کرلیا تو علی نے فرمایا کہ ذرا جھکی ہوئی
نظروں کو اٹھاؤ اور میرے اس پیراہن کو دیکھو' یہ وہی پیراہن ہے یہ وہی کرتا
ہے جو تین برس پہلے میں مدینے سے پہن کر چلا تھا۔ اور اب اس میں اتنے پیوند
لگ چکے ہیں کہ اب مجھے کسی کو دیتے ہوئے شرم آتی ہے کہ اس میں پیوند اور
لگادے۔ سنا آپ نے؟ تو فرماتے ہیں کہ اگر زندگی کی آخری سانسوں تک یہی
پیوند لگا ہوا کرتا میرے جسم پر ہو تو سمجھ لینا کہ علی نے تمہارے مال میں کوئی

خیانت نہیں کی ہے۔ اور اگر میرا لباس بدل جائے' میرا مکان بدل جائے' میری غذا بدل جائے تو تم کو اختیار ہے کہ جو چاہنا وہ میرے بارے میں سوچنا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟! ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیج دیں آپ حضرات......"

اب میں کسی ملک کی بات نہیں کہتا' اپنی بات کہتا ہوں اپنے دیش کی' ہمارے یہاں جو حضرات الکشن میں کھڑے ہوتے ہیں' الکشن میں کھڑے ہونے سے پہلے ان کا بینک بیلنس آپ ملاحظہ فرمالیں' اور جب پانچ سال تک وہ پارلیمنٹ کے ممبر رہ چکے ہوں تو آپ ذرا ان کے بینک بیلنس کو کاؤنٹ کرلیں' یہ دنیا کے سیاست داں ہیں کہ عوام بھوکوں مرتے ہیں اور وہ اپنا بینک بیلنس بڑھاتے ہیں' اور یہ اسلام کا رہنما ہے کہ جس کی غذا نہ بدلی وہی جو کی روٹی' جس کا لباس نہ بدلا' مگر عوام چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔ یاد رکھئے کہ اسلام نے خالی انسانوں ہی کا حق نہیں رکھا ہے' افسوس یہ کہ وقت نہیں ہے۔ اسلام نے جانوروں تک کا حق رکھا ہے' اسلام نے جانوروں تک کا حق رکھا ہے' اسلام میں درختوں تک کے رائٹس ہیں۔ اسلام میں زمینوں تک کے حقوق ہیں۔ وقت کم ہے اس لئے میں سمیٹ کر عرض کر رہا ہوں آپ کے سامنے' ذرا نہج البلاغہ کو آپ ملاحظہ فرمائیں' اور وقت وہ وقت ہے کہ جب علیؑ ابن ابی طالب تخت خلافت کے اوپر ہیں۔ اور آپ اپنے ایجنٹ اور گماشتوں کو بھیج رہے ہیں مختلف صوبوں کی طرف کہ جاؤ جاکر زکوٰۃ وصول کرلے آؤ۔ اس موقع پر جو ڈائرکشن دیا ہے علی ابن ابی طالب نے وہ نہج البلاغہ میں موجود ہے اسے آپ پڑھ لیں' فرماتے ہیں کہ جب تم مسلمانوں کی بستی میں جانا تو جاکر کسی مرکزی مقام پر یہ اعلان کرنا کہ میں خدا کے بندے اور مسلمانوں کے امیر علی ابن ابی طالب کی طرف سے تم سے اللہ کا حق وصول کرنے کے لئے آیا ہوں' جس

کے پاس جتنا حق ہو وہ مجھے لا کر دے دے۔ جو جتنا لا کر دے دے اسے قبول کر لینا اس کے بھی کھاتوں کو نہ ڈھونڈنا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اس لئے کہ اسلام انسان کے دل میں حقوق الٰہی کی وہ عظمت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ کسی کو مال زبردستی لینے کی ضرورت نہ ہو' انسان خود مال لے کر آجائے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مال میں تمہیں کچھ جانور ملیں' زکوۃ میں بھیڑیں' بکریاں' اونٹ وغیرہ۔ تو فرماتے ہیں کہ ان جانوروں کو لے کر تم میری طرف روانہ ہونا۔ مگر حسب ذیل باتوں کا خیال رکھنا۔ پہلی بات کیا ہے کہ اگر کوفہ تک پہنچنے کے دو راستے ہوں' ایک لانگ روٹ ہو ایک شارٹ روٹ ہو تو تم اپنے اہل وعیال تک پہنچنے کی جلدی میں شارٹ روٹ سے نہ آنا اگر اس روٹ پر کھانا اور گھاس اور پانی نہیں ہے اور لانگ روٹ کے اوپر چراگاہیں موجود ہیں تو تم اپنے اہل وعیال سے ملنے کی جلدی میں شارٹ کٹ سے نہ آجانا۔ چاہے وقت جتنا صرف ہو' مگر ادھر سے آنا جدھر پانی موجود ہو۔ جدھر چراگاہیں موجود ہوں تاکہ یہ اللہ کے جانور بھوکے اور پیاسے نہ رہنے پائیں۔

برادران عزیز! برادران اسلامی! جو اسلام جانوروں کو بھوکا نہ دیکھ سکے وہ کیا انسان کو بھوکا دیکھ سکے گا۔ یہ فیصلہ آپ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دیکھو جب تم وہ جانور لے کر روانہ ہونا اور تمہارے پاس کھانے اور پینے کا سامان ختم ہو جائے تو میں تمہیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ ان جانوروں کے دودھ سے تم استفادہ کر سکتے ہو اور اپنے مصرف میں لا سکتے ہو۔ مگر جب کسی جانور سے دودھ نکالنا اور دودھ لینا تو اس بات کا خیال رکھنا کہ اس کے تھنوں میں اتنا دودھ رہ جائے کہ اس کا بچہ بھوکا نہ رہنے پائے۔ اس لئے کہ اسلام یہ گوارا نہیں کرے گا کہ تمہارا پیٹ بھر جائے

اور جانور کا بچہ بھوکا رہ جائے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر اثنائے سفر میں کوئی جانور بیمار پڑ جائے تو تم اپنے عزیزوں سے ملنے کی جلدی میں اس کو کھینچتے ہوئے لے کر نہ چلنا اس کا علاج کرنا اس کا معالجہ کرنا اس کی دوا کرنا اور جب وہ جانور ٹھیک ہو جائے تو اس کو لے کر روانہ ہونا۔ پھر کہتا ہوں کہ جو اسلام جانور کو بیمار نہ دیکھ سکے بغیر دوا کے، وہ کیا انسانوں کو دوا کا محتاج دیکھنا پسند کریگا؟! اسکے بعد فرماتے ہیں کہ اثنائے راہ میں اگر کسی جانور کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو اس کو کھینچتے ہوئے لے کر نہ چلنا بلکہ اپنے ہاتھ سے اس کا کانٹا نکال لینا۔ اس کے مرہم لگانا پٹی باندھنا اور جب اسکا زخم مندمل ہو جائے تو اسے لیکر میری طرف روانہ ہونا۔ کیوں برادران عزیز۔ آپ کو کچھ یاد تو نہیں آگیا۔ اسلام جانوروں کے بارے میں یہ ہدایت دے رہا ہے کہ اگر جانور بیمار ہو تو سفر ملتوی کر دو۔ کیا آپکو کوئی بیمار تو یاد نہیں آگیا؟ جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پیروں میں زنجیر اور جس کے گلے میں طوق خاردار اور کھینچ کھینچ کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے جایا جارہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جانور بھوکے اور پیاسے نہ رہنے پائیں۔ آپ کو کچھ پیاسے تو نہیں یاد آگئے کہ بچھ چھوٹے چھوٹے بچے تو نہیں یاد آگئے کہ جو آوازیں بلند کر رہے ہیں کہ ہائے پیاس ہمیں مارے ڈالتی ہے۔ علی ابن ابی طالب فرما رہے ہے کہ اگر کسی جانور کے پاؤں میں زخم ہو جائے کانٹا لگ جائے تو سفر اپنا ملتوی کر دینا۔ مرہم پٹی کرنا اور جب زخم مندمل ہو جائے تو سفر کو جاری کرنا۔ آپ کو کوئی ایسا بیمار تو یاد نہیں آگیا کہ جس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑیں تھیں اور بیڑیوں کی رگڑ سے پنڈلیوں کا گوشت اڑ گیا۔ اور خون ٹپک رہا ہے گوشت غائب ہو گیا ہڈیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ مگر سفر ملتوی نہ ہوا۔

مگر ہائے ہائے اسلام کی بد نصیبی' اسلام کہاں لے کر جاتا تھا مسلمان کو' اور مسلمان وفات رسولؐ کے چند برسوں کے بعد کہاں پہنچ گیا۔ اسلام نے وہ سلوک' جو جانوروں کے ساتھ روانہ رکھا تھا' جس سلوک کی اجازت جانوروں کے ساتھ نہ دی تھی وہ سلوک مسلمان اہل بیت رسولؐ کے ساتھ کر رہا ہے۔

بس برادران عزیز! یاد رکھئے۔ آج کی اس مجلس میں میرا یہ پیغام ہے' برادران عزیز۔ آپ اگر مسلمان ہیں' آپ اگر کلمہ گو ہیں' آپ اگر اہل بیتؑ رسولؐ سے محبت کرنے والے ہیں۔ اور کون مسلمان ہے جو یہ کہے کہ ہم اہل بیتؑ رسولؐ سے محبت نہیں کرتے' ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ آپ سب اہل بیتؑ رسولؐ سے محبت کرنے والے ہیں' خدا کا شکر ہے کہ اس پوائنٹ پر مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ملاحظہ فرما رہے ہیں' تو سمجھئے کہ رسولؐ اور اہل بیتؑ رسول کا مشن کیا تھا؟ رسولؐ اور اہل بیتؑ کا مشن یہ تھا کہ دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ہے اسلام کی بنیاد اور مسلمان کو غور کرنا چاہئے ہے کہ خدا نخواستہ وہ ظالموں میں تو نہیں ہے۔ اپنے بچوں کے ساتھ ظلم تو نہیں کر رہا ہے۔ اپنی بیوی کے ساتھ تو ظلم نہیں کر رہا ہے' اپنے گھر والوں کے ساتھ تو ظلم نہیں کر رہا ہے۔

آپ جانتے ہیں بیوی کے ساتھ ظلم کرنا' بیوی کو ستانا' ایک روایت پیش کردوں آپ کے سامنے' حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ رسولؐ کے مقدس ترین صحابی۔ یہ روایت بعینہ شیعہ اور سنی دونوں کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت سعد ابن معاذ' مقدس ترین صحابی رسولؐ کے' وفات پا گئے ان کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ جب ان کا جنازہ چلا ہے تو رسولؐ پیچھے پیچھے۔ صحابہ کے ساتھ ساتھ' اور ننگے پاؤں اور پنجوں کے بل چلتے تھے۔ تو لوگوں نے پوچھا

حضور، مجمع تو اتنا نہیں ہے، یہ آپ پنجوں کے بل کیوں چل رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم نہیں دیکھ رہے ہو مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے اس مقدس صحابی کے جنازے میں ملائکہ کا اتنا ہجوم ہے کہ پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ سمجھئے کہ مرتبہ کتنا بلند تھا۔ حضرت سعد ابن معاذ لحد میں لٹا دئے گئے۔ مٹی برابر کردی گئی ان کی عظمت وجلالت کا حال یہ تھا کہ آخری حصہ قبر کا رسولؐ نے اپنے ہاتھ سے برابر کیا۔ جب رسولؐ آخری حصہ قبر کا برابر کرکے ہٹے تو ان کی ماں کھڑی ہوئی تھیں اور ماں نے قبر کو دیکھ کر کہا کہ بیٹا سعد جنت کی بشارت ہو۔ بس ایک مرتبہ پلٹ کر رسولؐ نے دیکھا اور کہا کہ سعد کی ماں یہ تو نے کیا کہا؟ کہا، جنت کی بشارت۔ کہا تم دے رہی ہو جنت کی بشارت، تم یہ نہیں دیکھ رہی ہو، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ سعد اس وقت بڑی زحمتوں میں ہیں، بڑی کشاکش میں ہیں، بڑی کشمکش میں ہیں، بہت تکلیف میں ہیں۔ کہا یا رسولؐ اللہ، سعدؓ سے کیا خطا ہوئی تھی؟ کہا اور کوئی خطا نہ تھی مگر سعدؓ کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ اور گھر والوں کے ساتھ ویسا نہیں تھا جیسا اسلام چاہتا ہے۔ اسی کا بھگتان ہے جو بھگت رہے ہیں، ملاحظہ کیا آپ نے؟ اسلام ظلم کے بارے میں اتنا حساس ہے ایک مقدس صحابی اگر ذرا سا اپنی بیوی کے ساتھ ظلم کرتا ہے تو اس کا بھگتان بھگتنا پڑتا ہے۔ بس اسی روایت کی روشنی میں ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اور آپ اپنا اپنا کردار دیکھ لیں۔

اور عزاداران حسینؑ! آپ مجھے بتائیں کہ یہ کربلا کی جنگ کس لئے تھی؟ کسی کو یہ بتانے کا حق حاصل نہیں کہ کربلا کی جنگ کس لئے تھی۔ خود امام حسینؑ کو بتانا چاہئے کہ کس لئے تھی؟ تو امام حسینؑ نے عرفات کے میدان میں صحابہؓ و تابعینؒ کے بیچ جو خطبہ دیا ہے وہ تاریخوں میں موجود ہے آپ اسے

ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں امام ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے نانا کے صحابہؓ اور اے میرے نانا کے صحابہ کے تابعین! بہت افسوس کی بات ہے کہ ابھی میرے نانا کے انتقال کو تھوڑا زمانہ ہوا ہے مگر اسلام کے نام پر غریبوں کا استحصال شروع ہو گیا۔ آج غریبوں کو ظلم کی چکی میں پیسا جا رہا ہے کیا اسلام اسی لئے آیا تھا ایک طرف سونے اور چاندی کی کرسیاں ہیں' زرتار پردے ہیں' سجا ہوا دربار ہے' دوسری طرف بہت سے مسلمان' فرماتے ہیں کہ اس صورت حال کو میں مٹا کے رہوں گا۔ چاہے میری جان اسی راہ میں کیوں نہ چلی جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کربلا کی جنگ ظلم کے خلاف تھی۔ آپ یہ دیکھ لیجئے کہ' اللہ اکبر۔ کہ وہ اسلام جو عدالت کو اس منزل پر لے جانا چاہتا تھا' جسٹس کی اس بلندی پر لے جانا چاہتا تھا' چند ہی برس کے بعد مسلمانوں نے کون سا ظلم اختیار کیا۔ اور ظلم کی کس منزل پر پہنچ گئے' یاد رکھئے' تاریخ مذاہب عالم اور تاریخ بشریت میں کربلا سے زیادہ مظالم کہیں نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ اور جگہوں پر تو ہم کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ مظلوم پر کون سا ظلم ہوا اور کربلا میں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ مظلوموں پر کون سا ظلم نہیں ہوا۔ ہر وہ شے کہ جسے آپ ظلم کہہ سکتے ہیں' کربلا کے میدان میں عمل پذیر ہو رہی تھی۔ اگر بھوکا رکھنا ظلم ہے تو حسینؑ بھوکے بھی رہے اگر پیاسا رکھنا ظلم ہے تو حسینؑ کربلا کے میدان میں تین دن کے پیاسے بھی رہے۔ اگر کسی کو بے خطا زخمی کرنا ظلم ہے تو حسینؑ زخمی بھی ہیں۔ اگر کسی کے سامنے اس کے اصحاب کو اور انصار کو اور دوستوں کو قتل کر دینا ظلم ہے تو حسینؑ لاشیں اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں' گنج شہیداں کی تعمیر ہو رہی ہے۔ اگر کسی کے سامنے اس کے بھتیجوں اور بھانجوں کو قتل کر دینا ظلم ہے تو حسینؑ یہ ظلم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر کسی باپ کی

نظروں کے سامنے علی اکبر کے ایسے جوان بیٹے کو قتل کر دینا ظلم ہے تو حسینؑ اپنی آنکھوں سے یہ ظلم بھی دیکھ رہے ہیں۔

آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے کہ جب آپ حضرت ابوالفضل العباس کے مصائب سنا کرتے ہیں' عباسؑ کا مرتبہ آپ کم نہ سمجھیں' یہ تمنائے علیؑ ہیں۔ عزاداران حسینؑ! ایک روایت پیش کرنا چاہتا ہوں آپ کے سامنے جنگ صفین کی' جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ عباسؑ بچپنے سے حسینؑ سے کتنی محبت کرتے تھے' جنگ صفین ہے اور امام حسینؑ خیمے میں تشریف فرما ہیں' عباسؑ ابن علیؑ کی اس وقت کم سنی کی عمر ہے' دس بارہ سال کی عمر ہے' توجہ فرمایئے گا کہ حسینؑ نے کہا' پیاس لگی ہے' آپ نے فرمایا' ہے کوئی جو تھوڑا سا پانی پلا دے۔ اس لئے کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ تم کوئی شے کسی سے نہ مانگو مگر پانی مانگ کر پیو' اس لئے کہ پانی مانگنے میں اور پلانے میں خود ثواب ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ ہے کوئی جو تھوڑا سا پانی پلا دے۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ عباسؑ ابن علیؑ آ رہے ہیں' حسینؑ کے لئے پانی لئے ہوئے۔ مگر اس کمسنی کے عالم میں پانی لے کر کیوں آ رہے ہیں۔ کہ پانی کا جو جام ہے پانی کا ظرف سر کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ چھوٹا سا بچہ پانی لئے آ رہا ہے' پانی نے چھلک کے عباسؑ کے جسم کو تر کر دیا ہے۔ بس یہ منظر دیکھ کر علیؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ شاید علیؑ کو یاد آ گیا ہو کہ یہی جگہ ہے کہ جہاں عباسؑ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں' اور اسی سے قریب جگہ ہو گی کربلا کہ عباسؑ کے زخم سر کا خون جسم عباسؑ کو رنگین کر رہا ہو گا۔

برادران عزیز! مجھے آپ چند منٹ کی اجازت دے دیں تاکہ آپ عباسؑ کے مرتبے کو سمجھ سکیں۔ برادران عزیز! عباسؑ کا سہارا تھا زینبؑ کو'

عباسؑ کا سہارا تھا ام کلثومؑ کو' عباسؑ کا سہارا تھا ام لیلیٰ کو' عباسؑ کا سہارا تھا سکینہؑ کو ۔ کوئی ایسا نہ تھا کہ جو عباسؑ کا سہارا نہ لیتے ہو' روایت میں آپ کے سامنے پیش کرتا چلا جاؤں گا۔ محرم کی شب' اور حسینؑ نے لشکر کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی کو بھیج دیا کہ جاؤ' کسی صورت میں پانی لے آؤ۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ پانی آیا' بریئے لے کر آئے۔ اور جب پانی خیموں میں پہنچایا گیا تو بچوں نے اپنے کو مشک پر اس طرح سے گرا دیا کہ دہانہ کھل گیا' اور پانی بہہ گیا اور بچے پھر پیاسے رہ گئے۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ لیکن بہر حال جب یہ ٹکڑی جا رہی تھی پانی لینے کے لئے' تو روایت بتاتی ہے کہ اس میں حضرت علیؑ اکبر بھی شامل تھے۔ روایت بتاتی ہے کہ اب تک' مادر علیؑ اکبر حضرت ام لیلیٰؑ نے جناب عباسؑ سے بات نہیں کی تھی' لیکن جب معلوم ہوا کہ میرا بچہ گیا ہے رات کے سائے میں تو وہ سر جھکائے ہوئے اس خیمہ میں آئیں جہاں عباسؑ بیٹھے تھے' اور آ کے عباسؑ کی عبا کا دامن پکڑ کے زمین پر شہزادی بیٹھ گئیں۔ اور جب عباسؑ نے پوچھا کہ شہزادی خیر تو ہے' کیوں آپ تشریف لائیں اتنی رات میں کیا بات ہے؟ کہا' عباسؑ تم کو معلوم ہے کہ آج تک میں نے تم سے بات نہیں کی ہے' لیکن عباسؑ یہ ماں کا معاملہ ہے' میرا اٹھارہ برس کا بچہ' بڑا پیارا بچہ ہے' بڑا خوبصورت بچہ ہے' رسولؐ کی تصویر ہے بالکل گیا ہے رات کے سناٹے میں پانی لینے کے لئے۔ سنیں گے آپ جملہ' فرماتی ہیں کہ اے عباسؑ! اگر میرے بچے کے زخم لگ گیا تو میں تم سے جواب طلب کروں گی۔ اور عباسؑ نے کہا' شاہزادی آپ اطمینان رکھئے' عباسؑ کے ہوتے ہوئے آپ کے لال کو زخم نہیں لگ سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ام لیلیٰ کا کوئی سہارا تھا تو عباسؑ ابن علیؑ' شب عاشور حضرت عباسؑ ابن علیؑ اس خیمے میں داخل ہوئے جس میں علیؑ کی چھوٹی بیٹی حضرت ام کلثوم

تشریف فرما تھیں۔ دیکھا کہ ام کلثوم سر جھکائے ہوئے رو رہی ہیں۔ گئے پاس، شہزادی کے کہا خواہر کاہے کو رو رہی ہیں۔ کہا بھیا اپنی محرومی پر رو رہی ہوں، کہا کہ کیسی محرومی؟ کہا کہ کل آل محمد کی قربانی کا دن ہے، میری بیوہ بھاوج ام فروہ اپنے یتیم بچے قاسم کو دین پر قربان کر دیں گی، ام لیلیٰ علی اکبر کو قربان کر دیں گی، زینبؑ عون و محمد کو نثار کر دیں گی۔ اے عباسؑ اگر میری بھی کوئی اولاد موجود ہوتی تو میں بھی قربانی کا شرف حاصل کرتی اپنی اس اولاد کے ذریعہ بس ایک مرتبہ عباسؑ نے کہا کہ شہزادی آپ کیوں گھبراتی ہیں، اگر آپ کی اولاد نہیں تو آپ کا غلام تو موجود ہے۔ یہ غلام اپنی جان آپ کی طرف سے نثار کرے گا، میں آپ کی قربانی بنوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ام کلثوم کو اگر سہارا ہے تو عباسؑ ابن علیؑ کا۔ اور سکینہؑ کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کہ سکینہ نے تو ہمیشہ پانی مانگا تو چچا کا دامن تھام تھام کر اے چچا، آپ کو میرے ان نیلے نیلے ہونٹوں پر ترس نہیں آتا، آپ کو میری سوکھی ہوئی زبان پر ترس نہیں آتا۔ تو سکینہ تو عباسؑ ہی سے فریاد کرتی رہیں، اور زینبؑ۔ کیا زینبؑ کو عباسؑ کا سہارا نہیں ہے؟

عزادارانِ حسینؑ! جب رخصت آخر کے لئے عباسؑ ابن علیؑ خیمے میں آئے ہیں تو زینبؑ نے فرمایا کیا ارادہ ہے؟ کہا کہ جا رہا ہوں پانی لینے کے لئے مگر زینبؑ سمجھ گئیں کہ میرا بھائی واپس نہ آئے گا۔ کہا کہ بیٹھ جاؤ عباسؑ، جانا میں تم کو روکتی نہیں، مگر دو منٹ ٹھہر جاؤ، عباسؑ ٹھہر گئے، کہا ایک واقعہ سن لو۔ اس واقعہ کو میں نے جس انداز سے دیکھا اس انداز سے پیش کر رہا ہوں، اس کا میں ذمہ دار ہوں، فرماتی ہیں کہ میرا بابا کوفہ میں تھا، اور میں ایک روز اپنے بابا کے سامنے کھڑی ہوئی تھی کہ اتفاق سے میرے بازو سے میری ردا سرک گئی تو

میرے بابا نے جھک کر میرے بازو کو چوم لیا' میں نے کہا' بابا' میرا بازو کیوں چوم رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا بیٹا' میں اس بازو کو چوم رہا ہوں جہاں کبھی دین کے لئے رسیاں باندھی جائیں گی۔ تو شہزادی کہتی ہیں کہ میں نے اپنے بابا سے کہا کہ بابا' اگر کسی کا ایک بھائی موجود ہوتا ہے تو اس کے بازو میں کوئی رسی نہیں باندھ سکتا۔ اور میرے تو اٹھارہ بھائی موجود ہیں اور پھر عباسؑ کا ایسا بہادر بھائی موجود ہے' کس میں یہ ہمت ہے کہ میرے بازو میں رسی باندھ دے' لیکن عباسؑ میں سمجھتی ہوں کہ وہ وقت قریب آگیا ہے' اس لئے کہ سارے بھائی قتل ہو چکے۔ اب رہ گئے تم اور حسینؑ اور اب تم بھی مرنے کے لئے جا رہے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں سمجھتی ہوں کہ وہ وقت قریب آگیا ہے جب میرے بازوؤں میں رسیاں باندھی جائیں گی۔

بس عزادارانِ حسینؑ۔ عباسؑ ابن علیؑ آئے امام حسینؑ کے سامنے' جب سارا لشکر ختم ہو گیا۔ آنے کے بعد کہا کہ مولا اب مجھے بھی شہادت کی اجازت دیجئے۔ امام نے فرمایا کہ تمہاری پوزیشن دوسری ہے' تمہاری حیثیت دوسری ہے' کہا' میری حیثیت کیا ہے مولا' کہا' تم میرے لشکر کے علمدار ہو' یہ بے کس بیبیاں جو خیموں کے اندر بیٹھی ہوئی ہیں یہ باہر تو نہیں دیکھ پا رہی ہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے لیکن جب تک تمہارے کاندھے پر علم ہے اور یہ علم خیموں سے دکھائی دے رہا ہے' اس وقت تک ان بیبیوں کو سہارا ہے کہ ابھی عباسؑ ابن علیؑ موجود ہیں۔ اگر تم بھی چلے گئے تو بے کس بچوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ شہزادیوں کا دل ٹوٹ جائے گا عباسؑ۔ خدا کی قسم امام کے ان فقروں کا کوئی جواب نہ دے سکتا تھا' مگر عباسؑ نے فرمایا کہ مولا' پھر وہ لشکر کہاں ہے جس کا میں علمدار تھا؟ اب جہاں لشکر گیا ہے وہیں مجھے علمداری کے لئے بھیج

دیجئے۔ مگر حسینؑ کسی صورت سے اجازت نہیں دیتے تھے مگر ایک مرتبہ خیمے سے آواز آئی ' ہائے پیاس ہمیں مارے ڈالتی ہے۔ فرمایا کہ اچھا مولا ' اگر آپ مجھے جہاد کی اجازت نہیں دیتے ' شہادت کی اجازت نہیں دیتے ' اتنی تو اجازت دیجئے کہ میں بچوں کے لئے پانی لے آؤں۔ آئے خیمے کے اندر آواز دی سکینہ کو کہ میری بچی ' مشکیزہ لے کر آجا ' میں تیرے لئے پانی لے کر آتا ہوں ' چھوٹی سی بچی دوڑتی ہوئی مشکیزہ لے کر آگئی۔ عباسؑ نے مشکیزہ علم میں باندھا ' فرات کے کنارے آئے۔

لشکر پسر سعد کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے پسر سعد کے سپاہیو! اگر تھوڑا سا پانی حسینؑ کے بچوں کو دے دو گے تو اس بہتے ہوئے دریا میں کوئی کمی نہ ہو جائے گی۔ اس دریا سے ' اس نہر سے کتے اور سور تک پانی پی رہے ہیں مگر رسولؐ کی آل محروم ہے ' جواب دیا گیا کہ جب تک حسینؑ بیعت نہ کریں گے ' اس وقت تک پانی کا ایک قطرہ نہیں ملے گا۔ بس عزادارانِ حسینؑ ' عباسؑ سمجھ گئے کہ یہ مسئلہ یوں حل ہونے والا نہیں ہے ' حملہ کیا۔ اور روایت بتاتی ہے کہ پہلے ہی حملے میں اسی لاشیں دشمنوں کی فرات کے کنارے تڑپیں ' اور لشکر کے بقیہ سپاہی بھاگے ' اور فرات کا راستہ صاف ہو گیا۔ اور عباسؑ پہنچ گئے فرات تک ' گھوڑے کو نہر میں ڈال دیا۔ مشکیزہ بھرا ' پیاسے گئے تھے ' پیاسے نکل آئے ' مشکیزہ بھر کر گھوڑے پر سوار ہوئے ' گھوڑا بھی پیاسا نکل آیا ' بس عزادارانِ حسینؑ ' اب عباسؑ روانہ ہوئے دوش پر مشک ہے ' ہاتھ میں علم ہے اور راہ خدا میں جہاد ہے ' اور یہ کوشش ہے کہ پانی کسی صورت سے حسینؑ کے خیموں تک پہنچ جائے۔ ادھر سے پسر سعد نے آواز دی کہ اے میرے سپاہیو ' جانیں جائیں ' سر کٹ جائیں ' مگر پانی کا ایک قطرہ بھی حسینؑ کے خیموں تک نہ

پہنچ پائے۔ اب سارے لشکر نے گھیر لیا' عباسؑ نے جنگ شروع کی' بڑھتے جا رہے ہیں' بڑھتے جا رہے ہیں' بڑھتے جا رہے ہیں' یہاں تک کہ دشمن کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ ہم یوں عباسؑ پر قابو نہیں پا سکتے۔ یہ پانی خیموں تک پہنچ جائے گا۔ اس لئے دھوکے سے کام لیا گیا۔ ایک شخص ایک درخت کی آڑ میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور جب عباسؑ جوش شجاعت میں ادھر سے گزرے تو اس نے آڑ سے نکل کر عباسؑ کے داہنے ہاتھ کو کاٹ دیا۔ لیکن اللہ ری عباسؑ کی شجاعت کہ عباسؑ نے فوراً بائیں ہاتھ سے جنگ شروع کر دی' ایک دوسرا دشمن ایک اور کمیں گاہ میں آیا۔ اور اس نے تھوڑی دیر کے بعد عباسؑ کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ عباسؑ کا جب دوسرا ہاتھ کٹ گیا اور عباسؑ کو بے بسی کا احساس ہوا تو عباسؑ نے نظر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ اور آسمان کو دیکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ پالنے والے میرے ہاتھ کٹ گئے۔ حسینؑ کے بچے پیاس سے تڑپ رہے ہیں' پالنے والے میری جان چاہے چلی جائے مگر یہ پانی خیمے کے اندر پہنچ جائے۔ پالنے والے میری اس دعا کو تو سن لے۔ عزاداران حسینؑ۔ حرملہ جب گرفتار ہو کر مختار کے سامنے آیا ہے تو اس نے اس وقت کی جو منظر کشی کی ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں' حرملہ کہتا ہے کہ میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ عباسؑ کے دونوں ہاتھ کٹ چکے ہیں' لیکن اس کے بعد بھی عباسؑ کے قدم نہیں رکتے' زخموں سے چور ہو گئے۔ یہ کہتا ہے کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسا انسان نہیں دیکھا تھا' جو اتنا زخمی ہو اور گھوڑے سے نہ گرے۔ کہتا ہے کہ میں نے غور کیا تو میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ عباسؑ کی جان ان کے جسم میں نہیں ہے بلکہ اس مشک میں ہے جو ان کے سینے سے لگی ہوئی ہے۔ جب تک یہ مشک موجود ہے عباسؑ گھوڑے سے نہیں گریں گے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ میں

نے ایک تیر اس مشک کی طرف روانہ کیا اور وہ تیر مشک سکینہ توڑتا ہوا عباسؑ کے سینے کے پار ہو گیا۔

بس عزادارانِ حسینؑ! اب جب مشک سکینہ سے پانی بہنے لگا تو روایت بتاتی ہے کہ عباسؑ نے دوسری دعا کی بارگاہِ الٰہی میں "پالنے والے تیری مصلحت تو نے میری دعا کو نہ سنا' مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے' آج تیری مشیت یہی ہے کہ اہل بیت حسینؑ اور ان کے بچے پیاسے رہیں' لیکن پالنے والے اب عباسؑ کی دوسری دعا سن لے اور وہ دعا یہ ہے کہ پانی اگر سکینہ تک نہیں پہنچا ہے "تو میری لاش بھی خیمہ تک پہنچنے نہ پائے اس لئے کہ یہ صورت اس لائق نہیں ہے کہ میں اپنی بھتیجی سکینہ کو دکھا سکوں۔

بس عزادارانِ حسینؑ! آخر سر کے اوپر گرز پڑا اور حسینؑ کا یہ بھائی عباس ابن علیؑ گھوڑے سے زمین کی طرف جھکا' آواز دی کہ اے آقا اپنے غلام کی خبر لیجئے۔ عزادارانِ حسینؑ امام حسینؑ نے عباسؑ کی آواز سن کر دو جملے کہے ہیں' پہلا جملہ یہ کہ جیسے ہی عباسؑ کی آواز کان میں پہنچی' ویسے ہی فرمایا کہ اے بھیا عباسؑ تمہارے مرنے سے حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور راہِ چارہ و تدبیر مسدود ہو گئی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اے بھیا عباسؑ! تم مر گئے' تم دنیا ...... شہید ہو گئے تو معلوم ہے کیا ہوا؟ اب تک وہ آنکھیں جو تمہاری دہشت کی وجہ سے جاگتی رہتی تھیں وہ سوئیں گی اور وہ آنکھیں جو تم پر اعتبار کر کے سویا کرتی تھیں اب ان کو سونا نہ نصیب ہو گا۔ یعنی لشکر یزیدی کے سپاہی اب چین سے سوئیں گے اور میرے چھوٹے بچوں کو نیند نہ آئے گی۔

عزادارانِ حسینؑ! مجلس کے خاتمے پر ابھی عباسؑ ابن علیؑ کا علم برآمد ہو گا۔ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنا زبردست مجمع یہاں موجود ہے' لیکن میں

چاہتا ہوں کہ علم عباسؑ ہی کی حالت پر آپ کی زحمتوں کو ختم کر دوں، لیکن یہ فرق اپنے پیش نظر رکھئے گا' جب میں روایت آپ کے سامنے پیش کروں گا اتنا بڑا مجمع یہاں موجود ہے۔ مجھے خبر ہے کہ دور دور تک لوگ موجود ہیں جن تک میری آواز بھی نہیں جا پارہی ہے۔ اور وہ خالی ثواب حاصل کرنے کے لئے کھڑے ہیں۔ خدا ان سب کو جزائے خیر دے۔

عزادار ان حسینؑ! حسینؑ عباسؑ کے سرہانے پہنچ گئے' سر اٹھا کر عباسؑ کا زانو پر رکھا' عباسؑ نے کہا بھیا آقا' میری ماں نے مجھے بتایا ہے کہ جب میں پیدا ہوا ہوں تو سب سے پہلے میں نے آپ ہی کی صورت دیکھی تھی' تو چاہتا ہوں کہ جاتے جاتے دنیا سے آپ ہی کے روئے انور کی زیارت کر کے دنیا سے رخصت ہوں' حسینؑ نے کہا کہ مجھے کیوں نہیں دیکھتے؟ کہا آقا کیسے دیکھوں ایک آنکھ میں تیر لگ چکا ہے۔ اور دوسری آنکھ میں زخم سر کا خون بہہ کر آچکا ہے۔ اے آقا! اگر میرے ہاتھ موجود ہوتے تو میں آپ کو خون پاک کرنے کی زحمت بھی نہ دیتا۔ لیکن اگر ہو سکے تو میری آنکھ سے خون پاک کر دیجئے۔ تاکہ میں جی بھر کر آپ کو دیکھ لوں' حسینؑ نے اپنے بھائی کی آنکھ سے خون پاک کیا۔ جی بھر کے عباسؑ ابن علیؑ نے حسینؑ کو دیکھا' اس کے بعد کہتے ہیں کہ امامؑ کہ عباسؑ تمہاری تمنا پوری ہو گئی' کہا ہاں آقا دل کو سکون ہو گیا۔ کہا کہ میرے دل کو بھی سکون دے دو عباسؑ' کہا آپ کے دل کو کیسا سکون؟ کہا کہ جب سے تم نے بولنا شروع کیا' آج تک مجھے بھائی کہہ کے نہیں پکارا ہمیشہ آقا کہتے رہے' میرا دل چاہتا ہے کہ تم ایک مرتبہ مجھے بھائی کہہ کر پکار دو۔ عزادار ان حسینؑ! حکم امامؑ سے مجبور ہو گئے' چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو بھائی کہہ کر پکارا اور چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی گود میں دم توڑ گیا۔ بس

عزاداران حسینؑ ' زحمت ختم آپ کی۔ عباسؑ نے وصیت کر دی تھی کہ اے آقا میری لاش لے کر خیمے میں نہ جایئے گا۔ وصیت پر عمل کرتے ہوئے حسینؑ نے عباسؑ کی لاش فرات کے کنارے چھوڑی اور عباسؑ کا علم لے کر چلے ' عزاداران حسینؑ ' ادھر کا منظر یہ کہ جب سے عباسؑ آئے تھے ' چھوٹے چھوٹے بچے خیمے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے ' سب سے آگے سکینہ کھڑی تھیں بچے کہہ رہے تھے کہ سکینہ اگر تمہارا چچا پانی لے کر آجائے تو پہلے تم پانی پی لینا مگر ہماری پیاس کا بھی خیال رکھنا۔ بچوں کو کیا خبر کہ فرات پر کیا گزر گئی۔ ایک مرتبہ بچوں نے دیکھا کہ علم چلا آرہا ہے۔ بچوں نے کہنا شروع کیا سکینہ مبارک ہو تمہارا چچا پانی لے کر آرہا ہے۔ لیکن جب قریب آئے تو دیکھا عباسؑ کا علم لئے ہوئے حسینؑ چلے آرہے ہیں۔ اے بچو ' اپنے چچا کا انتظار نہ کرو تمہارا چچا فرات کے کنارے آرام کر رہا ہے۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین "(آل عمران آیت ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی خواہش کرے تو اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں سخت گھاٹے میں رہے گا۔

برادران عزیز! ارشاد الٰہی ہو رہا ہے کہ اگر کوئی انسان اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو ہو دین ہم اس سے قبول نہیں کریں گے۔ اور ایسا انسان جب آخرت کی منزل میں داخل ہو گا تو اسے خود پتہ چل جائے گا کہ ہم نے اسلام کو چھوڑ کر اپنا ہی نقصان کیا ہے۔

برادران عزیز۔ اس آیت کریمہ کے ذیل میں اپنی جہالت اور بے بضاعتی کے احساس کے ساتھ ساتھ جو کچھ بھی آپ کی خدمت میں عرض کر سکتا تھا وہ عرض کرتا رہا۔ اور آج اسلام ہی سے متعلق ایک مسئلہ کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ یہ مسئلہ ہمارے لئے' ہمارے دین کے لئے اور او ہمارے اسلام کے لئے ایک کینسر بن چکا ہے۔

اسلام میں بہت سے فرقے ہیں اور میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کہ ہر فرقہ سے تعلق رکھنے والا جو یہاں پر آجائے وہ صرف میرا ہی نہیں بلکہ وہ خدا اور رسولؐ اور اہل بیتؑ کا مہمان بھی ہے اور میں اس کی جوتیاں اپنے سر پہ رکھنے کے لئے تیار ہوں۔

آج کی مجلس میں بہت مجبور ہو کر اس ٹاپک کو چھیڑ رہا ہوں' جو اسلام کے لئے ایک کینسر کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ لیکن پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ کوئی ایسی بات میری زبان سے نہ نکلے جس سے کسی کا دل ٹوٹے۔ صرف قرآن اور حدیث کی روشنی میں اس موضوع سے متعلق حق کو باطل سے الگ کر دینا چاہتا ہوں تاکہ آپ پر دین اور مذہب کے نظریات روشن ہو جائیں۔

اسلام کو اس وقت سب سے زیادہ جس تحریک سے نقصان پہنچ رہا ہے' اس تحریک کا نام ہے وہابیت جو اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ میں کسی پر الزام نہیں رکھتا' ممکن ہے کہ بعض حضرات مخلص بھی ہوں لیکن دین کے معاملے میں صرف مخلص ہونا کافی نہیں ہوتا اس کے ساتھ ساتھ عقیدہ بھی ضروری ہے۔ اور خالی اسلام میں بہت سے مخلص ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر مخلص تو ہیں مگر ان کے پاس عقیدت نہیں ہے اس لئے ان کے اخلاص سے اسلام کو نقصان کے سوا اور کچھ نہیں ہے' یعنی اسلام کو دانا دشمنوں سے نقصان کا اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا کہ نادان دوستوں سے ہے۔

میں آپ کے سامنے عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں میں بہت جذباتی ہو جاتا ہوں' لیکن اس کے باوجود میری کوشش یہی ہو گی کہ میری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جس سے کوئی یہ کہہ سکے کہ میں نے اس کا دل توڑ دیا ہے۔ میں آپ کے سامنے صرف وہ کہوں گا کہ جو قرآن کہہ رہا ہے اور میں آپ کے سامنے صرف وہی پڑھوں گا جو رسول کی حدیث کہہ رہی ہے۔

ہم جس وقت روضہ' رسول کی زیارت کرتے ہیں یا روضہ' رسول کی تعظیم کرتے ہیں یا روضہ' امام حسینؑ کی تعظیم کرتے ہیں یا اولیاء کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مشرک ہو گئے اس لئے کہ ہم غیر خدا

کے سامنے سر جھکا کر اپنے شرک کا اظہار کرتے ہیں۔

مشکل یہ ہے کہ یہ سادہ لوح افراد عبادت اور تعظیم میں فرق نہیں سمجھتے۔ عبادت ایک دوسری چیز ہے اور تعظیم ایک دوسری شے ہے۔ یہ مجمع یہاں بیٹھا ہوا ہے' کسی صاحب کو اگر شک ہو تو کھڑے ہو جائیں اور اس مجمع میں جو سب سے کم پڑھا لکھا آدمی دکھائی دے' یا جو سب سے کم سن بچہ دکھائی دے اس سے پوچھ لیں کہ تم بتاؤ کہ اس علم کو پوجتے ہو یا اس علم کی پرستش کرتے ہو اس ضریح کو پوجتے ہو' یہ دلدل' یہ گھوڑا' یہ ذوالجناح جو نکلتا ہے اس کو پوجتے ہو؟! اگر حسینؑ کا ایک چھوٹا سا پانچ برس کا بچہ بھی یہ جواب دے کہ ہم اس کی پرستش کرتے ہیں' ہم اس کو پوجتے ہیں ــــــ!! اور اگر کوئی معمولی سا بچہ یہ جواب دے کہ ہم اس کی تعظیم کرتے ہیں اور تعظیم صرف اسلئے کرتے ہیں کہ یہ چیزیں منسوب ہیں حسینؑ کی طرف اور حسینؑ منسوب ہیں رسولؐ کی طرف' اور رسولؐ منسوب ہیں خدا کی طرف' تو یہ تعظیم خدا کی ہوتی ہے اور اس میں حیرت کی کون سی بات ہے۔

آپ کہیں گے کہ غیر خدا کی تعظیم ہی نہیں کرنا چاہئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں قرآن سے ہٹ کر بات نہیں کروں گا۔

دیکھئے تعظیم کا مطلب ہے' عزت کرنا' احترام کرنا۔ آپ بڑے ہیں' تشریف لائے' میں آپ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا یہ بھی تعظیم کا ایک مرحلہ ہے' میں آپ کو دیکھ کر جھک گیا' یہ بھی تعظیم کا ایک مرحلہ ہے اور تعظیم کا آخری مرحلہ یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ انسان کسی کے سامنے سجدہ میں گر جائے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ نے منع کر دیا ہے کہ کسی کو سجدۂ تعظیمی نہ کرو۔ اس لئے سجدۂ تعظیمی کسی کو نہیں کرتے یہ بات الگ ہے۔ لیکن اس سے ہٹ کر تعظیم کا

آخری مرحلہ یہ ہے کہ انسان کسی کے سامنے سجدۂ تعظیمی بجا لائے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ہمیں اس توحید کو ماننا ہے جو توحید ہم کو اللہ نے بتائی ہے یا ہم کو وہ توحید ماننا ہے جو شیطان نے بتائی ہے۔ آپ کہیں گے کہ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں؟ توجہ فرمایئے۔ تعظیم کا آخری مرحلہ ہے کسی کے سامنے سجدہ کر لینا' باقی جتنی تعظیمیں ہیں وہ سب اس سے کم ہیں۔ اب آیئے قرآن مجید کو پڑھئے۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ ہم نے ملائکہ سے خطاب کر کے کہا کہ اے میرے ملائکہ' جب میں آدم کی خلقت کو مکمل کر لوں اور اس میں مخصوص روح کو پھونک دوں تو تم سب آدم کے سامنے سجدہ میں گر جانا۔ یہ کون سا سجدہ ہے؟ یہ کیوں سجدے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ مسلمان بتائیں یہ کون سا سجدہ ہے؟ کیا آدم کو معاذ اللہ کوئی بت بنایا جا رہا ہے؟ یہ کیوں سجدے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ مسلمان بتائیں یہ کون سا سجدہ ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان اتنی جسارت نہیں کر سکتا کہ وہ یہ کہے کہ خدا کو خود سجدہ کرا رہا ہے۔ تو اگر یہ سجدۂ تعظیمی نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ ملائکہ میں سب کے سب نے سر جھکا دیا اور صرف ایک شیطان تھا جس نے کہا کہ تیرے کہنے سے میں آدم کو سجدہ نہیں کروں گا۔ مگر ایسی توحید کا نتیجہ کیا ہوا؟ ارشاد ہوا کہ میرے دربار سے ذلیل و رسوا ہو کر نکل جا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو توحید ہم کو قرآن سے ملتی ہے اس میں عبادت ہے اور اس کے بندوں کی تعظیم ہے ورنہ کوئی صاحب مجھے اس کا جواب دیں کہ ملائکہ سے کون سا سجدہ کرایا گیا ہے؟ اللہ سجدہ کرا رہا ہے اور غالباً اس شبہ کو دور کرانے کے لئے۔ بات یہ ہے کہ مسلمان چاہے اللہ کو سجدہ کرتے ہوں' میں اللہ کو سجدہ نہیں کرتا' مسلمان خدا کو سجدہ کرتے ہوں مگر میں خدا کو سجدہ نہیں کرتا۔ سجدہ کرنے کے لئے اگر اب میں خدا کو سجدہ کروں تو خدا

کو میرے سامنے ہونا چاہئے ہے۔ وہ بھی دیکھئے بصارت اور بصیرت کا فرق ہے' دنیا میں جو بے بصیرت مسلمان خدا کو سجدہ کرتا ہے۔ بعض مسلمان حکم خدا سے سجدہ کرتے ہیں جس طرف اس کا حکم ہو گیا کہ ادھر سجدہ کرو ہم نے ادھر سجدہ شروع کر دیا۔ اگر ہم ملائکہ کے ساتھ ہوتے' با بصیرت ہوتے اور اللہ کہتا کہ آدم کے سامنے جھک جاؤ' تو سجدے میں' ہم جھک جاتے۔ اس نے حکم دیا کہ کوئی پتھر اس لائق نہیں ہے کہ اس کے سامنے اس جیسی عقیدت کو جھکاؤ۔ یا حسینؑ جیسی عقیدت کو جھکاؤ مگر سر نہ جھکاؤ ہم جھکانے کے لئے تیار ہو گئے۔

ملاحظہ فرما رہے ہیں؟ یہ Absolote اطاعت ہے۔

آپ سورہ یوسف کو پڑھئے' میں نے عرض کیا کہ سجدہ کرنا تعظیم کی آخری منزل ہے۔ اور یہ اس سورۂ یوسف میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ اے ہمارے رسولؐ ذرا وہ وقت یاد کیجئے کہ جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ اے بابا! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ سورج' چاند اور ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں' تو باپ کو کہنا چاہئے تھا کہ بیٹا بڑا مشرکانہ خواب ہے جو تم نے دیکھا ہے۔ کفارہ ادا کرو' توبہ کرو' غیر خدا کو سجدہ کر رہے ہیں چاند اور ستارے۔ مگر جناب یعقوبؑ فرماتے ہیں کہ اے بیٹا! تم نے مجھ سے تو بیان کر دیا' مگر اپنے بھائیوں سے اس خواب کو بیان نہ کرنا اس لئے کہ یہ خواب تمہاری عظمت کی دلیل ہے اور وہ تم سے جلنے لگیں گے۔ اور تمہارے خلاف سازش شروع کر دیں گے۔ وقت مختصر ہے پورا واقعہ آپ کے پیش نظر ہے۔ مختصر یہ کہ بھائیوں کی ایک منزل وہ آئی کہ جب انہوں نے جناب یوسفؑ کو کنویں میں ڈال دیا۔ اور کس طرح سے مسافر آئے اور جناب یوسفؑ کو لے کر گئے اور جناب یوسفؑ مصر کے بازار میں معاذ اللہ غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے۔

میں آپ کے سامنے یہ بات عرض کردوں کہ تفسیر بتاتی ہے کہ جب بادشاہ مصر بھی آگیا خریداروں میں تو اب بولی بڑھنے گی۔ تھی۔ تو ان مسافروں نے 'جو یوسفؑ کو غلام بنا کر لائے تھے' کہا کہ اب تو یوسفؑ کی قیمت یہ ہوگی کہ ایک ترازو میدان میں نصب کردی جائے 'ایک پلہ میں یوسفؑ کو بٹھا دیا جائے اور دوسرے پلہ میں شاہی خزانہ کے جواہرات رکھ دیئے جائیں اور جب دونوں ہم وزن ہوجائیں تو جواہرات ہمیں دے دیئے جائیں اور یوسفؑ کو آپ لے لیجئے۔ بادشاہ نے منظور کرلیا' ترازو نصب کردی گئی۔ ایک پلہ میں یوسفؑ بٹھا دیئے گئے' دوسرے پلہ میں شاہی خزانہ کے جواہرات خالی ہوگئے۔ خزانہ خالی ہوتا چلا گیا مگر یوسفؑ کا پلہ زمین سے نہ اٹھا۔ یعنی بظاہر کئی گنا وزن کے جواہرات دوسرے پلہ میں رکھ دیئے گئے مگر یوسفؑ کا پلہ نہ اٹھا' تو بادشاہ نے کہا کہ تم ہی بتاؤ کہ اس میں کیا بات ہے؟ کہا' ساری دنیا کے خزانے لاکر دوسرے پلہ میں رکھ دوگے تو میرا پلہ اٹھے گا نہیں۔ اس لئے کہ نبوتیں زر و جواہر کے وزن نہیں بکا کرتیں۔ کہا' پھر کیا ہو؟ کہا' کچھ نہیں' یہ سب نکال لو اور محض ایک پرچہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا ایک آیت یا اللہ کا نام لکھ کر رکھ دو۔ چنانچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر دوسرے پلہ پر رکھ دی گئی تو پلہ جھک گیا اور یوسفؑ کا پلہ بلند ہوگیا۔

برادران عزیز۔ قرآن مجید میں ۶۶۶۶ آیتیں ائمہ طاہرین کی شان میں وارد ہیں اور ہم جو ائمہ طاہرین کو انبیاء سے بلند کہتے ہیں وہ یوں ہی نہیں کہتے۔ آپ دیکھ لیجئے۔ یوسفؑ ایک آیت کے مقابلے میں ہلکے پڑ گئے اور اہلبیتؑ جب قرآن کی ۶۶۶۶ آیتوں کے مقابلہ میں آئے تو رسولؐ نے دونوں کا وزن برابر قرار دیا۔ بہر حال وقت مختصر ہے' تاریخ پلٹے کھاتی رہی۔ آج یوسفؑ غلام ہیں'

کل جیل میں چلے گئے اور کئی برس جیل میں گزارنے کے بعد آخرکار مقدر نے
پھر پلٹا کھایا اب مصر کے بادشاہ ہیں۔
اس کے بعد اب پڑا قحط' اور پھر میں آ گیا قرآن پر۔ وہی بھائی کہ جنہوں
نے جناب یوسفؑ کو کنویں میں ڈھکیلا تھا' وہ آ گئے مصر میں۔ مگر انہوں نے
جناب یوسفؑ کو نہیں پہچانا' یوسف نے انہیں پہچان لیا۔ یاد رکھئے کہ جو الٰہی
نمائندے ہوتے ہیں وہ کبھی نہیں دیکھتے کہ دوسروں نے ان کے ساتھ کیا
سلوک کیا ہے؟ وہ جو خدمت کر سکتے ہیں وہ کرتے رہتے ہیں' مگر یہ خدمت
محبت کی علامت نہیں ہوا کرتی خوش اخلاقی کی نشانی ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمایا
آپ نے؟
جناب یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو غلہ وغیرہ دیا اور کہا کہ اسے لے جاؤ
اور اب کی جب آنا تو اپنے بھائی کو لے کر آنا۔ یعنی بنیامین کو جو یوسفؑ کے سگے
بھائی تھے۔ اب اس منزل پر آپ برادران اہل سنت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔
میں نے یہ واقعہ ابھی تک شیعہ تفسیر میں نہیں دیکھا کہ جب دوبارہ حضرت
یوسفؑ کو اس بات کا احساس ہوا کہ میرے بھائی پھر آئیں گے تو آپ نے ایک
مخصوص ہال بنوایا۔ اس زمانہ میں Panting (پینٹنگ) جائز تھی شریعت
میں۔ آپ نے اس ہال کی دیواروں پر۔ توجہ فرمایئے گا۔ وہ سارا واقعہ کہ کیسے
بھائیوں نے آکر گفتگو کی' کیسے لے گئے' کیسے کنویں میں ڈالا' کیا مظالم کئے' وہ
سارا واقعہ Pant پینٹ کرایا تصویروں کی شکل میں۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ اور
جب وہ بھائی آئے تو ان کے لئے اس ہال میں دستر خوان بچھا دیا گیا کہ آؤ کھاؤ۔
وہ بھائی جب ہال میں داخل ہوئے تو ہمارے برادران اہل سنت کی تفسیر بتاتی
ہے کہ انہوں نے جب چاروں طرف دیواروں پر تصویریں دیکھیں تو ایک

دفعہ شرمندہ ہو کر کہنے لگے کہ ہم تو اس حال میں کھانا نہیں کھائیں گے' چاہے بھوکے رہ جائیں۔ کہا کیا بات ہے اس حال میں؟ کہا یہ جو شبیہیں بنی ہوئی ہیں' یہ جو تصویریں بنی ہوئی ہیں' ان کو دیکھ کر ہمیں بڑی وحشت ہو۔ ہی ہے۔ ان کو دیکھ دیکھ کر ہم کو بڑا ڈر لگ رہا ہے' ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ شبیہیں دیکھ کر اس کو وحشت ہوتی ہے جس کو شبیہوں کے ذریعہ اپنے جرائم یاد آنے لگیں۔ توجہ فرمایئے گا۔

اب یوسفؑ نے یامین کو وہیں مصر میں کسی نہ کسی بہانے سے روک لیا' اور بھائی چلے گئے۔ اب یعقوب نے کہا' دیکھو اللہ کی رحمت نے اپنے بندوں کو مایوس نہیں ہونے دیا۔ اب جاؤ اور جا کر یوسفؑ اور ان کے بھائی کو تلاش کرو۔ اب تیسری بار آئے وہ۔ اور اب پہچانا انہوں نے یوسف کو' اچھا' آپ ہی یوسف ہیں' ہم نے پہچان لیا آپ کو۔ اب جناب یوسفؑ نے فرمایا' جاؤ پلٹ جاؤ اور جا کر میرے والد کو بھی لے کر آؤ تاکہ وہ بھی میری جلالت اور منزلت کو دیکھ کر خوش اور مسرور ہوں' یہ سارا واقعہ قرآن میں ہے۔

اب قرآن مجید کہتا ہے کہ باپ' گیارہ بھائی' جناب یعقوبؑ پیغمبر کی اہلیہ' یعنی جناب یوسف کی والدہ' یہ سب کے سب دربار یوسفؑ میں داخل ہوئے۔ جناب یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ اور اپنی والدہ کو تو بلا کر تخت پر بٹھا لیا۔ اس کے بعد اللہ فرماتا ہے کہ جناب یعقوب ان کی اہلیہ' اور گیارہ بھائی سب کے سب یوسفؑ کے سامنے سجدہ میں گر پڑے۔ جی۔ یہ کس کو سجدہ ہو رہا ہے؟ اللہ کا اصول ہے؟

اگر یہ واقعہ قرآن میں نہ ہوتا تو ہمارے وہابی دوست بچ جاتے مگر یہ واقعہ وہ ہے کہ جس نے وہابیت کا لہو بہا دیا۔ سب کے سب یوسفؑ کے سامنے

سجدے میں گر پڑے۔ جی۔ توبہ، تو یہ یعقوبؑ مشرک ہوگئے' یوسفؑ کو سجدہ کر رہے ہیں' حضرت یعقوب کی اہلیہ مشرک ہوگئیں؟ وہ بھائی گنہگار تو تھے ہی' مشرک ہوگئے؟ اچھا' یہ معاذاللہ مشرک ہوگئے تھے تو یوسفؑ کا ایمان تو سلامت تھا' کیا انہوں نے کہا کہ بابا آپ یہ مشرکانہ کام کیوں کر رہے ہیں جلدی سے سر اٹھایئے؟

قرآن کہتا ہے کہ جیسے ہی سب کے سب سجدہ میں گرے' ویسے ہی جناب یوسفؑ نے کہا کہ اے بابا ذرا یاد کیجئے کہ وہ جو میں نے بچپنے میں خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے' چاند اور سورج مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اے میرے بابا' یہ اسی خواب کی تعبیر ہے اللہ نے اس خواب کو حق کر دکھایا۔

یاد رکھئے۔ اگر یہ سجدہ باطل ہوتا تو باطل کی لفظ آتی۔ یوسفؑ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اسے حق کر دکھایا' اللہ نے اسے صحیح ثابت کر دیا۔ جی۔ اب اگر کوئی مسلمان حج کرنے کے لئے جائے اور جا کر وہ مسجد نبوی کے سامنے سجدہ میں گر پڑے تو آپ اسے مشرک کہہ کر مسجد کے باہر نہ نکال دیں' اسلام بصیرت کا مذہب ہے' آپ نے اٹھایا اسے سجدہ سے اور پوچھا کہ یہ سجدہ تو نے کیوں کیا ہے؟ اگر وہ کہے کہ میں نے اس صاحب توقیر کو' رسولؐ اللہ کے لئے سجدۂ تعظیمی ادا کیا ہے تو مشرک نہیں ہے فقط گناہ گار ہے اس لئے کہ رسولؐ نے منع کر دیا ہے کہ تعظیمی سجدہ کسی کو نہ کرو۔ لیکن اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خدا کا سجدہ ادا کیا ہے شکر کا کہ اس نے مجھے ایسا موقع عطا فرمایا تو اسے سینے سے لگا لیجئے کہ یہ عین ایمان ہے۔ اسلام کا فیصلہ اعمال پر نہیں ہوا کرتا اسلام کا فیصلہ نیتوں کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اس کے بعد اب دوسری بات سامنے آتی ہے کہ

یہ علم آپ کیوں اٹھاتے ہیں؟ یہ ماتم آپ کیوں کرتے ہیں؟ یہ آپ سینہ زنی کیوں کرتے ہیں؟ یہ تابوت کیوں اٹھاتے ہیں؟ جی۔ کیا ہم پہلی مرتبہ ماتم کر رہے ہیں اس سے پہلے تاریخ میں کسی نے ماتم نہیں کیا؟ ہم تو ماتم میں صرف سینے پر ہاتھ مارتے ہیں' جس وقت جنگ احد میں پیغمبرؐ کے دو دانت سامنے کے ٹوٹ گئے اور پیغمبرؐ کا ایک عاشق جسے مسلمان تاریخ کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں حضرت اویس قرنی جو جنگ احد کے میدان میں موجود نہ تھے' پیغمبرؐ کے فدائی' پیغمبرؐ کے عاشق ان کو یہ خبر ہوئی کہ حضورؐ کے دو دندان مبارک شہید ہو گئے تو ان کے دل پر وہ صدمہ گزرا کہ انہوں نے پتھر اٹھایا اور پتھر اٹھانے کے بعد اپنے سامنے کے دانت توڑ لئے کہ میرے رسولؐ کے دانت ٹوٹ گئے ہیں تو میرے دانت کیوں سلامت رہیں؟ پھر خیال آیا کہ ممکن ہے داڑھ کے دانت ٹوٹے ہوں' ان دانتوں کو بھی توڑ دیا۔ غرض کہ انہوں نے اپنے سارے ۳۲ دانت توڑ دیے' محض اس غم میں کہ میرے رسولؐ کے دانت ٹوٹ گئے۔ تو رسولؐ کے دو دانت شہید ہو جائیں تو اس کے لئے اویس قرنی اپنے سارے دانت توڑ کر پھینک دیں۔ جی۔ اور رسولؐ نہ منع کریں' کیا رسولؐ مروت کرتے تھے؟ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ کوئی چھوٹی سے چھوٹی حدیث بتا دیجئے کہ رسولؐ نے منع کیا ہو' یا روک دیا ہو۔ حضورؐ یہ محبت کی علامت ہے' یہ عشق کی علامت ہے' تو اگر دانتوں کا توڑ لینا خلاف سنت نہیں ہے تو فقط سینے پر ہاتھ مار لینا کیسے بدعت ہو جائے گا؟ اور کس نے ماتم نہیں کیا ہے۔ جس وقت حضرت عثمان کا خون بہایا گیا مدینہ میں' تو کیا حضرت عثمان کا کرتا دمشق نہیں لے جایا گیا؟ کیا اس کرتے کو بلند نہیں کیا جاتا تھا؟ کیا اس کرتے کو دیکھ کر لوگ ماتم نہیں کرتے تھے؟ اور تاریخ کو پڑھئے۔ حضرت امام احمد بن حنبل جب دنیا سے رخصت ہوئے ہیں'

جس طرح کو آپ چاہیں پڑھ لیں۔ بہت مقبول اور محبوب شخص تھے' اپنے زمانے میں' میں نے تاریخ کو پڑھا ہے۔ ان کے جنازے میں لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا۔ اس کے بعد جب یہ دفن کر دیئے گئے تو چالیس دن تک گروہ در گروہ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں لوگ آتے رہے اور قبر پر کھڑے ہو ہو کر ماتم کرتے رہے یہاں تک کہ ماتم کرنے والوں کی تعداد چالیس لاکھ تک پہنچ گئی۔ تو کیا امام احمد بن حنبل کا ماتم نہیں ہوا؟ اور میں پوچھنا چاہتا ہوں انصاف سے آپ بتایئے گا لوگ کہتے ہیں غیر سنجیدہ بات ہے کہ آپ سڑکوں پر ماتم کرتے ہوئے چلے جارہے ہیں۔ ہاں بھئی ماتم کر رہے ہیں' شریفوں کا قاعدہ نہیں ہے' اچھا شریفوں کا یہ قاعدہ نہیں ہے تو کیا شریفوں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ صفا اور مروہ میں دوڑیں؟ یہ دوڑنا سنجیدگی کے خلاف نہیں ہے؟ جناب اگر دوڑ دیکھیں تو لوگ کہیں گے کہ سارے مسلمان پاگل ہو گئے ہیں کہ پتھروں کو پتھر مار رہے ہیں۔ پتھروں کو تو پتھر وہی مارے گا جس کی عقلوں پر پتھر پڑے ہوئے ہوں مگر یہ تین شیطانوں کو جو صاحبان جاتے نہیں ہیں چاہے سنی ہوں یا شیعہ ہوں' کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں' ان کا حج مکمل نہیں ہو سکتا جب تک ان شیطانوں کی نشانیوں کو پتھر نہ ماریں۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ یہ سب سنجیدگی کی باتیں ہیں۔ اے حضور! لاکھوں دنبے جو ہر سال ذبح کر دیئے جاتے ہیں اور سارا گوشت ان کا ضائع ہوتا ہے اس کے بجائے کھلا دیئے جائیں کہ جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہو۔

ہم اگر سجدہ کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے مشرک ہو گئے۔ ہم کو تو قرآن نے مشرک بنایا ہے اس لئے ہم مشرک ہیں کسی مسلمان کا حج اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک قرآن کی اس آیت پر عمل نہ ہو جائے۔ جس جگہ

کھڑے ہو کر ابراہیمؑ نے کعبہ کی بنیادوں کو اٹھایا تھا، جس جگہ پر وہ کھڑے ہوئے تھے، جہاں ان کا نقش قدم ہے جب تک تم وہاں پر اللہ کی نماز ادا نہ کرو گے تمہارا حج پورا نہیں ہو سکتا۔ جہاں ابراہیمؑ کھڑے ہو کر کعبہ کی دیواروں کو بلند کریں، جب وہ ہماری سجدہ گاہ بن جائے، ہمارا مصلیٰ بن جائے تو جہاں حسینؑ نے کعبہ کی بنیادوں کو بچایا ہو کیا وہ مٹی لائق تعظیم نہیں ہے۔ تو آپ سمجھے؟ میں مختصر بات آپ کے سامنے عرض کردوں، دیکھئے دو چیزیں ہیں عربی زبان میں فرق سمجھ لیجئے۔ میں پھر ایک مرتبہ آپ کے سامنے عرض کردوں کہ میں بہت جاہل انسان ہوں لیکن عربی کے متعلق جو بات کہتا ہوں وہ Sincerity کے ساتھ کہتا ہوں۔ دو باتیں، دو لفظیں آتی ہیں عربی زبان میں ایک "امثال" اور ایک "تمثیل" اصل میں دنیا اس کا فرق نہیں سمجھتی "امثال" اور "تمثیل" کیا ہے؟ ان میں فرق کیا ہے؟ "امثال" کسی آدمی کی تصویر بنانا، کسی جاندار کی تصویر بنانا۔ یہ ہے امثال۔ اور تمثیل کیا ہے؟ کسی واقعہ کو کسی واقعہ کے ساتھ مثال دینا۔ نقل کرنا۔ اپنے کردار کے ذریعہ سے، اپنے عمل کے ذریعہ سے واقعہ نقل ہو تو یہ ہے تمثیل۔ اور انسان کی نقل بنائے تو امثال۔ اسلام میں امثال حرام ہے اور تمثیل سنت ہے۔ جی۔ پھر دہرادوں۔ یہ جو آپ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں یہ کیا ہے؟ یہ تمثیل ہے، ہاجرہ کے دوڑنے کی۔ جو آپ رمیہ جمرات کرتے ہیں، پتھروں کو کنکر مارتے ہیں کیا ہے؟ تمثیل ہے حضرت ابراہیمؑ کی۔ یہ جو میدان منا میں جو آپ دنبہ ذبح کرتے ہیں یہ تمثیل ہے۔ بہت سے لوگ غلط فہمی میں ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرت اسماعیلؑ کی تمثیل ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی تمثیل نہیں ہے، اس دنبے کی تمثیل ہے جو حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ بن گیا تھا۔ اللہ اکبر۔ مسلمان

میں اتنی بصیرت نہیں ہے۔ اس لئے مزاج مشیت کو سمجھ نہیں پاتے۔ اگر کوئی
دنبہ قربانی میں پیش کر دیتا ہے کسی نبی زادے کے بچانے کے لئے تو اس کی یہ
قربانی اسلام میں تمثیل کی شکل میں یادگار بن جاتی ہے۔ آپ اس دنبہ کی
توہین نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ارشاد الٰہی ہے کہ۔ وہ ساری چیزیں جو شعائر الٰہیہ
میں آجائیں ان کی تعظیم کرو۔ ان دنبوں کے لئے قرآن مجید میں ایک منزل
پر ارشاد ہوا ہے کہ یہ قربانی کے جانور وہ ہیں جن کو ہم نے اللہ کی نشانیاں 'اللہ
کا شعائر قرار دیا ہے۔ تو جب یہ اللہ کے شعائر ہیں تو دونوں آیتوں کے الحاق
سے نتیجہ کیا نکلے گا؟ جب تک ہم نے قربانی کا وہ دنبہ خریدا نہیں' وہ لائق
عزت نہیں ہے۔ لیکن جب قربانی کی نیت سے خرید لیا تو لائق تعظیم ہو گیا۔
اب آپ اس کی ہتک اور بے حرمتی نہیں کر سکتے۔ اس دنبہ میں کیا بات ہے؟
یہ دنبہ اس دنبہ کی شبیہ معزز بن گئی۔ یہ دنبہ ہی محترم نہیں ہے اس دنبہ کی
شبیہ میں صبح محشر تک حج ہوتا رہے گا' کروڑوں دنبے آتے رہیں گے اعزاز
واکرام پاتے رہیں گے اس لئے کہ شعائر الٰہی میں ہیں۔ دنبہ میں کیا بات ہے؟
بتاؤں آپ کو؟ بات یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے چھری
کے نیچے رکھا اور ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اپنے
خیال میں انہوں نے حضرت اسماعیل کو ذبح کر دیا' مگر وہاں کیا ہوا کہ جبرئیلؑ
نے لا کر دنبہ رکھ دیا اور اسماعیلؑ کو نکال لیا۔ دنبہ کو چھری کے نیچے رکھ دیا۔
آج محرم کی نویں تاریخ ہے۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ انصاف سے
بتایئے کہ محرم کی آج نویں تاریخ ہے' ابھی بقر عید کو ایک ہی مہینہ ہوا ہے۔
آج آپ جب کسی بکرے یا دنبے کو ذبح کرتے ہیں تو وہ ہاتھ پیر چلاتا ہے'
آواز بلند کرتا ہے کہ نہیں کرتا؟ اگر چھری کے نیچے آنے کے بعد اس دنبے

نے ہاتھ پاؤں چلائے ہوتے اور اس کی ٹانگیں حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں سے
نکلتیں تو حضرت ابراہیمؑ سمجھ نہ لیتے کہ یہ انسان کے ہاتھ نہیں ہیں' یہ تو
جانور ہے' یا اگر وہ آواز بلند کر دیتا تو اس کی آواز سن کر حضرت ابراہیمؑ سمجھ نہ
لیتے کہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ یہ تو دنبہ ذبح ہو رہا ہے۔ مگر اس کے علاوہ آپ کوئی
اور تصور ہی نہیں کر سکتے کہ اس دنبے کو اس بات کا احساس تھا کہ میں اپنی
قربانی پیش کر رہا ہوں ایک نبی زادے کو بچانے کے لئے۔ اس لئے چھری چلتی
رہی' وہ صبر کئے پڑا رہا' نہ ہاتھ پاؤں چلائے' نہ فریاد کے لئے آواز بلند کی بس یہ
صبر کی ادا اللہ کو اتنی پسند آگئی کہ وہ دنبہ ہی محترم اور معزز نہیں ہوا۔ بلکہ اب
دنبے کی شبیہ میں کروڑوں دنبے جو حاجی صاحبان قربان کرتے رہیں گے
میدان منا میں وہ سب معزز اور محترم ہو گئے۔ یہ دنبہ کتنی دیر منزل صبر میں
رہا؟ ____ برادران اسلامی۔ یہ دنبہ چند سکنڈ ایک جانور کسی نبی زادے کی
خدمت کر دیتا ہے تو وہ منزل صبر میں آ: ہے۔ اس کی شبیہ یادگار بنا دی جاتی
ہے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ دنبہ منزل صبر میں تھا کہ حسینؑ کا اسپ باوفا
زیادہ صبر کی منزل میں رہا؟ یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے' ایک طرف تین سکنڈ کا
صبر ہے اور ایک طرف تین دن کا صبر ہے۔ ایک چھری سے ذبح ہو جانا بے
شک صبر کی منزل میں ہے لیکن تیروں پر تیر کھانا اور حسینؑ کا ہر مصیبت میں
ساتھ دینا' ہر لاشہ پر حسینؑ کو لے کر جانا' حسینؑ کے ساتھ ساتھ خود بھی
تین دن پیاسا رہنا۔ حسینؑ کے ساتھ ساتھ خود بھی تین دن تک مصیبتوں
میں شریک رہنا' زخم کھانا' کیا یہ منزل صبر نہیں ہے۔

اور انصاف سے بتایئے برادران عزیز۔ اگر یہ حسینؑ کا اسپ باوفا نہ ہوتا
تو زینبؑ کو خبر کیسے ہوتی کہ حسینؑ شہید ہو گئے ہیں۔ یہی گھوڑا تو تھا کہ جس نے

جا کر بتایا کہ زینبؑ اب حسینؑ کا انتظار نہ کرو' سکینہ اب حسینؑ کا انتظار نہ کرو۔

یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ہم غیر خدا سے دعا کیوں مانگتے ہیں؟ نہیں سمجھتے یہ لوگ' ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ ان کو سمجھنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ حضور غیر خدا سے؟ غیر خدا کے دو معنی ہیں۔ ایک ہیں اولیائے خدا' اور ایک ہیں دشمنان خدا۔ آپ دونوں کو ایک منزل میں کیوں لاتے ہیں۔ ہم اگر اولیاء خدا سے دعا مانگتے ہیں اور اس یقین کے ساتھ دعا مانگتے ہیں کہ ان کا کوئی قدم مشیت الٰہی کے خلاف نہیں اٹھتا یہ اللہ کے محبوب بندے ہیں ان کے وسیلہ سے اگر ہم اس کی بارگاہ میں دعا کریں گے تو رب العزت ہماری دعا کو سن لے گا۔ نہ کہ خدا کے دشمنوں سے دعا کرنا۔ اب مثال آپ کے سامنے دے دوں۔ آپ کس Law کی پابندی کرتے ہیں؟ آپ برٹش لاء کے پابند ہیں۔ آپ کا کوئی مقدمہ پھنس گیا۔ آپ لے کر پہنچ گئے اس جج کے سامنے جس کو برٹش گورنمنٹ نے معین کیا ہے تو یہ آپ کی وفاداری کی نشانی ہو گی۔ اور اگر آپ نے اس کے Parallel ایک Case بنا لیا تو یہ آپ کی غداری کی نشانی ہو گی۔ ہم ان کے پاس دعائیں لے کر جاتے ہیں کہ جن کو اللہ نے وسیلہ بنایا ہے' اپنی طرف سے ہم کسی کو وسیلہ نہیں بناتے' تو ان میں اور ان وسیلوں میں فرق ہے کہ جن کو بنی نوع انسان خود تراش کر ڈھال کر دوسروں کی شکل میں لا کر بٹھا دیا کرتے ہیں لیکن میں آگے بڑھ کر ایک بات کہتا ہوں۔ میں نے ایک بات آپ کے سامنے عرض کی کہ اولیائے خدا سے دعا مانگنا اس نیت کے ساتھ ساتھ کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا کا دیا ہوا ہے۔ اور یہ خدا کی مرضی کے بغیر کام نہیں کر سکتے ہیں۔ شرک تو یہ قرار ہی نہیں پاتا' بفرض محال زیادہ سے زیادہ قرار پائے گا گناہ مثلاً دوسرے فرقہ کے نزدیک شرک کی تو منطق ہی الگ

ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ لوگ جو ہم سے کہتے ہیں کہ اولیائے خدا کے پاس نہ جاؤ مرادیں لینے اور خود دشمنان خدا کے پاس جاتے ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ یا علیؑ تو مشرک ہو گئے اگر ہم کہیں کہ یا رسول اللہ تو کہا جاتا ہے کہ ہم مشرک ہو گئے۔ اگر وہ کہیں یا ریگن' اور اگر وہ کہیں یا گرباچوف۔ ہم کہیں یا علیؑ میری مدد کو آیئے تو مشرک ہو گئے۔ اے رسولؐ ہماری مدد کے لئے آیئے تو ہم مشرک ہو گئے۔ وہاں سے کہیں ریگن صاحب آواز دے دیجئے ورنہ ہم گئے۔

ہم اولائے خدا سے مدد چاہیں زبانی تو مشرک' اور یہ دشمنان خدا سے عملی مدد چاہیں تو مؤمن۔ یہ کون سا شرک ہے؟ اور یہ کون سا ایمان ہے؟ اب غور کیجئے جو بات میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ دشمنان خدا سے عملی مدد طلب کر کے یہ ہمارے سربراہان مملکت سیاسی مسلک کا اعلان کر رہے ہیں۔ یعنی ہم دنیا کو بے وقوف بنانے کے لئے توحید کا پرچار کر رہے ہیں مگر شرک کے جراثیم ہمارے ذہنوں میں موجود ہیں' ہم کو خدا پر اعتبار نہیں ہے' ہم کو خدا پر اعتماد نہیں ہے' یہ لفظی گورکھ دھندا نہیں ہے۔ آج بھی آپ دیکھ لیں کہ ایک ایک ملک کہ جہاں سچا اسلام پایا جاتا ہے' یہ فریادیں لے لے کر جا رہے ہیں کہ ہم کو Plain (پلین) بھیج دو' ہماری عزتوں کو لوٹ لو' ہمارے سروں پر چھتیں لگاؤ' مکہ اور مدینہ کی حرمتوں کو زائل کر دو مگر اسلحے ہم کو ضرور دے دو۔ ایک ملک وہ بھی ہے جس کے لئے یہ پیشکش ہوتی ہے کہ ہم سے لو مگر وہ کہتے ہیں Superpower (سپرپاور) سے وہ وابستہ ہوتا ہے جو سپرپاور سے اپنا رشتہ توڑ لیا کرتا ہے۔ صلواۃ.......

بات کو سمجھئے' آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھائیے' عمل کے میدان میں دیکھئے کہ ان کا خدا پر بھروسا ہے کہ ان کا سپرپاور پر بھروسا ہے؟ ______

ہم حسینؑ کے ماننے والے ہیں۔ وہ حسینؑ کہ جس نے وحدانیت کے لئے جان دے دی، توحید کے چراغ کو روشن کرنے کے لئے اپنی جان کی قربانی پیش کردی۔ ہم حسینؑ کے مسلک کو کیسے چھوڑ دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم بصیرت بھی رکھتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ شیطان ہمیشہ دین ہی پردے میں آکر دین کی جڑیں کاٹتا ہے۔ دین کا لباس اختیار کرکے دین کی جڑیں کاٹا کرتا ہے۔ اس لئے ہمارے پاس بصیرت ہے اور وہ بصیرت، کربلا کے صدقہ میں ہم کو ملی ہے۔

بس عزاداران حسینؑ! آج تو عاشور کی رات ہے۔ آج تو ہم یہاں بیٹھے ہیں سیدہؑ کو پرسہ دینے کے لئے ان کے مظلوم فرزند کا۔ چھوٹی اور بڑی مجلس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے کسی روایت میں نہیں دیکھا کہ بڑی مجلس میں جناب سیدہؑ آتی ہے اور چھوٹی مجلس میں نہیں آتیں۔ سیدہؑ وہاں آتی ہیں کہ جہاں مجلس میں خلوص کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔

اور بہر حال۔ آپ خدا شاہد ہے اور اس کا رسولؐ شاہد ہے، میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ اس مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ لیکن واقعی میرے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اس غربت کے ماحول میں آپ اپنے عزیزوں کو بھولے ہوئے ہیں مگر فاطمہؑ کے لال کو یاد کر رہے ہیں جیسا کہ کمانڈر قاسم صاحب بتا رہے تھے کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو شوق اور لگن سے یہاں کام کرتے ہیں، صفائی کرتے ہیں، مشقت کرتے ہیں کیا معلوم ہمارا کون سا عمل اللہ کو اس کے رسولؐ کو اور اس کے اہل بیت کو پسند آجائے۔

اے حسینؑ کے ماتم دارو!۔ ہمارے ہاتھ سے سب ختم ہو چکا ہے، لیکن حسینؑ کا دامن ہاتھ سے نہ چھٹنے پائے۔ اس لئے کہ یہ دامن اگر ہاتھ سے چھٹ گیا تو ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، اور اگر یہ دامن ہمارے ہاتھ میں

ہے تو انشاءاللہ اس دامن کے سہارے آپ پھر ایک مرتبہ پوری طرح دین سے وابستہ ہو جائیں گے۔

عزادارو۔ میں اور میرا دل آپ کو دعائیں دے رہا ہے، لیکن پھر بھی کہنے میں یہ بات آتی ہے کہ آپ آرام سے فرش پر تشریف فرما ہیں۔ بہت سے لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ یہاں تو اتنی گرمی بھی نہیں ہے، لیکن ذرا کربلا کے ماحول کو یاد کیجئے، آج بڑی قیامت کی شب ہے، اور یہ بات آپ یاد رکھئے کہ آج کی شب میں شہزادی خاص طور پر صرف اس لئے آتی ہیں کہ اپنے رومال میں آپ کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو جمع کرنے جائیں اور اپنے بابا کے سامنے آنسوؤں کا یہ ہدیہ پیش کریں۔ ہائے، آج تکلف نہ کیجئے رونے میں۔

عزادارانِ حسینؑ! آج قیامت کی شب ہے۔ یہ شب عاشور حسینؑ نے کیسے گزاری؟ ایک روایت آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اس سلسلے میں۔ اس کے بعد میں حسینؑ کے مصائب پیش کر کے آپ کے سامنے وقت کے اندر اندر آپ کی زحمتوں کو ختم کر دوں گا۔

یہ شب عاشور۔ روایت بتاتی ہے کہ حضرت ہلال ابن نافع امام کے ایک صحابی، اس خیمہ میں تشریف فرما ہیں کہ جس خیمہ کے اندر جناب زینبؑ میں اور امامؑ میں گفتگو ہو رہی ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ بات چیت ہو رہی تھی اور مجھے خبر نہ ہوئی کہ کیا بات چیت ہوئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد امام خیمہ اقدس سے برآمد ہوئے اور میدان کربلا کا رخ کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام سے اجازت نہیں لی تھی، لیکن جب میں نے دیکھا کہ امام کربلا کے میدان میں جا رہے ہیں، تنہائی کا وقت ہے، رات کا سناٹا ہے تو میرے دل نے کہا امام کو تنہا

نہ چھوڑو۔ اور چونکہ میں نے امام سے اجازت نہیں لی تھی اس لئے ساتھ چلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی' کہتے ہیں اسی کشمکش میں' مگر تھوڑے فاصلے سے میں امامؑ کے ساتھ چلتا رہا' یہاں تک کہ امام کو محسوس ہو گیا کہ کوئی میرے پیچھے پیچھے آرہا ہے' امام نے پوچھا' کون؟ میں نے کہا حضورؑ کا غلام ہلال ابن نافع۔ کہا' ہلال تم کیوں چلے آئے؟ کہا آپ تنہا جا رہے ہیں مجھ سے برداشت نہ ہوا اور دل کے ہاتھوں کھنچا ہوا آپ کے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہوں' اس لئے کہ چاروں طرف دشمنوں کا ہجوم ہے' ایسا نہ ہو کہ کوئی دشمن تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فاطمہؑ کے لال کے زندگی کے چراغ کو خاموش کر دے۔ ہلال کہتے ہیں کہ امام نے مجھے دیکھا تو کہا ہلال آگے چلے آؤ۔ اللہ اکبر۔ اصحاب نے تو وفاداری کی حدیں پوری کر دی ہیں' مگر حسینؑ کا برتاؤ بھی دیکھئے کہ اپنے اصحاب کے ساتھ کیسا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب امام نے فرمایا کہ میرے ساتھ چلے آؤ اور میں امامؑ کے پاس آگیا تو امامؑ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا' دیکھو ہلال تمہاری عمر ابھی کم ہے' تم نوجوان ہو' اپنی زندگی کو بچا لو۔ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں۔ یہ لشکر مجھے پالے گا تو تمہیں نہیں ڈھونڈے گا۔ ہلال' رات کا سناٹا ہے اپنی جان بچا کر چلے جاؤ۔ میں اجازت دیتا ہوں تم پر کوئی گناہ نہیں ہو گا میں خوشی سے کہہ رہا ہوں۔ بس یہ کہنا تھا کہ ہلال ابن نافع کے بدن میں تھرتھری پڑ گئی' ہاتھ جوڑ کر کہا کہ فاطمہؑ کے لال کتنا ہمارا امتحان لیا جائے گا' کتنی مرتبہ ہم کو کہنا پڑے گا کہ ہم جان دے دیں گے مگر آپ کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ اب ہلال کہتے ہیں کہ امامؑ خاموش ہو گئے۔ اب میں امامؑ کے ساتھ چلا تو دیکھا کہ جگہ جگہ امامؑ جھاڑیاں صاف کر رہے ہیں' کانٹے صاف کر رہے ہیں' پتھروں کو ہٹا رہے ہیں۔ میں نے کہا مولیٰ یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ

پتھر کیوں ہٹا رہے ہیں؟ یہ کانٹے کیوں صاف کر رہے ہیں، یہ جھاڑیاں کیوں صاف کر رہے ہیں؟ کہا تم کو نہیں معلوم، لیکن مجھے معلوم ہے کہ میرا کون سا صحابی کل کس جگہ گھوڑے سے گرے گا۔ جہاں پر تم گرنے والے ہو وہاں کی زمین کو میں صاف کر رہا ہوں کہ گرو تو کوئی کانٹا نہ چبھنے پائے، کوئی پتھر تمہیں نقصان نہ پہنچائے اللہ اکبر، میرے مولا کو اپنے صحابی کا، اپنے اصحاب کا اتنا خیال ہے کہ یہ زخم کھا کر گھوڑے سے جب گریں تو کوئی کانٹا نہ چبھ جائے، اور جب خود حسینؑ گھوڑے کی بلندی سے نیچے آئے تو جسم میں اتنے تیر لگے ہوئے تھے کہ جنازہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہا۔

بس عزادارانِ حسینؑ! فرماتے ہیں ہلال ابن نافع۔ آخر میں امامؑ ایک نشیب کے پاس آئے اور آکر فرمایا، خدا کی قسم یہی جگہ ہے، یہی جگہ ہے، یہی جگہ ہے۔ میں نے کہا، مولا، یہ کون سی جگہ ہے؟ کیا یہی وہ جگہ ہے جہاں تمہارا امام شہید ہوگا۔ اس کے بعد امام پلٹے اور ہلال بھی ساتھ ساتھ پلٹے۔ امام پھر اس خیمہ میں تشریف لائے کہ جہاں زینب کبریٰ کا قیام تھا۔ بس عزادارانِ حسینؑ! روایت بتاتی ہے کہ ہلال دروازے پر بیٹھ گئے۔ فرماتے ہیں کہ بھائی اور بہن میں گفتگو ہو رہی تھی مگر میری سمجھ میں نہیں آئی کہ کیا گفتگو ہو رہی ہے، لیکن تھوڑی دیر بعد ایک مرتبہ شہزادی کی آواز بلند ہوئی تو میں نے سنا کہ شہزادی اپنے بھائی سے کہہ رہی ہیں کہ بھیا آپ نے اپنے بہتر ساتھیوں کو آزما بھی لیا ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ وقت پڑنے پر یہ بھی ساتھ چھوڑ دیں۔ اور میرا بھائی کربلا کے میدان میں تنہا دشمنوں میں گھر کر رہ جائے۔

عزادارو۔ بس یہ جملے ہلال کے دل پر برچھی بن کر لگے۔ وہ اٹھے اور روتے ہوئے اس خیمہ کے در پر آئے کہ جس بڑے خیمہ کے اندر اصحاب

حسینؑ کا قیام تھا۔ کوئی نماز پڑھ رہا تھا' کوئی تہلیل میں تھا' کوئی تسبیح میں تھا۔ بیٹھے اور بیٹھ کر چیخ مار کر روئے۔ اصحاب حسینؑ گھبرا گئے' گھبرا کر باہر نکلے' کیوں ہلال' کیا کوئی حادثہ ہو گیا؟ کوئی بچہ مر گیا پیاس سے؟ کہا' نہیں اس سے بڑا حادثہ ہو گیا۔ علیؑ کی بیٹی کو ہماری محبتوں پر اطمنان نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے ابھی ابھی اپنے بھائی سے کہہ رہی تھیں کہ بھیا' آپ نے اپنے ساتھیوں کو آزما لیا ہے؟ بس یہ سننا تھا کہ اصحاب حسینؑ تڑپ اٹھے' روایت بتاتی ہے کہ عباسؑ و علیؑ اکبر اٹھے' مگر اصحاب نے کہا' نہیں آپ بیٹھئے آپ تو جگر کے ٹکڑے ہیں' آپ پر اطمنان تو ہو گا ہی۔ ہم غیر ہیں ہم پر اطمینان نہیں ہے' جیسے بن پڑے گا ہم جا کر اپنی شاہزادی کو اطمینان دلائیں گے۔ آگے آگے جناب ہلال زہیر و حبیب' اور پیچھے پیچھے بقیہ اصحاب آئے' اس خیمہ کے پاس جہاں شاہزادی کا قیام تھا۔ اور آنے کے بعد آواز بلند کی کہ شہزادی یہ غلام حاضر ہو گئے۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو ہماری محبتوں پر اطمینان و اعتبار نہیں ہے۔ تو شہزادی ہم اعتبار دلانے کے لئے آئے ہیں جس طرح سے کہئے آپ کو یقین دلا دیں۔ ہم مرتے مر جائیں گے لیکن آپ کے بھائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے۔

بس عزادارانِ حسینؑ! اصحاب کی آواز خیمہ کے اندر پہنچی اور شہزادی تڑپ کر در خیمہ تک آ گئیں۔ اور آنے کے بعد فرمایا' میرے بھائی کے صحابیوں' میرے بھائی کے سپاہیوں' میرے بھائی کے ساتھیوں حسینؑ تمہارے حوالے ہیں' ہماری عزتوں کے تم ہی محافظ ہو۔ روایت بتاتی ہے کہ شہزادی کا خیمہ کے در پر آنا قیامت ہو گیا۔ اصحاب حسینؑ نے تلواریں کھینچ کھینچ کر اپنی گردنوں پر رکھ لیں' اور کہا شہزادی خیمہ کے اندر واپس ہو جائیے

ورنہ ہم اپنے ہاتھ سے اپنی گردنیں کاٹ لیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اصحاب حسینؑ! ارے زینبؑ خیمہ کے در تک آگئیں تھیں تو تم جان دینے پر تیار ہوگئے۔ ذرا آکر بعد عصر عاشور دیکھو۔ بس عزاداران حسینؑ! صبح عاشور نمودار ہوگئی' حسینؑ کا دفتر قربانی کھل گیا۔ ایک مجاہد کے بعد دوسرا مجاہد کربلا کے میدان میں جاتا رہا' حسینؑ ایک ایک کی لاش اٹھا کر گنج شہیداں کی تعمیر کرتے رہے' یہاں تک کہ جب تمام اصحاب ختم ہوگئے' انصار ختم ہوگئے تو اب بنی ہاشم کی باری آئی۔ سارے مصائب آپ کے سامنے عرض کرچکا' کبھی عون محمد کے جنازے حسینؑ لائے اور لاکر زینبؑ کے سامنے رکھ دیئے' کبھی علی اکبر کا جنازہ لا کر خیمہ کے در پر رکھ دیا' کبھی قاسم کا جنازہ لا کر خیمہ کے در پر رکھ دیا۔ ایک جنازہ وہ تھا جس کو حسینؑ نہ لا سکے اور وہ جنازہ تھا عباسؑ ابن علیؑ کا' اس لئے کہ عباسؑ نے وصیت کردی تھی کہ میرا جنازہ لے کر خیمہ کے در پر نہ جایئے گا۔ اس لئے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے چہرے پر سکینہ کی نظر پڑے اور وہ فریاد کرے کہ چچا آپ تو مجھ سے پانی لانے کا وعدہ کرچکے تھے میں پیاسی رہی اور آپ کا انتظار کرتی رہی۔

بس عزاداران حسینؑ! اب سناٹا تھا' حسینؑ کربلا کے میدان میں آئے اور آکر آواز بلند کی " ھل من ناصر ینصرنا " ہے کوئی ہماری مدد کرنے والا جو اس عالم میں ہماری نصرت کرے۔ روایت بتاتی ہے کہ جب حسینؑ نے آواز استغاثہ بلند کی تو شہداء کی لاشیں زمین کربلا پر تڑپنے لگیں۔ آواز آئی لبیک لبیک یا ابن رسول اللہ اے فرزند رسولؐ ہم نصرت کے لئے حاضر ہیں۔ خدا سے کہئے کہ وہ ہم میں دوبارہ جان ڈال دے اور پھر ہم آپ کی مدد کے لئے تیار ہیں۔ ادھر لاشہائے شہداء تڑپے' ادھر خیمہ

سے رونے کی آواز آئی۔ حسینؑ خیمہ کے در پر آئے اور آ کر کہا زینبؑ میں نے تم کو منع کیا تھا کہ میری زندگی میں نہ رونا۔ اب کیا سبب ہے کہ تم لوگ اس طرح تڑپ تڑپ کر رو رہے ہو؟ کہا کہ ہم نہ روتے مگر ہم کیا کریں کہ جب سے آپ نے آواز استغاثہ بلند کی ہے' تو اپنے کو چھ مہینہ کے بچے علی اصغر نے جھولے سے گرا دیا ہے۔

عزادارانِ حسینؑ! صاحب فہم حضرات میرے سامنے موجود ہیں۔ میں رباب کے بے شیر علی اصغر سے ایک سوال کرنا چاہوں گا کہ میرے شہزادے آپ کا نام شہدا کی فہرست میں موجود تھا' حسینؑ خود ہی آ کر آپ کو لے جاتے۔ یہ آپ نے خود جھولے سے اپنے آپ کو کیوں گرا دیا؟ تو شاید شہزادے کا جواب ہو گا' دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہوتا ہے مقتول ہونا اور ایک ہوتا ہے شہید ہونا اگر فرض کیجئے میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں اور کوئی آدمی آ کر مجھے گولی مار دے' بے خطا' بے قصور تو میں مظلوم ہوں مگر مقتول ہی کہلاؤں گا میں شہید نہیں ہوں۔ شہید اس وقت ہوں گا کہ جب اپنی مرضی سے ایک بلند مقصد کے لئے اور اسے بچانے کے لئے میدان شہادت میں جاؤں۔ تو شاید شہزادے کا جواب ہو گا کہ اگر میرا بابا خود مجھے اٹھا کر لے جاتا تو میں مقتول تو ہوتا مگر شہید نہ ہوتا۔ اس لئے میں نے اپنے آپ کو گہوارے سے گرا دیا کہ بابا آیئے' تمنائے شہادت میرے دل میں کروٹیں بدل رہی ہے' آیئے اور مجھے لے کر جایئے نانا کے دین پر قربان کر دیجئے۔ بس حسینؑ نے فرمایا' لاؤ اس بچہ کو میری گود میں دے دو۔ بہن نے چھ مہینہ کے لال کو حسینؑ کی گود میں دے دیا۔ ماں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ حسینؑ نے بچہ کے اوپر عبا کا سایہ کیا' دھوپ کی شدت تھی کربلا کے میدان میں آئے ایک بلندی کی طرف چلے' لشکر پسر سعد میں کوئی کہتا تھا کہ

حسینؑ قرآن لا رہے ہیں' کوئی کہتا تھا کہ تبرکات انبیاء میں سے کوئی چیز لا رہے ہیں مگر حسینؑ بلندی پر آئے اور آنے کے بعد جب عبا کا دامن ہٹایا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھ مہینہ کا بچہ' پھول سا' حسینؑ کے ہاتھوں پر کروٹیں بدل رہا ہے۔ حسینؑ نے اپنے بچے کو بلند کرتے ہوئے کہا کہ اے لشکر ابن زیاد کے سپاہیو! معاذ اللہ۔ اگر میں نے خطا کی ہے' میں نے قصور کیا ہے تو اس بچے نے کوئی خطا نہیں کی ہے۔ اگر اسے تھوڑا سا پانی پلا دو گے تو بہتے ہوئے دریا میں کوئی کمی نہیں ہو جائے گی۔ مگر عزادارو۔ جب اس کا کوئی جواب نہ ملا تو حسینؑ نے کہا کیا تم سمجھ رہے ہو کہ میں تم سے پانی لے کر خود پی لوں گا۔ اچھا لو' میں اتمام حجت کے لئے تین دن کا بھوکا اور پیاسا بچہ جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر پیچھے ہٹا جاتا ہوں تم خود آ کر اسے پانی پلا دو۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ جلتی ہوئی ریت پر جب حسینؑ نے بچے کو لٹایا تو بچہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگا' پیاس سے کروٹیں بدلنے لگا مگر حسینؑ اس منظر کو بھی دیکھتے رہے۔ اور صبر کئے رہے۔ جب اب بھی کوئی آگے نہ بڑھا تو حسینؑ پھر آگے بڑھے' بچے کو گود میں اٹھایا' اور کہا' میرے لال' جو کچھ میں کر سکتا تھا وہ کر چکا اب اگر تو بتا سکتا ہے کہ کتنا پیاسا ہے تو خود ہی بتا دے۔ عزادارو۔ بتاؤ۔ چھ مہینہ کا بچہ کیسے بتائے جو منہ سے بول بھی نہیں سکتا۔ مگر حکم امامؑ کا اثر یہ تھا کہ روایت بتاتی ہے کہ پھول سے بچے نے دھیرے دھیرے اپنا منہ لشکر ابن زیاد کی طرف موڑا اور سوکھی ہوئی زبان سوکھے ہوئے ہونٹوں پر پھرانا شروع کر دی۔

عزادارو۔ بس یہ وہ منظر تھا کہ جس کو دیکھ کر لشکر پسر سعد میں ہلچل مچ گئی' اور پسر سعد اس منظر کو دیکھ کر دوڑتا ہوا آیا حرملہ کے پاس۔

عزادارو۔ یہ حرملہ کوفہ کا سب سے زیادہ قوی اور پر قوت تیر لگانے والا تھا جو

لوہے کے توے پر تیر لگاتا تھا تو تیر لوہے کو توڑتا ہوا نکل جاتا تھا۔ اس کو منتخب کیا اور کہا حرملہ تیری وفا کا امتحان ہے اس بچہ نے تو انقلاب پیدا کر دیا ہے ہمارے لشکر میں کوئی صورت نکال۔ بس عزادارانِ حسینؑ حرملہ نے دوش سے کمان اتاری، ترکش سے تیر نکالا اور بچے کے گلے کو تیر کا نشانہ بنایا۔

عزادارانِ حسینؑ میں آپ کے سامنے اسی مظلوم کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کا ذکر میں آپ کے سامنے کر رہا ہوں ایک واقعہ سن لیجے۔ اب تو کافی مدت ہو گئی کئی برس ہو گئے۔ تقریباً دس بارہ سال ہو چکے ہیں لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں لکھنؤ سے تقریباً ۵۰ میل ایسٹ میں ایک چھوٹا سا شہر ہے رائے بریلی۔ تو وہاں میں مجلس پڑھنے کے لئے گیا۔ چنانچہ میں لکھنؤ اسٹیشن پر آ کر ٹرین میں سوار ہوا اور وہ گاڑی جس طرف سے آ رہی تھی امرتسر کی طرف سے اس طرف یعنی ویسٹ کی طرف ایک اور شہر پڑتا ہے اتفاق سے اس کا نام بھی بریلی ہے۔ جب میں اس ٹرین میں سوار ہوا تو اپنے کوچ میں آ کر بیٹھ گیا اور ٹرین لکھنؤ سے چلی تو تھوڑی دیر کے بعد ____ بعد والی کوچ میں میرے ایک شناسا مسٹر شرما ہندو C.T.D سپرینٹنڈینٹ تھے اور ان کا ٹرانسفر ہو گیا تھا۔ بریلی کی طرف سے وہ بھی آ رہے تھے وہ آ گئے میرے کوچ میں اور آنے کے بعد مجھ سے کہا میرے کوچ میں آ جائیے آپ سے کچھ بات کرنا ہے۔ میں چنانچہ ان کی کوچ میں چلا گیا۔ وہاں دو چار ہندو اور بھی تھے۔ شرما صاحب نے مجھ سے کہا ہماری گاڑی جب لکھنؤ سے گزر رہی تھی تو لکھنؤ کی تہذیب اور یہاں کے رسوم کا تذکرہ ہوا اور اسی ذیل میں لکھنؤ کی عزاداری کا ذکر ہوا تو میں نے بتایا کہ لکھنؤ کی عزاداری کیسے ہوتی ہے کیا ہوتا ہے۔ میں نے بتایا تو کچھ اور لوگوں نے کہا کہ ہم کو بھی بتاؤ کہ یہ عزاداری کیوں ہوتی ہے؟ کربلا میں کیا ہوا

تھا؟ اب ان ہندوؤں کے سامنے جو تاریخ کربلا سے واقف نہیں تھے، میں نے کربلا کی مختصر داستان بیان کر دی۔ میں نے کہا بھائی شرما صاحب، اب رائے بریلی بہت جلد آنے والا ہے آدھا گھنٹہ تقریباً گزر چکا ہے، آدھے گھنٹے کے بعد رائے بریلی آ جائے گا، اتنی جلدی میں کربلا کی داستان کیسے بیان کر دوں؟ انہوں نے کہا جیسے بھی بن پڑے آپ کربلا کی داستان مختصر طور پر سہی، بیان کر دیجئے۔ اب میں مجبور ہو گیا۔ پھر میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس میں مبالغہ نہیں ہے۔ برادران عزیز۔ میں نے کربلا کی جنگ کا تھوڑا سا پس منظر بیان کیا شہیدوں کی پیاس بیان کی، مظلومیت کا تھوڑا سا نقشہ کھینچا اور اس کے بعد مختصر مختصر میں نے شہیدوں کا حال بیان کیا، حضرت قاسمؑ کا حال مختصر طور پر پیش کیا، عون و محمدؑ کا حال مختصراً پیش کیا، حضرت عباسؑ ابن علیؑ کا حال مختصر طور پر پیش کیا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے میں اسی شہزادے کے ذکر پر آ گیا میں دیکھ رہا تھا کہ عباسؑ، علی اکبرؑ و قاسمؑ کی مصیبت جب میں بیان کر رہا تھا تو ان لوگوں کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا، دوسرا رنگ جا رہا تھا، یہ لوگ متاثر ہو رہے تھے، متاثر ہو رہے تھے۔ لیکن میں بیان کرتے کرتے، یہاں تک پہنچا کہ آخر میں حسینؑ خیمہ کے در پر آئے اور بچے کو لے کر چلے عبا کے دامن سے ڈھانک کر ایک بلندی پر آئے اور آنے کے بعد لشکر پسر سعد کے سپاہیوں سے کہا کہ اس بچہ کو پانی پلا دو، جب کوئی پانی پلانے پر تیار نہ ہوا تو حسینؑ نے اپنے بچے کو جلتی زمین پر رکھ کر کہا، اب آ کر اسے پانی پلا دو، لیکن اس پر بھی جب کوئی آگے نہ بڑھا تو حسینؑ نے بچے کو گود میں اٹھا لیا اور کہا کہ اے لال، تو خود بتا دے کہ تیری پیاس کتنی ہے، میں نہیں بتا سکتا کہ، بس عزادارانِ حسینؑ، میں نے کہا، کہ بچے نے اپنی گردن کو لشکر کی طرف پھیرا اور سوکھی ہوئی زبان خشک ہونٹوں

پڑھنا شروع کر دی۔ ان لوگوں نے گھبرا کر پوچھا' مولانا! اس کے بعد کیا ہوا؟ جیسے ان کو توقع تھی کہ کوئی آگے بڑھ کر پانی پلا دے گا' انہوں نے پوچھا' اس کے بعد کیا ہوا؟ میں نے کہا' اس کے بعد یہ ہوا کہ لشکر والوں میں ہلچل مچ گئی اور پسر سعد دوڑتا ہوا آیا۔ ایک زبردست کمانڈار حرملہ کے پاس آیا اور اس نے کہا جلدی سے حسینؑ کی بات کاٹ دے' ورنہ لشکر تہس نہس ہوا چاہتا ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ حرملہ نے دوش سے کمان اتاری' اور ترکش سے تیر نکالا' اور اس بچے کے گلے کا نشانہ لیا۔ اسی حسینؑ کی قسم کھا کر آپ کے سامنے کہتا ہوں کہ مجلس پڑھ رہا ہوں' جب میں یہاں تک پہنچا تھا کہ وہ ہندو کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا' اب آگے نہ بیان کیجئے گا' ہم میں سننے کی طاقت نہیں ہے کہ چھ مہینہ کا بچہ سوال آب پر تیر کا نشانہ بنا لیا جائے۔ میں نے کہا' اللہ اکبر' میرے بے شیر شہید' آج بھی تیری مظلومیت کا یہ عالم ہے کہ کافر بھی تیری مصیبت کو سننے کے لئے تیار نہیں ہیں' نہ معلوم وہ کیسے مسلمان تھے کہ جنہوں نے تجھے حسینؑ کی گود میں تیر کا نشانہ بنا لیا۔"

☆☆☆

دسویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین "(آل عمران آیت ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی خواہش کرے تو اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں سخت گھاٹے میں رہے گا۔

برادران عزیز۔ اس سلسلے کی یہ آخری مجلس ہے' اور جیسا کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آج مجلس مختصر ہو گی اور وہ سوالات جو کئے گئے ہیں' ان کے جوابات دینے کی کوشش کروں گا اور اس کے بعد آپ کو اختیار ہو گا کہ اگر میں وضاحت کرنے میں کسی سوال کے ناکام دکھائی دوں تو دوبارہ آپ وضاحت کرا سکتے ہیں تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

برادران عزیز۔ ارشاد الٰہی ہو رہا ہے کہ اگر اسلام کے علاوہ کسی انسان نے کسی بھی دوسرے مذہب یا دین کو اختیار کیا تو وہ دین اور وہ مذہب ہم اس سے قبول نہیں کریں گے اور ایسا انسان جب آخرت کی زندگی میں داخل ہو گا تو اسے خود اس بات کا احساس ہو جائے گا کہ اس نے اسلام کو چھوڑ کر اپنا نقصان کیا ہے۔

اسلام نے جتنا زور دیا ہے علم کے اوپر' جیسا کہ میں ایک مجلس میں عرض کر چکا ہوں' اتنا زور دوسری کسی شے پر نہیں دیا۔ یہاں تک کہ اس نے بتلایا کہ تمہاری عبادتیں بھی بے کار ہیں اگر علم کے ساتھ نہ ہوں۔ اس لئے

کہ اسلام جانتا تھا کہ دنیا میں سب سے خطرناک مرض اور سب سے زیادہ گہری تاریکی اور اندھیرا اگر ہوتا ہے تو جہالت کا ہوتا ہے۔ اور اسی لئے آج آپ دیکھ لیں، اور دوستی و دشمنی کی بات نہیں ہے، وہ ہمارے دشمن ہیں تو ہوا کریں لیکن اعتراف حقیقت پر اثر نہیں پڑتا ہے۔ یہ آج بھی آپ دیکھ لیں کہ دنیا میں وہی قوم سب سے آگے ہے کہ جو تعداد کے اعتبار سے بہت مختصر ہے مگر علم کے میدان میں سب سے آگے ہے۔ یعنی آپ یہودیوں کو دیکھ لیجئے۔ ظاہر ہے کہ یہودی مسلمانوں کے دشمن نمبر ایک، اور مسلمان یہودیوں کے دشمن، اور کتنا کرپشن یہودیوں کی وجہ سے پھیلا، یہ بات الگ ہے لیکن ظاہری اعتبار سے میں عرض کر رہا ہوں آپ کے سامنے کہ یہودیوں کو آپ دیکھیں کہ چونکہ وہ علم اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں سب سے آگے ہیں، اس لئے مختصر سے ہیں مگر ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ انسان کثرت تعداد کی بنا پر نہیں چھاتا، اپنی ذہانت اور علم کی بنا پر چھا جایا کرتا ہے۔

اب اس کے ساتھ یہ بھی آپ ملاحظہ فرمالیں کہ گزشتہ سال جب میں امریکہ میں تھا تو وہاں غالباً نومبر ہی کا مہینہ تھا کہ ..... ڈائجسٹ کے ایک ایڈیشن میں ایک آرٹیکل نکلا تھا، اور اس آرٹیکل میں جو بات لکھی تھی، اس سے مسلمانوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔ کہ جب یہودی، جرمنی سے کٹ کر، پٹ کر، مٹ کر، لٹ کر امریکہ پہنچے تو امریکن یہودی مائیں جب کسی شہر میں داخل ہوئیں تو انہوں نے اپنے بچوں کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا بعد میں دیا، اس شہر کی لائبریری کا کارڈ پہلے دیا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اسی لئے میں کہتا ہوں، اور مجھے افسوس ہے کہ میں نہیں کہہ سکا آپ کے سامنے جیسا مجھے کہنا چاہئے تھا کہ مردوں سے زیادہ عورتوں کی ایجوکیشن ضروری ہے، اس لئے کہ عورتیں

اگر ایجوکیٹڈ ہوں گی تو آئندہ نسلیں خود بخود ایجوکیٹڈ ہو جائیں گی۔

لیکن وہ اسلام کہ جس نے ایجوکیشن کے اوپر اور تعلیم کے اوپر اتنا زیادہ زور دیا تھا' وہ قوم آج تعلیم کے میدان میں سب سے پیچھے نظر آ رہی ہے۔ مسلمانوں کو برا نہ مانئے گا' ہر شے کا ذوق ہے' فلمیں دیکھنے کا ذوق ہے' وی سی آر کے سامنے زیادہ تر بیٹھے رہیں گے' اس کا ذوق ہے' لڑنے کا ذوق ہے' بحث کرنے کا ذوق ہے لیکن اگر نہیں ذوق ہے تو پڑھنے کا ذوق۔ پڑھنے کا ذوق ہی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ جس شئے کی قدر کیجئے گا اسی شئے کی قیمت زیادہ ہو گی۔ اب جیسے میں نے ایک کتاب لکھی محنت سے' کسی نہ کسی صورت سے اس کو چھپوا لیا' اب اگر اس کو کوئی پڑھے گا ہی نہیں تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر پڑھے' چاہے بعد میں کریٹیسائز ہی اس پر کرے' کوئی بات نہیں ہے لیکن پڑھے تو سہی' یہاں صورت حال کیا ہے؟ میں آپ کے سامنے واقعہ عرض کر رہا ہوں' آپ میں سے بہت سے حضرات ہوں گے جو تہران تشریف لے گئے ہوں گے' میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تہران میں سب سے زیادہ دکانیں کس چیز کی ہیں؟ بتا دیں آپ' ایران کے کسی بھی شہر میں آپ چلے جائیں' سب سے زیادہ دکانیں آپ کو کتابوں کی دکھائی دیں گی' شاید یورپ اور امریکہ میں بھی یہ بات نہیں ہے جو ایران کے شہروں میں ہے۔ جی۔ تو اب ظاہر ہے کہ دکانیں اسی شئے کی زیادہ ہوتی ہیں جس کی ڈیمانڈ زیادہ ہوتی ہے۔ تو اب آپ دیکھئے' ایک ایسی قوم کہ جس نے علم کی طلب کی تو اس کا انجام کیا ہوا؟ وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے' یہاں صورت حال کیا ہے؟ ایک محمدی ٹرسٹ کتابیں آپ کے یہاں چھاپتا ہے' آپ کو تو یہ کہنا چاہئے کہ تمہاری ایک پونڈ کی کتاب ہم دو پونڈ کی لیں گے' وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک پونڈ کی کتاب آدھے

پونڈ کی دیں گے' لیکن آپ آدھے پونڈ کی لینے کو بھی تیار نہیں تو کیا کیا جائے۔

مطلب میرا یہ ہے کہ دیکھئے۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں بہت بڑا کوئی عالم ہوں یا بہت بڑا مجتہد ہوں' ممکن ہے کہ کوئی شخص مجھ سے ایسا سوال کرے کہ میں جواب ہی نہ دے پاؤں تو آپ سمجھیں گے کہ میری توہین ہو گی' لیکن خدا کی قسم اگر کسی نے مجھ سے ایسا سوال کر لیا کہ جس کا میں جواب نہ دے سکا تو مجھے تو اس توہین پر بڑی خوشی ہو گی کہ ہمارے معاشرے' ہماری قوم میں ایسے سوال کرنے والے موجود ہیں کہ میں جواب نہ دے سکا۔

بڑی مجھے مسرت ہو گی میں اس توہین پر خوش ہوں گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ میں آپ کے سامنے کتے دن کے لئے آتا ہوں۔ یا اور جو علمائے کرام جو مجھ سے بہتر ہیں وہ کتے دن کے لئے آپ کے پاس آتے ہیں۔ تو جب تک آپ مطالعہ کا ذوق اپنے اندر نہ پیدا کریں' جب تک آپ اسٹڈی کی للک اپنے اندر نہ پیدا کریں اس وقت تک مسئلے حل نہیں ہوں گے۔ کتابیں پڑھئے' بچوں کو پڑھوایئے۔ اس وقت مسئلے حل ہوں گے مجھ سے پوچھ پوچھ کر مسئلے حل نہیں ہوں گے۔ اس لئے میں آپ سے اس مجلس میں خاص طور پر یہ درخواست کر رہا ہوں کہ خدا کے لئے اپنے آپ میں اور اپنے بچوں میں پڑھنے کا ذوق پیدا کیجئے۔

میں لندن میں تھا ۷۲ء' ۷۳ء میں آیا تھا اور اس وقت میرے میزبان میری نظروں کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کبھی لندن میں کوئی شاپنگ کی۔ کوئی ایک پیسے کی چیز بھی کبھی میں یہاں سے خرید کر لے گیا۔ مجھے ذوق ہی نہیں۔ لیکن جب کمانڈر صاحب نے کہا کہ فلاں دوکان پر چلو وہاں کتابیں بکتی ہیں تو میں نے کہا' مجھے وہاں نہ لے جایئے' میری ہوس پوری نہیں ہو گی۔ بس مجھے ایک ہی شوق ہے کتابیں خریدنے کا

ویسے نہ مجھے کھانے کا شوق ہے نہ پینے کا شوق ہے۔ کسی قسم کا ذوق ہی نہیں ہے لیکن اگر کوئی کتاب اچھی دیکھ لیتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ یہ کتاب کسی صورت سے مجھے مل جائے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟

تو آپ سے میری گزارش یہ ہے کہ علم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شے نہیں ہے۔ جب آپ کو بچے پڑھتا ہوا دیکھیں گے تو ان میں بھی ذوق پیدا ہوگا۔ اور پھر نسلیں آگے بڑھیں گی۔

وہ علی ابن ابی طالب ـــ اللہ اکبر ـــ کیا تھا علی کے پاس؟ کوئی بہت بڑا پیلس تھا، کوئی بہت بڑا قصر تھا، کوئی دولت تھی؟؟ صرف علم کا خزانہ تھا اور علم کی وجہ سے علی کو جو عزت ملی وہ آپ کے پیش نظر ہے۔ دیکھئے عزت اس میں تھوڑی ہے کہ میں تخت حکومت پر آکے بیٹھ جاؤں۔ عزت اس میں ہے کون کس کا محتاج ہے۔ کرسی پر بیٹھ جانے۔ سے عزت تھوڑی ملتی ہے۔ فرش اور قالین پر آکے بیٹھ جانے سے عزت تھوڑی ملتی ہے۔ اگر میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں اور دوسرے مجھ سے آتے ہیں مسئلے پوچھنے کے لئے مثلاً تو یہاں میری عزت ہے اور اگر میں یہاں سے اتر کر کسی سے جاؤں مسئلہ پوچھنے کے لئے تو عزت اس کی ہے جو نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ تاریخ اسلام میں کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ علی کبھی کسی سے کوئی مسئلہ پوچھنے گئے ہیں۔ اور تاریخ اسلام میں کون سی ایسی شخصیت ہے سوائے رسولؐ کے کہ جو علی کے زمانے میں ہو اور علی سے کچھ نہ کچھ پوچھنے نہ آئی ہو ـــ اسی لئے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ علی تمہاری مثال کعبہ کی جیسی ہے کعبہ خود کسی کے پاس نہیں آتا، جس کو نجات کی تمنا ہوتی ہے وہ کعبہ کا چکر لگایا کرتا ہے۔

تو دنیا علی کا چکر لگا رہی تھی علی اپنی جگہ کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر

علیؑ کیا فرماتے تھے۔ بھئی کیا پیاری بات کہی ہے' عجیب بات کہی ہے مولا نے۔ علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی سینہ مجھے نظر نہیں آتا امت میں 'مسلمانوں میں' جو علم کا حامل بن سکے۔ بس آپ نے اتنا ہی سنا ہوگا۔ لیکن اس کے آگے بھی فرماتے ہیں میں علم کا خزانہ کس کو دوں' مجھے وہ سینہ ہی نظر نہیں آتا جو علم کا حامل بن سکے۔ اس لئے کہ میرے سامنے دو طرح کے لوگ ہیں۔ عجیب بات ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے دو طرح کے لوگ ہیں۔ یا بے وقوف' ایماندار یا وہ بے وقوف کہ جو ایماندار ہیں۔ ایماندار ہیں مگر بے وقوف ہیں ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا ہی۔ یا تو بے وقوف ایماندار۔ یا ہوشیار ذہین مگر بے ایمان۔ تو نہ وہ اس لائق ہیں کہ علم کے حامل بنیں نہ یہ اس لائق ہیں کہ میرے علم کے حامل بنیں۔ اس لئے کہ ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ ان کو اگر علم دے دوں گا وہ علم سے دوسروں کا استحصال شروع کر دیں گے۔ اشارہ کر رہا ہوں آپ کے سامنے' ہماری ملت کی یہی تاریخ چلی آرہی ہے۔ ہماری ملت کی بارہ سو برس سے یہی تاریخ چلی آرہی ہے کہ ہماری لیڈر شپ کو ہمیشہ وہ لوگ چلاتے ہیں جو یا تو بے وقوف اور ایماندار ہوتے ہیں یا ہوشیار اور بے ایمان ہوتے ہیں۔ اب ہر جگہ کے ماحول کو آپ دیکھ لیجئے میں کہیں پر کسی ریفرنس سے یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ لیکن آپ اپنی تاریخ لیڈر شپ کو دیکھیں گے تو آپ کو یہی دکھائی دے گا کہ یا ہوشیار بے ایمان یا بے وقوف وایمان دار۔ تو نہ بے وقوف ایمانداروں کو لیڈر شپ ملنا چاہئے نہ ہوشیار اور مکاروں کو لیڈر شپ ملنا چاہئے۔

اب ایک بات اور عرض کر دوں آپ کے سامنے اور بس آپ کی زحمت ختم کروں۔ لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ جب اسلام علم کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس میں سائنس و ٹیکنالوجی سب شامل ہوتے ہیں۔ برادران عزیز' آپ

یاد رکھئے اور میں پوری شرعی ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ جیسے قرآن کا پڑھنا عبادت ہے' جیسے تفسیر کا پڑھنا عبادت ہے' جیسے حدیث کا پڑھنا عبادت ہے' اسی طرح سے سائنس و ٹیکنالوجی کا پڑھنا عبادت ہے۔ کوئی فرق نہیں ہے دونوں میں۔ آپ کہیں گے یہ تم کیسے کہہ رہے ہو؟ یہ بتائیے کہ اگر میں مسجد میں بیٹھ کر قرآن پڑھوں تو آپ مجھے نکال دیں گے؟ آپ کہیں گے کہ کام ٹھیک ہو رہا ہے' مسجد میں عبادت ہو رہی ہے' اگر میں حدیث پڑھوں' آپ مجھے نکال دیں گے؟ نہیں نکالیں گے۔ اور مسجد میں بیٹھ کر بچے کھیلنے لگوں؟ تو کمزور سے کمزور عقیدہ کا مسلمان گردن میں ہاتھ دے کر نکالے گا کہ بچے کھیلنا ہے تو جا کر کہیں اور کھیلو یہ عبادت کی جگہ ہے بچے کھیلنے کی جگہ تھوڑی ہے۔ جی۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شئے عبادت کے خلاف ہو' یہاں تک کہ وہ شئے جو مباح ہے وہ بھی آپ مسجد میں نہیں بجالا سکتے۔ سونا کوئی ہرج نہیں ہے لیکن مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ مسجد جاگنے کی جگہ ہے' سونے کی جگہ تھوڑی ہے۔ جی۔ آپ کہتے ہیں کہ کیسا مزاج شریعت ہے؟ اس میں کوئی ہرج ہے؟ لیکن مسجد میں سونا مکروہ۔ اس لئے کہ مسجد ذکر خدا کی جگہ ہے۔ کتنی نازک بات ہے کہ ہم' آپ' اسلامی اخلاق کے اعتبار سے جو جملے ہیں ان کے علاوہ مسجد میں تذکرہ کرنے کی ہم کو اجازت نہیں ہے۔ مکروہ ہے۔

اب ملاحظہ فرمایئے۔ ہشام ابن عبد الملک بنی امیہ کا زبردست بادشاہ۔ اور یہ مدینہ آ رہا ہے' اور پہلے سے مدینہ کو سجایا جا رہا ہے۔ اور بنایا جا رہا ہے' اور سنوارا جا رہا ہے اور دربار کو سجایا جا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ آ گیا۔ دربار سجایا گیا۔ حکومت وقت کے خوشامدی علماء جانے لگے۔ نذر پیش کرنے لگے' جھک جھک کر

سلام کرنے لگے۔ سب آ گئے مگر امام محمدؑ باقرنہ آئے تو اس نے محسوس کیا کہ سب بڑے تو آ گئے ہیں۔ مگر امام محمد باقرؑ نہ آئے۔ تو گورنر جو تھا اس نے کہا کہ سب آ جائیں گے مگر وہ نہیں آئیں گے۔ کہا پھر کیا ہو۔ کہا کہ ان سے ملاقات کے لئے تجھے خود جانا پڑے گا مگر وہ نہیں آئیں گے یہاں۔ کہا ایسی بات ہے تو میں جاؤں گا۔ تیار ہوا امامؑ کی خدمت میں جانے کے لئے پوچھا کہاں ہوں گے وہ اس وقت؟ کہا اس وقت تو وہ مسجد نبوی میں ہیں۔ جو اسلام کی مقدس ترین مسجد ہے معمولی مسجد نہیں ہے۔ کہا کہ اس وقت تو وہاں مسلمانوں کو درس دے رہے ہوں گے۔ کہا میں بھی جا کر درس میں شریک ہوں گا۔

ہشام ابن عبدالملک مسجد میں آیا اور امام کے درس اور لیکچر میں لوگ ایسا محو تھے کہ کسی کو خبر نہیں ہوئی کہ کدھر آیا اور کدھر گیا۔ امام تقریر فرما رہے ہیں اور یہ جا کر مسجد کے ایک کھمبے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا بڑی دیر تک سنتا رہا۔ آخر اس سے برداشت نہ ہوا اس نے کہا کہ اے محمد باقرؑ! آپ مسلمانوں کو کیا پڑھا رہے ہیں؟ میری تو سمجھ ہی میں نہیں آ رہا ہے۔ کہا نہ یہ قرآن ہے نہ حدیث ہے "آخر آپ یہ کیا پڑھا رہے ہیں؟ تو امامؑ نے فرمایا میں مسلمانوں کو علم ہیئت پڑھا رہا ہوں۔ کون پڑھا رہا ہے؟ معصوم امام۔ کہاں پڑھا رہا ہے؟ مسجد کے اندر۔ تو اگر مسجد کے اندر سوائے کار عبادت کے کوئی کام بجا لایا نہیں جا سکتا ہے تو سائنس کا پڑھنا عبادت نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ اگر کوئی غیر امام پڑھا رہا ہوتا تو آپ کہتے کہ اس نے غلطی کی مگر یہاں عصمت کے پہرے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ تو یہی مجھے حیرت کی بات نظر آتی ہے کہ وہ فرقہ کہ جس کے سامنے ائمہ طاہرینؑ کے ایسے علوم کے خزانے رکھے ہوئے ہوں اور علوم کے چراغ جل رہے ہوں اور مسلمانوں کا وہ فرقہ علم کے میدان میں پیچھے

ہو جائے اس سے بڑھ کر حیرت کی اور کوئی بات نہیں ہے۔

اب برادران عزیز۔ آپ سمجھ لیں کہ کربلا کی جنگ علم اور جہالت کی جنگ تھی۔ ایک طرف علم تھا اور دوسری طرف جہالت تھی۔ اس لئے کہ جہالت علم کے ساتھ ساتھ ایک شئے آتی ہے اور جہالت کے ساتھ ساتھ ایک شئے آتی۔ اور یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ "العلم ومع الحلم" یہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے' جہاں علم پایا جاتا ہو گا وہاں بردباری پائی جاتی ہو گی۔ وہاں معاف کر دینے کا جذبہ پایا جاتا ہو گا۔ وہاں بخش دینے کی اسپرٹ پائی جاتی ہو گی اور جہاں جہالت پائی جاتی ہے وہاں ظلم کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہاں معاف نہ کرنے کے جذبات ہوتے ہیں۔ اس لئے علم اور جہل کربلا کے میدان میں ٹکرا رہے تھے۔

خدا کی قسم حسینؑ ہر منزل پر لشکر یزیدی کو معاف کر دینے کے لئے تیار تھے۔ علیؑ اکبر کی شہادت کے بعد امام نے جو خطبہ دیا تھا وہ تاریخ میں آپ پڑھیں۔ امامؑ نے جو خطبہ دیا وہ یہی ہے کہ اب بھی اگر تم میرے قتل سے باز آجاؤ تو میں تمہیں معاف کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اللہ اکبر۔ علیؑ اکبر کی لاش نظروں کے سامنے پڑی ہے' عباس کی لاش نظروں کے سامنے پڑی ہے' علی اصغر کو ابھی دفن کر کے آرہے ہیں' مگر اللہ رے امامؑ کے سینے کی وسعت' فرماتے ہیں کہ اب بھی توبہ کر لو۔ اگر تم اپنے گناہوں سے باز آجاؤ تو اب بھی میں بخشنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر اس کا جواب ادھر سے کیا دیا جاتا ہے؟ تیر سے دیا جاتا ہے' اب آپ دیکھ لیجئے کہ علم کی وسعت کدھر ہے اور جہالت کی تنگ دامانی کدھر ہے۔

کربلا کی جنگ تھی دراصل علم اور جہل کی جنگ۔ اور یاد رکھئے کہ جب

علم اور جہل کی جنگ ہو گی تو وقتی طور پر چاہے علم کو شکست ہو جائے اور جہل کو فتح ہو جائے مگر نتیجہ میں علم کو کامیابی ملتی ہے۔ اور جہالت کو شکست فاش۔ چنانچہ آپ دیکھ لیجئے کہ جہالت نے اپنی جنگ جیتنے کے لئے جتنی چالیں سوچی تھیں کربلا کے میدان میں وہ سب الٹ گئیں۔ وہ سب علم کی کامیابی کا ایک ایک قدم بننے لگیں۔ جی۔ جہالت نے کہا' اس وقت تک ہم اپنی کامیابی پر مطمئن نہ ہوں گے جب تک حسینؑ کا سر کٹ کر نوک نیزہ پر بلند ہو کر شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار نہ پھرا یا جائے۔ چونکہ جاہل تھے اس لئے ری ایکشن کا اندازہ نہ کر سکے۔ وہ سمجھے تھے کہ لوگ ڈر جائیں گے۔ مگر حسینؑ کا کٹا ہوا سر جہاں جہاں گیا ایک پیغام لے کر گیا کہ جو حق والے ہوتے ہیں وہ سر جھکایا نہیں کرتے سر کٹا دیا کرتے ہیں۔

جہالت نے کہا کہ ہم زینبؑ اور ام کلثومؑ کو اسیر کر لیں گے۔ ان کو شہر بہ شہر دیار بہ دیار پھرائیں گے۔ نامحرموں کے مجمع میں چادریں چھین کر ہاتھ پس گردن سے باندھ کر' تو لوگ ڈر جائیں گے کہ جب ذریت رسول کی یہ گت بن سکتی ہے تو اگر ہم نے حکومت وقت کے خلاف لب کشائی کی تو ہماری گت کیا بن جائے گی۔ لیکن ہوا کیا؟ کہ زینبؑ کوفہ کے بازار میں گئیں تو وہ خطبہ دیا کہ کوفہ الٹ گیا۔ دربار یزید میں گئیں تو وہ تقریر کی کہ دربار الٹ گیا۔ مختصر یہ کہ باطل نے اور جہالت نے جتنی چالیں مجتمع کی تھیں اپنی کامیابی کے لئے وہ سب حق کی کامیابی کا پیش خیمہ بن گئیں۔

بس عزادارانِ حسینؑ! رانڈوں کا قافلہ کربلا سے کوفہ کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ آج محرم کی گیارہ تاریخ ہے۔ اور ایک روایت سن لیجئے' اور آپ کی زحمتیں ختم کر دوں۔ اور پھر وہ سوالات کہ جو میرے پاس رکھے ہیں' اس کا

سلسلہ شروع ہوگا۔ اور پھر ایک مرتبہ میں عرض کردوں کہ مجلس کے ختم ہونے کے بعد آپ حضرات آزاد ہیں' جو صاحب تشریف رکھنا چاہے وہ تشریف رکھیں اور جو صاحب جانا چاہیں وہ مجلس سے جاسکتے ہیں۔

برادران عزیز۔ رانڈوں کا قافلہ کربلا سے کوفہ کے لئے روانہ ہو چکا۔ ادھر عبداللہ ابن قیس کہ جو امام حسنؑ کے دودھ شریک بھائی تھے۔ ان کا عالم یہ تھا کہ یہ جب حج کرنے کے لئے آتے تھے تو حج کے بعد مدینہ آتے تھے اور مدینہ آنے کے بعد امام حسنؑ کی زیارت کرتے تھے اور پھر اپنے وطن واپس ہوتے تھے۔ اور جب امام حسنؑ دنیا سے رخصت ہوگئے تو اب ہر حج کے بعد یہ امام حسینؑ کی زیارت کے لئے آتے رہے۔ خود ان کا بیان ہے سنہ ۶۰ ہجری کا حج کرکے جب میں مکہ سے مدینہ پہنچا تو میں نے فرزند رسولؐ کے بارے میں سوال کیا تو لوگوں نے بتایا کہ عبداللہ! مدینہ ویران ہوگیا۔ حسینؑ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ ہوتے ہوئے کوفہ کی جانب روانہ ہو چکے ہیں۔ مدینہ والوں کو ابھی خبر نہیں ہے کہ کیا ہوا؟

برادران عزیز توجہ فرمایئے۔ اب خود ان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے کوفہ کی جانب چلا کہ جو میرا دستور ہے کہ اس کو انجام دے کر رہوں گا کہ جب تک اپنے آقا حسینؑ کی زیارت نہ کرلوں اس وقت تک اپنے گھر واپس نہ ہوں گا۔ ان کا بیان ہے کہ میں کوفہ کے قریب ایک منزل کے اوپر ٹھہرا ہوا تھا کہ کربلا کی جانب سے ایک زبردست غبار اڑا اور میں سمجھ گیا کہ کوئی قافلہ آرہا ہے۔ اس لئے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جب غبار کا دامن چاک ہوا تو میں نے دیکھا کہ آگے آگے بنی امیہ کے پرچم چلے آرہے ہیں۔ سیاہ پرچم۔ کہا کہ میں دیکھ کر ڈرا کہ خدا معلوم یہ ظالم کس چمن کو پامال کرکے آرہے ہیں۔ اور میں الگ

ہٹ کر اس منزل سے ایک بلندی پر جا کر بیٹھ گیا۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک زبردست لشکر آیا اور اس لشکر نے آتے ہی اس میدان میں خاص خاص خیمے لگانا شروع کر دیئے اور جو خاص خاص خیمہ تھے اس کے اندر سرداران فوج نے جا کر قیام کیا۔ پھر بڑے بڑے چنڈال لگا دیئے گئے اور جتنے سپاہی تھے وہ شامیانوں میں اور چنڈالوں میں بیٹھے' یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ جانوروں تک کو درختوں کے سائے میں باندھ دیا گیا۔ مگر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آخر قافلہ میں کچھ اونٹ کہ جن کے اوپر آگے آگے بیمار و ناتواں' جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئیں اور پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئیں اور اس کے پیچھے پیچھے کچھ بے کس عورتیں' اسیروں کی شکل میں' یہ بھی آگئے وہاں' کہتے ہیں عبداللہ کہ میں دیکھ رہا تھا کہ جانوروں تک کو سائے میں باندھا گیا' مگر ان بے کس قیدیوں کے لئے سایہ فراہم نہ کیا گیا۔ اونٹ بٹھا دیئے گئے۔ عورتیں تو کسی صورت سے اتریں۔ مگر اس بیمار نے پر اترنا چاہا اور کوشش کی' اتر نہ سکا۔ جب بہت کوشش کی تو منھ کے بل زمین کے اوپر گر پڑا۔ ان عورتوں نے چاروں طرف سے گھیر کر فریاد و فغاں کی آوازیں بلند کر دیں۔

بس عزاداران حسینؑ۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اس منظر کو حیرت و حسرت سے دیکھ رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ انہیں بیبیوں میں سے ایک بی بی جن کی کمر جھکی ہوئی تھی اور جن کے سر کے بال سفید تھے۔ ایک چھوٹی سی بچی کا ہاتھ پکڑ کر ادھر چلیں کہ جہاں چشمہ پانی کا لہریں لے رہا تھا۔ بچی کے چہرے سے بھی پیاس ظاہر تھی اور خود ان بی بی کے بھی چہرے سے پیاس آشکار تھی۔ یہ کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ بچی کو لئے ہوئے آئیں' پانی پر نظر پڑی' مگر نہ معلوم کیا یاد آیا کہ ایک مرتبہ پلٹ کر کربلا کی طرف دیکھا' اور کہا کہ بھیا کیا محبت کا

تقاضا یہی ہے کہ تم پانی پانی کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاؤ اور تمہارے بعد یہ بہن اس آب شیریں سے اپنی پیاس کو بجھالے۔ عبد اللہ اس منظر کو حیرت وحسرت سے دیکھ رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان بی بی کی نظر میرے اوپر پڑی۔ اور کہا کہ شیخ تو مسلمان معلوم ہوتا ہے کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اسلام میں نامحرم پر نظر ڈالنا حرام ہے؟ کیوں ہمیں گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ ہمارے چہرے سے تو نظر ہٹالے۔ کہتے ہیں کہ میں کانپ گیا تھرتھرا گیا میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا بی بی اگر میں نظر بد سے دیکھتا ہوں تو خدا مجھے ابھی ابھی اندھا کر دے۔ مجھ سے تو آپ کی یہ بے کسی نہیں دیکھی جارہی ہے' مجھ سے تو آپ کی یہ مظلومیت نہیں دیکھی جارہی ہے۔ کہا کہ تم ہو کون؟ کدھر سے آئے ہو؟ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ کہا کہ میں عبد اللہ ابن قیس ہوں۔ کہا کہاں گئے تھے کہا گیا تھا مدینہ اپنے آقا حسینؑ کی زیارت کرنے کے لئے معلوم ہوا کہ میرا آقا کوفہ گیا ہے۔ اب میں کوفے جارہا ہوں اپنے آقا کی زیارت کرنے کے لئے۔ بس یہ سننا تھا کہ بی بی نے جواب دیا کہ واہ عبد اللہ واہ۔ اب ہماری منزل وہ آگئی ہے کہ ہمارے چاہنے والے بھی ہم کو نہیں پہچان پاتے ____ اے عبد اللہ اب حسینؑ کی زیارت نہ کرو وہ نوک نیزہ پر حسینؑ کا کٹا ہوا سر ہے' یہ حسینؑ کی بہن زینب ہے جو اسیر کر کے شہر بہ شہر دریا بہ دریا پھرائی جارہی ہے۔ مجلس تمام۔

اب جو سوال میرے سامنے پہلی حیثیت سے ہے وہ یہ ہے کہ کیا تقلید سے کوئی کسی بھی حیثیت سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟ امتیاز کیسے کیا جائے؟ یہ تقلید کے ضمن میں ضروری ہے۔

برادران عزیز ____ تقلید کے مسئلہ پر میں ایک مجلس میں کافی تفصیل سے روشنی ڈال چکا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ محترم اس مجلس میں تشریف

فرماتے یا تشریف فرما نہیں تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقلید' جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' تین کنا گریز کے انسان ہوتے ہیں۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ ہر انسان کو مسئلے خود سمجھنا چاہئے حدیث و قرآن کی روشنی میں۔ اب اگر کسی آدمی میں اتنی نالج نہیں ہے کہ وہ عربی کو پڑھ سکے اور اس کا مطلب سمجھ سکے اور زبان پر کمانڈ رکھتا ہو۔ تو ظاہر ہے کہ ہمارا سورس آف نالج قرآن اور حدیث ہے جو عربی زبان میں ہے۔ اب اگر کسی کو اتنی عربی نہیں آتی ہے تو پھر بھی ہمارے یہاں' کم سے کم اگر اس کے پاس اتنا علم ہے کہ وہ عمل پر احتیاط کر سکتا ہے۔ تو دو صورتیں ہیں۔ یا تو انسان مجتہد ہو سارے مسائل میں' اگر انسان مجتہد ہے سارے مسائل میں تو اس کے لئے تقلید حرام ہے' اور وہ اپنے فتووں پر خود عمل کرے گا۔ اگر بعض مسائل میں مجتہد ہے اور بعض مسائل میں مجتہد نہیں ہے تو جن مسائل میں مجتہد ہے اس میں تقلید کرنا حرام ہے' جن مسائل میں وہ مجتہد نہیں ہے اس میں وہ تقلید کرے گا یا احتیاط پر عمل کرے گا۔ اسی کے ذیل میں وہ ہے کہ انسان مجتہد نہیں ہے مگر اختلافی مسائل میں وہ احتیاط پر عمل کر سکتا ہے۔ ایسے انسان کو بھی اجازت ہے وہ اپنے عمل پر احتیاط کے ذریعہ سے وہ اپنی تقلید کو پورا کرے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر انسان میں اتنی بھی صلاحیت نہیں ہے کہ احتیاط پر عمل کر سکے تو سوائے تقلید کے وہ کیا کرے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کس کی تقلید کرے؟ یہ تو کامن سینس کی بات ہے' خدانخواستہ آپ کا بچہ بیمار ہو جائے تو آپ کوشش یہ کرتے ہیں کہ جو بہتر سے بہتر ڈاکٹر ہے اس کے پاس لے کر جائیں اپنے بچے کو۔ یہ بھی کامن سینس کی بات ہے۔ تو اسی طرح سے جب شرعی مسائل الجھیں تو ان مسائل میں آپ کی عقل خود بتائے گی کہ زمانے میں جو اعلم ہے۔ یعنی جو سب

سے بڑا مجتہد ہے، جس کی نظر مسائل شرعیہ پر سب سے زیادہ ہے، اور وہ صاحب کردار بھی ہے آپ اس کی تقلید کریں۔ یہی ہے وہ تقلید کا مسئلہ جس کو میں آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں۔

اس کے بعد جو جملہ میرے محترم نے فرمایا ہے اس کو میں نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ "امتیاز کیسے کیا جائے، یہ تقلید کے ضمن میں بھی ہے" اگر وہ تشریف فرما ہوں تو اس سوال کی وضاحت فرما دیں کہ کیا مطلب ہے ان کا؟۔

علماء کا جہاں تک سوال ہے، علماء کا جھگڑا بہت پرانا ہے۔ یہاں تک کہ میں نے ایک بہت پرانا قول دیکھا ہے کئی سو برس پہلے کا اس بات کو ہمیشہ یاد رکھئے۔ تو علماء کی ساری باتوں کو مانو، سوائے اس رائے کے کہ جو وہ کسی دوسرے عالم کے بارے میں رکھتا ہو۔ سمجھ گئے آپ، عالم کی ہر بات کو مانو سوائے اس رائے کے کہ وہ کسی دوسرے عالم کے بارے میں ظاہر کرے۔ اب اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کی جڑیں کہاں تک ہیں، لیکن میری گزارش یہ ہے کہ اعلم کا انتخاب عوام نہیں کرتے ہیں بلکہ ہماری اصطلاح میں جنہیں اہل سدرہ کہا جاتا ہے۔ یعنی اس کے نیچے کے جو علماء ہیں وہ اس کو منتخب کرتے ہیں۔ الیکشن وغیرہ تو نہیں ہوتا ہے لیکن ان کے بارے میں اعلان ہو جاتا ہے کہ فلاں اس وقت اعلم وقت ہے۔

ہماری تاریخ میں ہمیشہ ایک اعلم رہا ہے۔ اس وقت خدا کا شکر ہے کہ دو بزرگ ہستیاں ایسی ہیں کہ بعض شیعہ حضرات ان کی تقلید کر رہے ہیں اور بعض حضرات ان کی تقلید کر رہے ہیں۔ بہر حال یہ دونوں ہی ایک ہی پلے کے تقریباً عالم ہیں لہٰذا آپ چاہیں ان کی تقلید کریں چاہے ان کی تقلید کریں کوئی ہرج نہیں ہے۔ مگر میں یہ عرض کر دوں کہ جو حضرات آیت اللہ خوئی کے

مقلد ہیں ان کی تقلید پر برقرار رہیں لیکن آیت اللہ خمینی کو ایک خاص منزلت اس وقت حاصل ہے یعنی وہ مجتہد وقت اور فقیہہ عصر ہونے کے ساتھ ساتھ رہبر انقلاب اسلامی بھی ہیں اور واقعی عملی طور پر حاکم شرع کی بھی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ اس منزل پر میں ایک بات اور آپ کے سامنے کہہ دوں اور اس کو آپ مزید علماء سے تصدیق کروالیجئے گا کہ وہ پوزیشن اگر کسی عالم کو حاصل ہو جائے جو اس وقت آیت اللہ خمینی کو حاصل ہے تو اگر وہ فتویٰ دے تو اس فتوے کے خلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر بحیثیت ولی شرعی اور حاکم شرعی اور ولایت فقیہہ کی حیثیت سے وہ کوئی آرڈر دے دیں تو پھر وہ کسی بھی ملک کا مقلد ہو وہ اس کے آرڈر پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے۔ کیونکہ وہ فتویٰ نہیں ہے بلکہ آرڈر ہے بحیثیت حاکم شرعی۔ اب جو بات آپ عرض کر رہے اس کے بارے میں میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ وہی مسئلہ چاند کا۔ چاند کا مسئلہ ایسا ہے کہ یہ میری جسارت ہے لیکن بہر حال میرا کام یہ ہے کہ میں آپ کو مسائل سے آگاہ کر دوں۔ چاہے مسئلہ میرے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔

چاند کا مسئلہ یہ ہے کہ چاند کی رویت حاکم شرع کے فتوے سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس میں تقلید نہیں ہے۔ اس میں کوئی تقلید نہیں ہے۔ یہ کامن سینس کی بات ہے۔ اگر فرض کیجئے اگر میں خدانخواستہ معاذ اللہ مجتہد ہوں اور میں کہہ دوں کہ آج لندن میں چاند نکل آیا تو میرے کہنے سے چاند نکلے گا؟ ملاحظہ کیا آپ نے؟ تو جب چاند میرے حکم کی تقلید نہیں کرے گا تو میں لوگوں سے کیسے کہہ سکتا ہوں کہ تم میرے کہنے سے چاند کو مان لو۔ تو چاند کے مسئلے میں تقلید نہیں ہے۔ یہ تو علماء کا احسان ہے کہ وہ لوگوں کی گواہیاں لے کر اعلان کر دیتے ہیں لیکن اگر آپ کہیں کہ ہمارے لئے ثابت نہیں ہے چاند

تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے آپ تقلید سے نہیں نکلیں گے۔ تو اس طرح کے جو مسائل ہیں جن کا سائنٹفک انالسس سے تعلق ہے اس میں گویا کوئی تقلید نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو ان کا کہنا مانیں اور چاہیں تو نہ مانیں جیسا کہ میں آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں کہ حاکم شرعی کے کہنے سے رویت ہلال ثابت نہیں ہوتی۔

تو عرض کرنے کا مطلب میرا یہی ہے۔ دیکھئے ایک مسئلہ تیز ھا پھنستا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ روزہ رکھنا حرام یا روزہ رکھنا واجب۔ وہاں تو آپ مجبور ہیں کہ یہ فیصلہ کریں کہ چاند ہوا کہ نہیں ہوا۔ باقی چاند کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ باقی تیوہاروں میں' باقی مسائل میں آپ کے اتحاد کی اہمیت ہے۔ اگر آپ نے نو محرم کو زیارت عاشورہ پڑھ لی تو اس میں خدانخواستہ کوئی گناہ نہیں ہے آپ کو اتنا ہی ثواب ملے گا۔ یا اگر آپ نے تیرہ رجب کی محفل چودہ کو کر لی تو اس میں کون سی قیامت ہو جائے گی۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ بارگاہ الٰہی میں یہ نیت کریں کہ ہم قوم میں اتحاد برقرار رکھنے کے لئے' باوجود یہ کہ ہم جانتے ہیں کہ آج عشرہ نہیں ہے' لیکن اتحاد قومی کو برقرار رکھنے کے لئے ہم آج عاشورہ منا رہے ہیں۔ تو انشاءاللہ آپ کو اس میں اور زیادہ ثواب حاصل ہو گا۔

اس کے بعد دوسرا سوال ہے ایک محترم کا' جس میں انہیں نے ایک مجلس میں میں نے پڑھا تھا کہ موت اور اجل کا فرق میں نے بیان کیا تھا۔ تو میں نے کہا تھا کہ اجل ہے انسان کی عمر کی وہ آخری حد کہ جو علم الٰہی میں ہے اور اس کے اندر انسان کو اپنی عمر گھٹانے میں یا بڑھانے میں اختیار ہے۔

تو اس ذیل میں میں نے کہا تھا کہ اگر کوئی انسان مر جائے اور اس کی اجل نہ ہو بلکہ موت ہو تو ممکن ہے کوئی نبی خدا بشکل اعجاز اس کو زندہ کر دے یا

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میڈیکل سائنس اتنی ترقی کر جائے کہ اس کو دوبارہ زندگی دے دے۔ تو ہمارے ان دوست کو ایک شبہ ہوا ہے کہ۔ ممکن ہے میری زبان سے کوئی ایسا لفظ نکلا ہو کہ جس سے ان کو یہ خیال ہوا ہے کہ میں وہ ہندو مذہب میں جو جسے تناسب کہا جاتا ہے' میرے کسی جملے سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔

ان کا عقیدہ ہے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی روح کسی دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے۔ اس کے کیریکٹر کے اعتبار سے۔ اگر اس نے برائی کی ہے تو کسی بری شکل میں چلی جاتی ہے' سانپ بن جاتا ہے' بچھو بن جاتا ہے' بھیڑیا بن جاتا ہے' مکھی بن جاتا ہے' مچھر بن جاتا ہے۔ اور اگر اس نے اچھے کام کئے ہیں تو کسی اچھی شکل میں اس کی روح دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے۔ یہاں میں نے نہیں عرض کیا کہ دوسرے جسم میں روح چلی جائے گی' بلکہ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ جو انسان مرا ہے موت کے ذریعے سے خود وہ دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے۔ اور اس کے لئے مثالیں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ خود قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بہت سے مردوں کو زندہ کیا اور فقط حضرت عیسیٰ ہی کا ایک معجزہ نہیں ہے بلکہ امام زین العابدین علیہ السلام کا بھی معجزہ آپ کے پیش نظر ہے کہ آپ کی دعا سے ایک ضعیفہ جو مر گئی تھی' دوبارہ زندہ ہوئی۔ صلوٰۃ......"

اس کے بعد یہ ہے کہ میں پہلے سنی عقیدہ کا آدمی تھا اور پچھلے سال سے شیعہ ہو گیا ہوں چونکہ میری بیوی شیعہ ہے' اور سات سال شادی کے ہو گئے ہیں میں اپنی بیوی کا شکر گزار ہوں ___ الحمد للہ۔

اس کا جواب میں دے چکا ہوں' ماتم کے بارے میں یہ سوال ہے' بعد

میں ایک صاحب مجھ سے ملے تھے اور انہوں نے کہا تھا میں مطمئن ہو چکا ہوں۔

ایک سوال اور ہے۔ اہلیہ مؤمن لکھا ہوا ہے' پتہ نہیں یہ کس مؤمن کی اہلیہ ہیں یا مؤمن ان کے شوہر کا نام ہے مجھے نہیں معلوم بہرحال انہیں نے جو تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور اسلام سے بڑھ کر کوئی دین نہیں ہے تو فطری طور پر انسان پر اچھی چیز کو اپنا لیتا ہے تو اب تک نظام اسلام کو دنیا نے کیوں نہیں اپنایا؟

ٹھیک ہے' مجھے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا جواب برنارڈ شاہ پہلے دے چکا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ میں جب اسلام کو دیکھتا ہوں تو اسلام قبول کرنے کو میرا دل چاہتا ہے اور جب مسلمان کو دیکھتا ہوں تو مایوس ہو جاتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جواب کافی ہے۔

اس کے بعد ایک محترم نے دوسری شکایت کی ہے۔ شکایت آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں' کہ میں نے کل رات بعد از مجلس آپ سے زبانی ایک سوال کیا تھا جس کا جواب' آپ نے کسی وجہ سے کچھ مذاق کے انداز میں ٹال دیا۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر وہی سوال میں لکھ کر آپ کو دے دوں تو آپ گیارہ محرم والی مجلس میں اس پر روشنی ڈالیں گے۔ آپ نے اپنی اکثر مجالس میں یہ فرمایا ہے کہ شوہر اپنی بیویوں پر ظلم کرتے ہیں یا مت کیا کریں۔ اس ظلم پر خدا نے مردوں کو خوف دلایا ہے۔ اس پر آپ نے بہت سی ڈرا دینے والی مثالیں بھی دی ہیں' کیا اسی طرح یا کوئی اور طرح خدا اور رسول کا کوئی فرمان آپ کی نظر میں ہے جس میں عورتوں کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا گیا ہو کہ شوہروں سے بالخصوص اور دوسروں سے بالعموم وہ کس طرح پیش آئیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو درگزر سے کام نہ لیا جائے گا۔ مردوں کی

طرح عورتوں کی بھی سزا ہوگی۔ اگر اس پر کچھ ارشاد ہو جائے تو کرم ہوگا۔ عورتیں پہلے ہی آپ کو دعائیں دے رہی ہوں گی۔ اب آپ مردوں کی دعاؤں سے کیوں محروم رہیں۔

بھئی دیکھئے ایسا ہے کہ اسلام میں عورت حاکم ہے مرد کے اوپر نہ مرد حاکم ہے عورت کے اوپر۔ بلکہ یہ دونوں حکم خدا کے مطیع ہیں۔ ملاحظہ کیا آپ نے؟ اب صورت حال یہ ہے کہ مرد کو چونکہ عورت کا محافظ بنایا گیا ہے اور جو محافظ ہوتا ہے جس کا وہ محافظ بنایا گیا ہے اگر اس سے یہ کہا جائے کہ تم اس کا کہنا نہ مانو تو وہ اپنا فریضہ کیسے انجام دے سکتا ہے ___ اس میں بڑائی اور چھوٹائی کا کوئی سوال نہیں ہے ___ اب تو آٹومیٹک سسٹم ہو گیا ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ آپ ہندوستان یا پاکستان آئے اور چوراہے پر آپ دیکھئے کہ ایک کانسٹبل ٹریفک کا کھڑا ہوا ہے۔ اور سامنے سے فرض کیجئے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی کار آرہی ہے اس نے ہاتھ دکھایا تو تو وہ کار رکے گی کہ نہیں رکے گی۔ ظاہر ہے کہ اس کے ہاتھ دکھانے سے کار کو رکنا پڑے گا۔ حالانکہ یہ کانسٹبل ہے اور وہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہے شہر کا ذمہ دار ہے۔ مگر چونکہ اس کو محافظ بنایا گیا ہے کہ تم ٹریفک میں حادثے نہ ہونے دو۔ تو اب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے یہ اپنا ہاتھ اونچا کرے گا تو اس کو اپنی گاڑی روکنا پڑے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر گاڑی نہ روکے اور کوئی حادثہ ہو جائے تو ذمہ داری اس پر نہیں آئے گی بلکہ خود مجسٹریٹ پر آئے گی۔ تو چونکہ مرد کو عورت کا محافظ بنایا گیا ہے اس بناء کے اوپر عورت سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ مرد کی اطاعت کرے۔ جائز بات پر ناجائز باتوں کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے یہاں ایک اصول یہ ہے کہ وہ مرد کی اطاعت کرے۔ جائزیات پر ناجائز باتوں کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے یہاں ایک

اصول یہ ہے کہ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے' مخلوق کی اطاعت صرف اسی وقت تک ہے جب تک مخلوق کی اطاعت خالق کی اطاعت سے نہ ٹکرا رہی ہو۔ لیکن میرا مشاہدہ ___ ظاہر ہے کہ آپ یقین کیجئے کہ میں نے اب تک ہزاروں نکاح پڑھے ہوں گے' اور خدا محفوظ رکھے سینکڑوں طلاقیں پڑھی ہوں گی۔ عام طور پر جو میرا مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ آج کل کے زمانے میں مرد اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتے۔ اور عورتوں کے شکوے عام طور کے اوپر' ایک دو کیسز کے علاوہ عام طور کے اوپر شکوے جو ہوتے ہیں وہ جائز نہیں ہوتے۔ لیکن بہر حال میں آپ کے لڑانے کے لئے نہیں آیا ہوں آپ کو ملانے کے لئے آیا ہوں۔ میں آپ کو' اپنی بہنوں کو اور بھائیوں کو دونوں کو ایک اصول بتائے دیتا ہوں اس اصول کو جب چاہیں آزمالیں۔ دو چیزیں ایسی ہیں کہ جو پتھر کو پانی کر دیتی ہیں۔ ایک محبت اور ایک خدمت؟ اگر کسی شوہر کو اس بات کا خیال ہے کہ اس کی بیوی اس کی اطاعت نہیں کر رہی ہے اور اس کی بیوی اس کی خدمت نہیں کر رہی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اپنی بیوی کو صرف اپنی محبت کا یقین دلا دے کہ اس کے دل میں جتنی محبت اس کی بیوی کی ہے اتنی کسی کی نہیں ہے۔ اور پھر آپ دیکھ لیجئے' وہ آپ کے لئے موم بن جاتی ہے کہ نہیں بن جاتی ___ اچھا' شریعت کا مسئلہ میں آپ کے سامنے نہیں پیش کر رہا ہوں' جو پریکٹکل ایکسپیرینس ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ دیکھئے دو باتیں ایسی ہیں کہ جس میں ایک میں دین برباد ہوتا ہے اور ایک میں دنیا برباد ہوتی ہے۔ یعنی اگر آپ نے دین کے معاملے میں اللہ میں کسی کو شریک بنایا تو دین گیا اور بیوی کی محبت میں اگر آپ نے کسی کو شریک بنایا تو دنیا گئی۔ بیوی کو یہ احساس رہے کہ آپ "وحدہ لاشریک لہ" وہ ہے "وحدہ لاشریک لہ" اور یہ ہے "وحدہ لا

شریک لہ" یعنی وہ ایک ہے اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں ہے اور یہ بھی ایک ہے۔ دوسری بیوی آپ کے لئے اور نہیں ہے اور نہ آپ کو کسی عورت پر نظر ڈالنا ہے۔ بس اگر بیوی کو اتنا یقین ہو گیا تو آپ اس سے فاتح کی حیثیت سے بات کر سکتے ہیں۔

اور بہنوں سے میری گزارش یہ ہے کہ اگر ان کو اپنے شوہروں سے شکایت ہے تو وہ بھی اسی لائن پر چل کر اپنی محبت اور خدمت کے ذریعہ سے بڑے سے بڑے پتھروں کو موم بنا سکتی ہیں۔ اور آپ کے سامنے ایک بات عرض کر رہا ہوں کہ میں نے طلاق میں جو ایکسپیرینس دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ ... واقعی مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے کبھی کسی ایسی عورت کی طلاق پڑھی ہو کہ جن کی صورت ذرا کمزور ہو۔ یہ عجیب بات میں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں۔ زیادہ تر میں نے طلاقیں ان عورتوں کو پڑھی ہیں کہ جن کی صورت بہت اچھی تھی۔ تو میں نے کہا بھئی یہ کیا معاملہ ہے؟

اس کی صورت اچھی ہے مگر طلاق ہوئی جا رہی ہے' اس کی صورت اچھی نہیں ہے مگر طلاق نہیں ہو رہی ہے نکاح ہو رہا ہے۔ تو میں نے اس پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ جب ایک عورت ضرورت سے زیادہ خوبصورت آتی ہے اور ہینڈسم آتی ہے تو وہ اپنے ساتھ اپنے حسن کا غرور بھی لے کر آتی ہے۔ اس لئے جب پریکٹیکل لائف شروع ہوتی ہے تو اس میں دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور صورت کے اعتبار سے جب لڑکی کمزور ہوتی ہے تو اپنی اس کمزوری کو دور کرنا چاہتی ہے اپنی خدمتوں اور محبت سے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی خدمت اور محبت کے ذریعہ سے اسموتھ رن کرتی چلی جاتی ہے۔ تو یہ شوہروں سے میری گزارش ہے کہ وہ اپنی بیویوں سے محبت کریں اور محبت میں ان کو

نبھادیں۔ اور بہنوں سے میری گزارش ہے کہ وہ بھی خدمت اور محبت کا جذبہ اپنائیں۔ لڑائی جھگڑے سے کوئی مسئلہ طے نہیں ہوتا۔ ایسی خاتون نہ بنیں میں نے کہیں پڑھا ہے یا کسی سے میں نے سنا ہے۔ پتہ نہیں کہاں سے پڑھتے پڑھتے خیال آگیا کہ ایک خاتون تھیں اسی طرح کی قہر خدا کہ جنہوں نے اپنے شوہر کی زندگی کو اجیرن بنادیا تھا۔ اتنا لڑتی تھیں اتنا لڑتی تھیں۔ اتفاق کی بات کہ ان بے چاری کا انتقال ہو گیا۔ شوہر گئے پیچھے پیچھے اس کو دفن کرنے کے لئے۔ قبرستان میں بے چاری کو دفن کر کے پلٹ کے جب گھر پہنچے تو اتفاق سے بادل گھر کر آگئے اور بجلی کڑکی بہت زور سے چمک اور اس کے بعد کڑک دھماکہ بہت زور سے۔ جب وہ کڑک اور دھماکہ انہوں نے سنا تو انہوں نے کہا اچھا اب پہنچ گیا......

تو اگر ایسی کوئی خاتون ہیں تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ دیکھئے میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کہ محنت سے محبت سے اور خدمت سے ہر مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد جتنی بھی یہ فرمائشیں میں انگریزی میں لکھی ہوئی یا ٹائپ کی ہوئی ہیں اس میں ایک ایک چیز کی فرمائش ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بہر حال جو کچھ میرے امکان میں تھا مختصر مختصر لیکن کام کی باتیں میں نے آپ کو بتادیں۔

اب چونکہ یہ مجلس ہے اس لئے میں آپ کے سامنے صرف ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے شیعہ آپ بھی ہیں اور شیعہ ایرانی بھی ہیں۔ ہندوستانی شیعہ بھی شیعہ ہیں اور ایرانی شیعہ بھی شیعہ ہیں۔ پاکستانی شیعہ بھی شیعہ ہیں ایرانی شیعہ بھی شیعہ ہیں۔ سب کا عقیدہ ایک ہے۔ پھر آپ کے

لئے کیا بات ہے کہ جیسے وہ ہیں ویسے آپ نہیں ہیں۔ اور جیسے وہ ہیں ویسے ہم نہیں ہیں۔ بات اول تو یہی ہے کہ انہوں نے اپنے دین کو سمجھا ہے' وہ خالی مجلسوں میں شرکت نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا آپ کے سامنے' وہ پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔___ میں آپ سے بتاتا ہوں کہ جب میں ایران میں حاضر ہوا ہوں تو وہاں کی معمولی معمولی عورتوں نے وہ دقیق فکری مسائل آ کے دریافت کئے ہیں کہ شاید ہندوستان اور پاکستان کے مولویوں کو بھی نہیں معلوم ہوں گے۔ معمولی معمولی عورتیں آ کر سوال کرتی تھیں' سوال کرنے سے ان کی قابلیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ایک بات تو یہ ہے انہوں نے اپنے دین کو سمجھ لیا ہے اسلام ان کے اوپر تھوپا نہیں جاتا۔ اس لئے کہ جب انسان کا دل کسی مذہب کو قبول نہ کر رہا ہو اور اوپر سے آپ وہ مذہب تھوپیں تو مذہب' نہیں چلے گا نفاق پھیل جائے گا۔ اور جب انسان کا دل ڈیمانڈ کر رہا ہو مذہب کی اور اوپر سے آپ مذہب کو بتائیں تو اس میں پائیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک بات تو یہ ہے۔

دوسری بات اس میں ہماری بھی تھوڑی سے غلطی ہے۔ دیکھئے کربلا کے واقعہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو ہے مظلومیت کا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کربلا کے شہیدوں سے بڑھ کر کوئی مظلوم نہیں گزرا۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ آپ ذرا غور فرمائیں کہ کربلا کے المیے کا ایک پہلو اور بھی ہے جو پہلوئے شجاعت ہے اور بہادری کا ہے۔ تو مظلوموں نے کتنے سخت حالات کا مقابلہ کیا مگر سر نہیں جھکایا۔ مظلومیت کا پہلو مسلم ہے میں اس سے انکار تھوڑی کر رہا ہوں مگر دوسرا پہلو شجاعت کا کہ ہم اپنی بات کے لئے جان دے دیں گے مگر بات سے نہیں ہٹیں گے وہی جو حسینؑ کا نعرہ تھا۔ جسے آپ اردو میں کہا کرتے

ہیں کہ "عزت کی موت بہتر ذلت کی زندگی سے" ہمارے یہاں مجلسوں میں مظلومیت کے پہلو پر بہت زیادہ زور دیا گیا اور شجاعت کے پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا، میں کسی پر حملہ نہیں کرتا، میں خود اسی میں شامل ہوں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ ہندوستان اور پاکستان کے شیعوں میں مظلومیت کے پہلو پر بہت زیادہ زور دیا گیا اور شجاعت کے پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا میں کسی پر حملہ نہیں کرتا، میں خود اسی میں شامل ہوں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ ہندوستان اور پاکستان کے شیعوں میں مظلوم پر رونا تو آیا مگر مظلوم کے کردار سے انہوں نے سبق نہ لیا کہ حالات اگر بدتر ہو جائیں تو کس طرح سے ہم حالات کا مقابلہ کریں۔ اس لئے گویا ہمیں مظلوم رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ اچھا مظلوم رہنے کی اگر ہم کو عادت ہو جائے تو ظالم کو ظلم کرنے کی عادت ہو جائے گی اس لئے کہ مظلومیت کی تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی دو ہاتھ سے بجتی ہے۔ ایک طرف ظالم ہوتا ہے ظلم کرنے پر تیار، دوسری طرف مظلوم ہوتا ہے ظلم قبول کرنے پر تیار، تبھی ظلم چلتا ہے۔ ورنہ اگر مظلوم ظلم قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو ظلم کی کشتی کیسے چلے گی۔ مگر وہاں کیا ہوا، انہوں نے مظلومیت کو حسینؑ کی بیان کیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ حسینؑ نے کس طرح سے جان دی، شہادت کے فلسفے کو بتایا اور یہ بتایا کہ شہید زندہ رہتے ہیں اور موت ان تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور یہی ان کا ایمان اور عقیدہ بن گیا۔ چنانچہ آج آپ دیکھ لیجئے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کو ہرانے میں۔ ان کو قتل کیا جا سکتا ہے ان کو تہس نہس کیا جا سکتا ہے ان کو برباد کیا جا سکتا ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ جب تک ان میں یہ جذبہ موجود ہے ان کے سر کو نہیں جھکایا جا سکتا۔ یہ میں آپ کے سامنے پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں۔ تو اس لئے آپ سے میری گزارش ہے کہ جہاں آپ مظلوم کا ماتم کرتے ہیں وہاں ان

مظلوموں نے جو تاریخ ساز کردار اپنا پیش کیا ہے کہ باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا بلکہ سر اٹھا کر چلے ہیں۔ اگر یہ کردار آپ آج اپنے یہاں اپنا لیں تو انشاء اللہ آپ بھی اللہ کی تائید سے کامیاب ہو سکتے ہیں اور عزت کے مالک ہو سکتے ہیں۔ آپ دنیا پر قابو پا سکتے ہیں۔ بس ایک جملہ عرض کر کے آپ کی زحمت کو تمام کر رہا ہوں۔ آپ دنیا پر قابو پا سکتے ہیں۔ یہ پھر بتا دوں آپ کو کہ دنیا پر وہی قوم اور وہی فرد قابو پاتی ہے جو پہلے اپنے اوپر قابو پا لے۔ اپنے آپ پر قابو پانا آپ سیکھ لیجئے دنیا خود بخود آپ کے قابو میں آجائے گی۔ اور اگر آپ اپنے اوپر قابو نہیں پا رہے ہیں۔ دوسروں کی اندھی تقلید کر رہے ہیں' کوئی پرسنل لائف نہیں آپ کی' کوئی ڈسپلن لائف نہیں ہے' جدھر آپ کو ہٹایا ادھر آپ ہٹتے چلے گئے تو ایسی قومیں دنیا میں ہمیشہ ذلت و رسوائی میں ہی گزرہ کرتی ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ نے آنکھ نہ کھولی تو خدا نخواستہ آپ کا مقدر یہی ٹھہرے گا۔ لیکن مجھے سہارا ہے کہ یہ سالانہ کورس جو آپ کا ہوتا ہے مجلسوں کا اس میں کبھی نہ کبھی انشاء اللہ بے داری پیدا ہو گی۔ اور انشاء اللہ آپ عزت و سرفرازی کے مستحق قرار پائیں گے۔ جس کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ عزت و غلبہ و سرفرازی سب سے پہلے اللہ کے لئے ہے اللہ کے بعد اس کے رسولؐ کے لئے ہے اور رسولؐ کے بعد سچے مؤمنین کے لئے ہے۔ اسی بات کو قرآن مجید نے ایک دوسری منزل پر کہا ہے کہ نہ گھبراؤ' نہ پریشان ہو' نہ تمکو کوئی فکر نہ کرو تم اپنے ایمان کو سنبھالے رہو' دنیا پر غلبہ ہم تم کو خود بخود دے دیں گے۔ جو قوم صاحب ایمان ہوتی ہے وہ دنیا میں کبھی مغلوب نہیں ہوا کرتی ...."

☆☆☆

تاریخ اسلام
المعروف بہ
تفسیر اسلام
مؤلفہ:
علامہ فروغ کاظمی
اسلام کی تاریخ پر ایک جامع مفصل اور مستند کتاب
اس کتاب میں ابتدائے آفرینش سے خلقت حضرت آدمؑ تک اور خلقت
حضرت آدمؑ سے خاتم الانبیاءؐ تک تمام انبیاء و مرسلین نیز
حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے امام العصر والزمان عجل اللہ فرجہ تک تمام
ائمہ معصومینؑ کے تاریخی و تفصیلی اور مستند و معتبر حالات مجتمع ہیں۔